"یہ مفتی یہ مشائخ"

اور

انقلاب افغانستان

عبداللہ ملک

"یہ مفتی - یہ مشائخ"

اور

انقلابِ افغانستان

عبداللہ ملک

بارسوم ——— دسمبر ۱۹۸۶ء
صفحات ——— ۱۶۰
طابع ——— اکبر پرنٹرز لاہور
ناشر ——— کوثر پبلشرز لاہور
قیمت ——— ۲۰ روپے

کوثر پبلشرز: ۱۳۴ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن لاہور ۱۶ فون نمبر ۸۵۱۴۰۰

انتساب

پیارے دوست عباس اطہر کے نام

ترتیب

ابتدائیہ

بے جادہ دراہ ہے جو منزل

میں اس کا نشان دے رہا ہوں

افغانستان کے انقلاب کو ایک سال ہوگیا ہے اور یہ اوراق اس انقلاب کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا ایک جائزہ ہیں۔ یہ جائزہ ہمارے لئے بہت ہی اہم ہے۔ کیونکہ افغانستان ہمارا ہمسایہ ملک ہے۔ جس کے ساتھ ہمارے گہرے تہذیبی، نسلی اور دینی رشتے ہیں۔ یہاں پر رونما ہونے والی تبدیلیوں کا اثر ہماری زندگی پر بہت تیزی سے پڑنا لازمی ہے، اس لئے اس انقلاب سے جہاں سامراجی پریشان ہیں وہاں ہمارے ملک کے سرمایہ دار، جاگیردار اور جماعت اسلامی جن کا براہ راست رشتہ سامراجی ممالک کے ساتھ بہت گہرا ہے بھی سخت پریشان ہیں، لرزاں و ترساں ہیں اور پہلے دن سے ہی وہ اس انقلاب کے خلاف پاکستانی رائے عامہ کو دھوکہ دینے میں مصروف ہیں۔

آج جب اس جہاں دلفریب میں غریب اور امیر کی طبقاتی جنگ جگہ جگہ اور دیس دیس میں لڑی جارہی ہے تو یہ مختلف ممالک میں جو انقلاب برپا ہو رہے ہیں یہ بھی اسی طبقاتی جنگ ہی کی ایک ارفع و اعلیٰ شکلیں ہیں۔ کیونکہ ہر ملک میں جہاں انقلاب رونما ہوتا ہے، جہاں اقتدار غریبوں، محنت کشوں، مزدوروں، کسانوں اور ترقی پسند دانشوروں کے ہاتھ میں جاتا ہے۔ وہ ملک سامراج کے کیمپ سے نکل جاتا ہے۔ اس لئے سامراجی اپنی ان شکستوں سے بوکھلا اٹھتے ہیں، اس لئے یہ امیر اور غریب کے درمیان طبقاتی کشمکش صرف اندرون ملک ہی نہیں لڑی جاتی بلکہ یہ بین الاقوامی سطح پر بھی لڑی جاتی ہے اور اندرونی امیروں کا، بیرونی چوہدریوں یعنی سامراجیوں سے اسی بنا پر گہری چھنتی ہے اور وہ ایک ہی انداز سے انقلابی ملکوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ چنانچہ آج اندرون ملک اگر ایک طرف قومی اتحاد کے رہنما افغانستان کے انقلاب کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں تو بالکل اسی انداز میں امریکہ اور برطانیہ شور بپا کئے ہوئے ہیں۔ اس مسئلے میں مفتی محمود، جماعت اسلامی اور بی بی سی میں کامل اتحاد اور یگانگت ہے "نوائے وقت" کے تبصروں اور تجزیوں میں اور بی بی سی کے تجزیوں میں بلا کی مماثلت ہے۔ جیسے "ابوذر غفاری" اور "ڈیلیوڈ پیچ" کے سوتے ایک ہی منبع سے پھوٹتے ہیں۔

اس لئے ضروری ہے کہ انقلاب افغانستان کی پوری ماہیت کو سمجھا جائے، یہ اس لئے بھی ضروری

ہے کہ جب یہ سطور لکھی جا رہی ہیں تو ہم دونوں ممالک میں سرد جنگ "انقطہ عروج پر پہنچ رہی ہے اور باشعور لوگ خوفزدہ ہیں کہ ہماری "بیوقوفیاں" کہیں ہمیں ایک نئی جنگ میں نہ دھکیل دیں، اس لئے ہمارے عوام کا فرض ہے کہ وہ اپنے دفتر خارجہ سے لیکر جماعت اسلامی تک کی ریشہ دوانیوں کے بارے میں اگر چوکنے نہ ہوئے اور آواز بلند نہ کی تو ہم ایک ایسی محاذ آرائی میں الجھ جائیں گے جس سے ہماری بقا اور ہمارا وجود بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے اور ایسے حالات میں چین بھی طفل تسلیوں کے سوا کوئی ہماری امداد نہ کر سکے گا۔

ان اوراق میں مختلف دوستوں کے مضامین بھی میں نے شامل کئے ہیں، سب سے اہم تو وہ مضامین ہیں جو خود قائدین انقلاب افغانستان نے رقم کئے ہیں، ان کے علاوہ ڈاکٹر فیروز احمد کے دو مضامین ہیں ایک تو مضمون انہوں نے اپنے حالیہ افغانستان کے دورے کے بعد رقم کیا ہے اسی طرح اجمل خٹک کے انقلاب افغانستان کے بارے میں چشم دید حالات بھی دے دیئے ہیں، ہماری ان تمام کوششوں کا مقصد انقلاب افغانستان کے انقلاب کی ایک سال کی کامیابیوں اور ناکامیوں کو تفصیل سے جاننا ہے۔ اس لئے کہ انقلاب کے اثرات بہت دور رس ہوتے ہیں۔

اتنا بے رنگ دکھ کو نہیں جانیے، ہر رگ جاں شعاع بدن ہوئے گی
لوگ سپھر سے اچھالیں گے اپنا لہو اور گلگوں قبائے وطن ہوئے گی
(احمد فراز)

عبداللہ ملک ۱۵ اپریل ۷۹ء

دوسرے ایڈیشن کیلئے

یہ اوراق کوئی چھ برس پہلے تحریر ہوئے بلکہ افغانستان کے انقلاب کو بمشکل ایک ہی سال گذرا تھا اور ابھی روسی افواج انقلاب افغانستان کی مداخلت کے لئے افغانستان میں نہیں پہنچیں تھیں لیکن اس وقت بھی پاکستان کے رجعت پسند کے خلاف "شمشیر برہنہ" بن کر رد انقلاب کی عملی حمایت میں مصروف تھے اس لئے یہ سمجھنا کہ پاکستان کی حکومت سوویت یونین کی مداخلت کے بعد سرگرم عمل ہوئی ہے حقیقت کے منافی ہے۔ اس لئے میں نے ان صفحات کے آخر میں ایک باب کا اضافہ کر دیا ہے کہ کس طرح آج امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک عملاً پاکستان کو کس طرح عالمی سرد جنگ کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ اور یہ کتنا خطرناک کھیل ہے جس کے نتائج کے شاید ہم متحمل نہ ہو سکیں۔ اس لئے آج ہر پاکستانی کا فرض ہے کہ وہ حکومت پر دباؤ ڈالے تاکہ پاکستان کو اس آگ اور خون کے کھیل سے بچایا جا سکے۔

عبداللہ ملک ۸ مارچ ۱۹۸۵ء

فیض احمد فیض

ہم دیکھیں گے

ہم دیکھیں گے
لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے
وہ دن
کہ جس کا وعدہ ہے
جو لوحِ ازل پہ لکھا ہے
جب ظلم و ستم کے کوہِ گراں
روئی کی طرح اُڑ جائیں گے
ہم محکوموں کے پاؤں تلے
جب دھرتی تھر تھر دھڑکے گی
اور اہلِ حکم کے سر اوپر
جب بجلی کڑ کڑ، کڑکے گی
جب ارضِ خدا کے کعبے سے
سب بُت اُٹھوائے جائیں گے
ہم اہلِ صفا
مردودِ حرم
مسند پہ بٹھائے جائیں گے

سب تاج اچھالے جائیں گے
سب تخت گرائے جائیں گے
بس نام رہے گا اللہ کا
جو غائب بھی ہے، حاضر بھی
جو منظر بھی ہے، ناظر بھی
اُٹھے گا انا الحق کا نعرہ
جو میں بھی ہوں
اور تم بھی ہو
اور راج کرے گی خلقِ خدا
جو میں بھی ہوں
اور تم بھی ہو

علامہ اقبال

رومی بدلے، شامی بدلے، بدلا ہندوستان
تو بھی اے فرزند کہستان! اپنی خودی پہچان

اپنی خودی پہچان
او غافل افغان

موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان

اپنی خودی پہچان
او غافل افغان

اونچی جس کی لہر نہیں ہے وہ کیسا دریا ہے
جس کی ہوائیں تند نہیں ہیں وہ کیسا طوفان

اپنی خودی پہچان
او غافل افغان

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج
عالم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان

اپنی خودی پہچان
او غافل افغان

پشتو نظم

میرے چون غر، دلبر!

سلیمان لائق
احمد سلیم

سلیمان لائق افغانستان کے ممتاز پشتون شاعر، مورخ اور نئی انقلابی حکومت کے ریڈیو اور ٹی وی کے وزیر ہیں۔ ان کی شاعری کا مجموعہ "یادونہ اور دردمندونہ" کے نام سے انقلاب کے فوراً بعد چھپا تھا۔ زیر نظر نظم اس کے بعد کی ہے۔

میرے چون غر، دلبر!
اپنے پچھلے درّوں میں
میرے گرم نعروں کا
تو نے زور دیکھا ہے؟
اور چشمِ محنت میں
جاگتی تمنا کا
تو نے شور دیکھا ہے؟
تو نے اور دیکھا ہے؟
مردہ پھول کے اندر
جو ہنسی تھی محوِ خواب
کھلکھلا اٹھی کیسے؟
اور جہاں کی آنکھوں میں
آب اپنی تیغوں کی
جگمگا اٹھی کیسے؟

آسمان پر تو نے
جگمگاتے تاروں کو
یوں اترتے دیکھا ہے
جیسے پھول پر شبنم
نرم پاؤں دھرتی ہے

تو نے آج دیکھا ہے
کانپتے پہاڑوں کو
اور سرکتے درّوں کو
جاگ اُٹھتے ریچھوں کو
اور اُچھلتے بھیڑوں کو

تو نے آج دیکھا ہے
آسماں کو غرّاتے
بادلوں کو اِٹھلاتے
جھومتا ہوا سیلاب
لہلہاتی موجِ آب
دیس کے جیالوں کو
گرکے اُٹھتے لوگوں کو

تو نے آج دیکھا ہے
کیسے مسکراتے ہیں
وہ جو اپنے کہتے ہیں
اور غنیم روتے ہیں
پیش خیمہ ہیں یہ سب
آنے والے طوفاں کا
دیس کے دکھی دل میں
سرخ زیست کی جھبوں

کا نشاں ہیں یہ سارے
ان بلندیوں سے اب
بجلیوں کے لشکارے
اس زمیں پہ اُتریں گے
اور وطن کے ہونٹوں سے
لال گیت اُبھریں گے
اپنی سرخ غیرت پر
آج ناز کرنے کو
سارے لوگ لپکیں گے
اُن کے ہر بُن مُو سے
زندگی جنم لے گی

جن پہاڑی کانٹوں کے
میں نے گیت گائے تھے
آج گُل کھلے اُن پر
میرے چون غر، دلبر!
اب تو زندگانی کا
ساز گرم کر، دلبر!
تیرے لوگ، تیرے در
جاگ اُٹھے بشر، دلبر!
میرے چون غر، دلبر!

---

[1] چون غر ـــــ کوہ چون، افغانستان کا ایک پہاڑ

سوہن سنگھ جوش
احمد سلیم

پنجابی نظم

افغانستان

محنت کے پسینے کی کرامات
پتھروں میں سے پھوٹ پڑی بہار
پھول کھلنے لگے رنگ رنگ کے
خوشبو سے فضائیں بھر گئیں
کِھل اُٹھا گلزار ....

صدیوں کے جکڑے ہوئے پرندوں نے
اپنے پنجرے توڑ کر
صیاد کو زمین پر گرا کر،
ایک ہی جھٹکے میں
آزادی حاصل کرلی

وہ رسیلی زبان کے سروں میں ——
آزادی کے گیت گانے لگے
جگنوؤں سے مشعلیں لے کر
اڑنے لگے آسمانوں میں
دھرتی کے اندھیرے سے چھٹکارا پانے کے گیت گاتے ہوئے،

چیتھڑے لٹکے برہنہ پا چرواہے
بھیڑوں بکریوں کو چرانے والے
روٹی کے دو ٹکڑوں کے لئے
خان صاحبوں کا جبر سہتے ہوئے
صدیوں کی نیند سے بیدار ہوئے

اور سوار ہو گئے حاکموں کی چھاتیوں پر
صدیوں کا بدلہ چکانے کے لئے
جُگ پلٹ پڑا
سب کچھ تہ و بالا ہو گیا
خان صاحبوں کے گھروں میں بھگدڑ مچ گئی ــــــ
سوگ، آہیں، آنسو
چوکھٹ پکڑ کر بیٹھے
جو سہاگ لُوٹتے تھے
ان کے اپنے سہاگ لُٹ گئے
انہیں جان کے لالے پڑ گئے
وہ سب کچھ چھوڑ کر بھاگے
برتن، سامان، گھر بار . . . . .
حاکم شاہی کے ارد گرد
دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں
محنت کے پسینے کے چھینٹے
کہیں اس طرف نہ آ گریں

یہ نئی کرامت
کہیں اوپر سے نہیں اُتری
اسے دھرتی کے بیٹوں نے،
تخلیق کیا ہے

تخلیق جاگ پڑی
غیرت ہوش مند ہو گئی
ختم ہو چکی راج شاہی کی
کالی بھیانک رات
لوک راج کا سورج طلوع ہوا

چہچہاہٹ اور خوشبو کا سفید دن
افغانی آج آزاد ہو گئے
محنت کے پسینے کی یہ ایک کرامت ہے

عبداللہ ملک

پہلا باب

انقلابِ افغانستان سے دشمنی کیوں؟

- افغانستان کے اندر علماءؒ کے احتجاج کا تاریخی پس منظر
- افغانستان اور سوویت روس کے تعلقات تاریخ کی روشنی میں

اتنی نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت

افغانستان کے انقلاب کو ایک سال مکمل ہو رہا ہے۔ اس ایک سال میں افغانستان کے انقلاب کے خلاف مغربی دنیا کے ذرائع ابلاغ پریس، ریڈیو، ٹیلی ویژن نے جی کھول کر پراپگینڈہ کیا ہے اور یہ مہم ہنوز جاری ہے۔ اس پراپگینڈہ مہم کا منبع پاکستان ہے اور اب چند ماہ سے افغانستان کے اندر نور محمد ترکئی کی حکومت کے خلاف گوریلا سرگرمیوں کا بھی بڑے زور شور سے چرچا ہونے لگا ہے اور اس پراپگینڈہ کی پوری تان اس امر پر ٹوٹ رہی ہے کہ نور محمد ترکئی کی حکومت مسلمانوں کے مذہب کو ملیا میٹ کر رہی ہے، اس کے تمام اقدام اسلام کے منافی ہیں اور وہ علما اور مشائخ پر ظلم و تشدد روا رکھے ہوئے ہے۔ اس مہم میں پیش پیش "نوائے وقت" "جماعت اسلامی اور مفتی محمود ہیں۔ اور افغانستان کی ایک مبینہ جماعت "حزب اسلامی" اور اس قسم کی دیگر جماعتوں نے بھی پاکستان کے مختلف شہروں میں پریس کانفرنسیں کر کے کھلم کھلا طور پر افغانستان میں موجودہ انقلابی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے عالم اسلام سے امداد کی اپیل کی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کئی ایک علاقوں میں حزب اسلامی کے گوریلوں نے سرکاری فوجوں کو پسپا کر کے کچھ علاقے آزاد کرا لئے ہیں۔ افغانستان کی موجودہ حکومت کے خلاف ایک الزام یہ بھی ہے کہ یہ ماسکو کی کٹھ پتلی ہے اور لطف یہ ہے کہ اس پراپگینڈہ میں ایک طرف اگر نوائے وقت، مفتی محمود اور جماعت اسلامی شامل ہیں تو اسی صف میں پیپلز پارٹی کی مرکزی کمیٹی بھی کھڑی ہے۔ جس نے جنوری ۹، ء کو ایک قرارداد کے ذریعے افغانستان اور سوویت یونین کے معاہدے کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔

صحیح صورت حال کا تجزیہ کرنے کے لئے سب سے پہلے افغانستان اور سوویت یونین کی دوستی، مذہب مخالف اقدام اور علما اور مشائخ کے خلاف جبر و تشدد کرنے کے الزامات پر نگاہ ڈالنی ضروری ہے۔ کیونکہ یہ تمام الزامات ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں۔

افغانستان چکی دو پاٹوں میں

افغانستان کی تاریخ جدید کا ایک بنیادی نکتہ ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ یہ پہلی صدی کی دو زبردست سامراجی طاقتوں کے درمیان گھرا رہا ہے۔ ایک طرف برطانوی سامراج تھا تو دوسری طرف روس کی زار شاہی تھی۔ اس لئے اس حکومت کو ہر وقت دونوں حکومتوں کی ریشہ دوانیوں کا تختہ مشق بننا پڑتا تھا۔ چنانچہ جتنی بھی انگریز افغان جنگیں ہوئی ہیں ان کی پشت پر

برطانوی سامراج کی یہ خواہش کارفرما رہی کہ افغانستان میں روس کا اثر ورسوخ نہ پھیلنے پائے کیونکہ اس صورت میں برطانیہ کی سب سے اہم نوآبادی ہندوستان زارشاہی کی زد میں آنے کا ڈر تھا۔ اس لیے انیسویں صدی میں ہم زارشاہی اور برطانوی سامراج کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا دیکھتے ہیں، اور یہی وہ زمانہ تھا جب برطانیہ کی حکومت ہندوستان کے اشخاص کو زار کے مقبوضہ علاقوں یعنی وسطی ایشیا میں روس کے خلاف مسلمانوں کو اکسانے اور وہاں کی صورت حال کے بارے میں جاسوسی کرنے کے لیے بھیجا کرتی تھی۔ انیسویں صدی کا یہی وہ زمانہ تھا جب برطانوی سامراجیوں نے ہندوستان کو اپنی نوآبادیاتی توسیع میں ایک اڈے کی طرح استعمال کیا۔ انہوں نے سوڈان، مصر، حبش، افغانستان، برما اور چین کے خلاف جارحانہ جنگیں کیں اور ہر جگہ ہندوستانی سپاہی استعمال کئے۔ اور بحیرہ احمر کی دوسری بندرگاہوں میں نوآبادیاتی اداروں، چین میں قونصل خانوں اور ایران میں سفارت خانوں کے اخراجات ہندوستان کے عوام کو برداشت کرنا پڑتے تھے۔

برصغیر ہند کی جدید تاریخ کے بارے میں برطانوی مورخوں کی مسخ بیانی پر جواہر لال نہرو نے جس رائے کا اظہار کیا ہے اس کی روشنی میں ہمارے محققین کو اس دور کا تنقیدی نظر سے از سرِ نو جائزہ لینا چاہیئے ہیں۔ نہرو لکھتے ہیں۔

"ہندوستان کی تاریخ کے متعلق خاص طور پر جسے برطانوی عہد کہا جاتا ہے، انگریزوں کے بیان تلخ خشکی پیدا کرتے ہیں صداقت سمندر کی گہرائیوں کی تہہ میں چھپی ہوئی ہے اور صریح اور بے حجاب دروغ گوئی ہر طرف چھائی ہوئی ہے۔

برطانیہ کی سامراجی سرگرمیاں ہندوستان کے تمام پڑوسی ملکوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ سنکیانگ، افغانستان، بالائی برما اور تبت برطانوی صنعتی اشیا کی منڈی اور خام مال کے ذرائع کے لحاظ سے یہ علاقے غیر اہم تھے۔ لیکن دنیا کی آخری تقسیم کے لیے سامراجی جدوجہد کے دور میں حکمت عملی کے نقطۂ نظر سے ان کی اہمیت بڑھ گئی تھی۔ اس لئے کہ وہ چین اور وسطی ایشیا کے نزدیک تھے۔ ۔۔۔

برطانوی سامراج کی خارجہ پالیسی ہمیشہ جارحانہ رہی۔ اس کی بنیادی سمت سب سے پہلے برطانیہ کی بین الاقوامی حالت سے متعین ہوتی تھی۔ انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں برطانوی نوآبادیاتی پالیسی کا محور "مشرقی سوال" تھا۔ یعنی روبہ زوال ترک سلطنت کو ورثے میں حاصل کرنے کی جدوجہد۔ مشرق قریب اور مشرق وسطیٰ میں خاص دشمن روس تھا۔ اس تاریخی حقیقت نے ہندوستان کی سرحدوں پر برطانوی توسیع کو ہوا دی، خاص طور پر شمال اور شمال مغرب میں کاشغر، افغانستان اور ترکمانیہ کے جنوبی علاقوں میں۔ برطانوی نوآباد کار ان علاقوں کو وسطی ایشیا میں روس کے خلاف جدوجہد کے لیے "اپنی ہراول چوکیاں" تصور کرتے تھے۔

ہندوستان کے اندر حالات کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ برطانیہ کی سرحدی پالیسی کی جارحیت بھی بدلی۔ اس طرح دو مکاتب خیال پیدا ہوئے۔ ایک مکتب ہندوستان کی سرحدوں پر "پیش قدمی کی پالیسی" کا علمبردار تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ دفاعی نظام میں ہندوستان کی شمال مغربی سرحدیں غیر محفوظ ہیں اس لئے ان سے باہر ہندوستانی دفاع کو مضبوط کرنا چاہیئے۔ اس کا دعوے تھا کہ وسطی ایشیا پر روس کا قبضہ برطانوی ہند کے لئے بڑا خطرہ ہے۔ دوسرا مکتب اس خطرے کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ وہ "بند سرحد کی پالیسی" کا حامی تھا اور اس خیال کا مخالف کہ ہندوستان کی سرحدوں کے باہر پیش قدمی کی جائے۔ اس کا مقصد نوآبادی میں اندرونی حالت کو مستحکم کرنا تھا۔ تاریخی اسباب کی وجہ سے ۱۸۵۷ء سے ۱۸۷۰ء تک کے دور میں "بند سرحد کی پالیسی" حاوی رہی۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد ہندوستان میں جو اندرونی سنجیدہ پیچیدگیاں پیدا ہوئیں ان کی وجہ سے سرگرم

پیشقدمی مشکل ہوگئی۔ لیکن وقتی طور پر "پیشقدمی کی پالیسی" کو ترک کرنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ سرحد پار علاقوں میں دخیل ہونے کے خیال کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا گیا۔ سفارتی سرگرمیوں کو چالاکی سے اپنا کر برطانوی سامراج اپنا حلقۂ اثر وسیع کر تا رہا در اصل یہ نئی سرگرم جارحیت کے لئے مناسب حالات پیدا کرنے کی تیاری تھی۔ کاشغر اور افغانستان میں برطانوی پالیسی سے اس کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ وائسرائے لارنس نے افغانستان کے متعلق جس "غیر جانبداری" اور "عام مداخلت" کی پالیسی کا اعلان کیا وہ اس کی آزادی اور علاقائی سالمیت کے پرخلوص پاس ولحاظ کی وجہ سے نہ تھا۔ قدامت پرست پارٹی کے وزیر خارجہ کرین بورن نے لارنس کو لکھا کہ "وائسرائے کا لڑنے والے فریقین کی جانب باریک بین رویہ صرف برطانیہ کے مفاد میں ہے۔ اس وقت ہندوستانی ذرائع علاقائی توسیع کے بجائے دوسرے کام کے لئے ضروری ہیں۔" حقیقت یہ ہے کہ اس وقت کرین بورن کو افغانستان کی بہ نسبت بالائی برما سے زیادہ دلچسپی تھی۔ لیکن لارنس افغان حکمرانوں کے ساتھ اچھے تعلقات کو نہ ضروری خیال کرتا تھا اور نہ مفید۔ اس نے لکھا: "ایک دن آئے گا جب ایسا کرنا دانش مندانہ ہوگا، جو بعد میں وائسرائے لٹن نے کیا، لیکن ابھی تک یہ دن نہیں آیا ہے۔"

کاشغر میں اس زمانے میں برطانوی سامراجی اپنی توسیع سرگرمیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے تجارت کو استعمال کر رہے تھے برطانوی مصنف ایلڈر بلا تکلف یہ تسلیم کرتا ہے:۔

"مشرقی ترکستان میں برطانوی پالیسی ۱۹ویں صدی کی ساتویں دھائی سے ہمیشہ تجارتی مقاصد اور سیاسی مقاصد کا امتزاج تھی..... تجارت صرف ہتھیار تھی۔ اس زمانے میں سب وائسرائے بخوبی جانتے تھے کہ تجارت سیاسی اثر کے لئے ایک بڑا ہتھیار ہے۔ لارنس اور رپن ہندوستان کی سیاسی ذمے داریوں کو اس کی حدود کے اندر رکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے انھوں نے کاشغر سے تجارت بڑھانے کے لئے کچھ نہیں کیا۔ دوسروں نے جو برطانوی اثر بڑھانا چاہتے تھے تجارت کو فروغ دیا۔"

برطانوی مصنف کی یہ رائے بالکل صحیح ہے۔ لیکن اس جواز کا کہ کاشغر میں برطانوی سامراجی اپنا اثر اس لئے بڑھانا چاہتے تھے کہ وہ "تحفظ ہند کے لئے خاص اہمیت کا حامل تھا" صداقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہندوستان کو روس سے خطرے کا ہوا برطانوی سامراج نے اس لئے کھڑا کیا تھا کہ ہندوستان کی شمالی اور شمال مغربی سرحدوں کے پار اپنی جارحیت پر پردہ ڈال سکے ایلڈر نے اپنی اس تصنیف میں یہ لکھ کر خود اپنی تردید کی ہے:۔

"کاؤفمان کی سنکیانگ کو روس میں ملحق کرنے کا منصوبہ ۱۸۸۰ء میں اس لئے مسترد کر دیا گیا کہ اس میں جو دقت اور اخراجات صرف ہوتے ان کا بدل نہیں ملتا۔ ..... اس کی معقول سیاسی اور فوجی وجوہات تھیں کہ روس اچھی قدرتی سرحد کو چھوڑنا اور زیادہ پریشان کن ایشیائی مسلمان رعیت کی ذمے داری قبول کرنا کیوں نہیں چاہتا تھا ..... ایک برطانوی فوجی رپورٹ نے مستند طور سے کاشغر پر روسی حملے کے امکان کو صحیح قرار نہیں دیا۔"

اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ کاشغر پر روسی حملے سے تحفظ ہند کے سلسلے میں پریشانی اور کشمیر جیسی تقریباً ناقابل رسا ناقابل اعتماد وفادار بادشاہت میں روس کی طرح طاقتور یورپی ریاست سے قربت کا خطرہ بالکل بہانہ تھا۔ یہ بدقسمتی ہے کہ اس موضوع پر برطانوی علم تاریخ کے یہ روایتی مقاصد بھی بعض ممتاز ہندوستانی مورخ بھولے پن سے تسلیم کر لیتے ہیں۔ بشیشور پرساد لکھتے ہیں:۔

"لیکن اس پر زور دینے کی ضرورت ہے کہ اس دور میں سرحدی ریاستوں کی سالمیت اور آزادی اور خود تحفظ ہند کے درمیان

تعلق یہ کہ ان دونوں کی مطابقت، پوری طرح منظر عام پر آیا۔ عدن، خلیج ایران، تلات افغانستان، تبت اور برما یہ سب اس کی حفاظت کی چوکیاں تھیں۔ اور بیرونی مداخلت سے ان کی حفاظت تحفظ ہند کی بنیاد تھی .... تو ہندوستان کی خارجہ پالیسی کی بنیاد اس کو قت پڑی اور اتحادوں اور مفادات کا ایک ایسا نظام تیار کیا گیا جس نے ہندوستان کو تحفظ بخشا۔"

اسی طرح سنگھل لکھتے ہیں:۔

"ہندوستانی مفاد برطانوی شاہی ملحوظات کا ایک اہم حصہ تھا۔ چنانچہ مغربی طاقتوں کے اثر کے خلاف ہندوستانی سرحدوں کو مضبوط کرنے کا فیصلہ ۱۹ ویں صدی کے آخر میں شاہی پالیسی کا غالب عنصر بن گیا۔

روس دشمنی

یہ تھی صورت حال اور اس کے تقاضے جس کے لئے برطانوی سامراج پہلے دن سے ہی روس کے خلاف اس برصغیر میں زبردست رائے عامہ منظم کئے رہا ہے۔ اور بالخصوص اس شمالی ہند کے مسلمانوں میں روس دشمن جذبہ کی نشوونما کو زبردست اہمیت دی جاتی رہی کیونکہ برطانیہ کو ہمیشہ یہ خوف بھی ستاتا رہا کہ روس جب بھی اپنی سلطنت کو مزید پھیلانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے گا تو وہ لازماً وسطی ایشیا سے ہندوستان کی شمال کی جانب بڑھے گا۔ اور اس کے لئے وہ وسطی ایشیا کے مسلمانوں کی فوجی اور دوسری خدمات حاصل کرے گا۔ اس لئے شمالی ہند کے مسلمانوں میں روس کے خلاف اور وہاں کے مسلمانوں کے خلاف روس کے مظالم کا چرچا جاری رہنا چاہیئے۔ یہ الگ بات ہے کہ تاریخ میں ایسی بہت سی شہادتیں ہیں جہاں اس برصغیر کے مختلف عناصر نے انیسویں اور بیسویں صدی میں انگریزوں کی غلامی کا جوا اتارنے کے لئے روس سے مدد چاہی۔ بہرحال یہ الگ اور دلچسپ موضوع ہے اور اس پر کام کر رہا ہوں، چنانچہ روس کے خلاف برطانوی سامراج نے ہمارے اندر ایک گونہ نفرت کا بیج اپنی ضرورتوں کے لئے بہت پہلے بو دیا تھا۔ اور اس وقت ابھی اشتراکی انقلاب ظہور پذیر بھی نہیں ہوا تھا کہ ہم روس سے خوفزدہ تھے اور جب جاپان نے روس کو ۱۹۰۵ء کی جنگ میں شکست دی تو ہم نے اپنی مسرت کا اظہار کیا اور مولانا ظفر علی خاں جاپان اور روس کی جنگ کے بارے میں انگریزی ڈرامے کا اردو میں ترجمہ بھی کیا تھا۔

روس میں اشتراکی انقلاب

یہ تھے ہمارے روس کے متعلق عام افکار کہ اس میں ۱۹۱۷ء نومبر میں ایک بھونچال آ گیا۔ یہ بھی جان لینا چاہیئے ۱۹۱۷ء کے چل چلاؤ میں جب انقلاب بپا ہوا تو اس وقت پورا مشرق انقلاب اور عوامی احتجاج کی تحریکوں کے دہانے پر کھڑا تھا اور ہندوستان کا برصغیر بھی برطانوی استبداد کے خلاف ایک آتش فشاں بن رہا تھا جو پھٹنے والا تھا کہ اتنے میں روس کے وسیع و عریض خطے سے انقلاب کے شعلے بلند ہونے لگے اور دیکھتے دیکھتے انہوں نے اس روئے زمین کے چھٹے حصے کو سرمایہ داری اور جاگیرداری نظام سے آزاد کرا کے مزدوروں اور کسانوں کا راج قائم کر دیا۔ اس انقلاب کی پوری اہمیت کو آج ساٹھ باسٹھ برس گذرنے کے بعد بھی ہمارے اہل علم سمجھنے اور تجزیہ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ حالانکہ اس انقلاب سے پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو جانے اور سمجھے بغیر خارجہ پالیسی اور عالمی تحریکوں کے بارے میں کبھی بھی نہ تو صحیح رائے قائم ہو سکتی ہے اور نہ ہی تجزیہ درست ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جب سوویت انقلاب بپا ہوا تو سوویت اقتدار کے منبع یعنی سوویت کمیونسٹ پارٹی اور اس کے رہنما لینن نے جو پہلے احکام جاری کئے ان کا واحد مقصد یہ تھا کہ

ایسی سوویت اشتراکی ریاست تعمیر کی جائے جو محروم کئے جانے والے استحصالی طبقوں کا زور توڑ سکے اور ان کے زہریلے ڈنکوں کو ناکارہ کیا جا سکے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان احکام اور فرامین کا مقصد غیر ملکی سامراجیوں کے حملوں کو پسپا کرنا، انقلاب کی حفاظت کرنا اور اشتراکی تعمیر کا ڈول ڈالنا بھی تھا تاکہ کم سے کم مدت میں سوویت روس کو ایک ترقی یافتہ اشتراکی ریاست بنایا جا سکے۔ مزدوروں، کسانوں اور محنت کشوں کی ایسی ریاست وجود میں لائی جا سکے جس کا تاریخ میں کہیں اس سے پہلے نام و نشان نہ تھا۔ اس انقلابی حکومت نے جو مقدس فریضہ اپنے کندھوں پر اٹھایا تھا اس میں اس کی مدد اور تائید کی بنیاد پنچائتوں یعنی سوویتوں پر تھی اور یہ پنچائتیں جنہوں نے تاریخ اور تجربے کی کوکھ سے جنم لیا تھا، یہی اصل میں پرولتاریہ کی ڈکٹیٹر شپ کی سرکاری شکل تھیں

یہ سوویت جس کا مطلب پنچایت ہے اصل میں ۱۹۰۵ء میں روسی مزدوروں کی انقلابی تحریک کے دوران وجود میں آئی تھیں، اس انقلاب کے دوران مزدوروں نے کارخانوں کا نظم و نسق سنبھالنے اور روزمرہ کا کام چلانے کے لئے اپنے لئے یہ جمہوری ادارے خود تخلیق کئے تھے اور یہ ادارے ان کے خون میں رچ بس گئے تھے۔ یہ ان کی انقلابی روایات کا اہم ترین حصہ بن گئے تھے۔ چنانچہ اشتراکی انقلاب کے بعد تمام طبقوں میں یہ سوویتیں قائم ہونے لگیں۔ یہ فوجی انقلابی کمیٹیاں، مزدوروں کی انجمنیں، لال گارڈ کے دستے، یہ تمام ادارے دراصل مزدوروں، کسانوں، فوجیوں اور محنت کرنے والے اہل علم کی بے پناہ انقلابی تخلیقی قوت تھے، چنانچہ سوویت اقتدار کے سب سے اعلیٰ ادارہ جو مجلس وزارت کہلاتا تھا یا اسے عوامی کمیسار بھی کہتے تھے نے ایک کمیشن قائم کرنے کا اعلان کیا، یہ کمیشن "کل روس ہنگامی کمیشن" کے نام سے موسوم ہوا جس کو روسی "چے کا" کہتے تھے، اس کا کام یہ تھا کہ انقلاب کی مخالف اور دشمن طاقتوں کا پتہ چلائے اور ان کا قلع قمع کرے۔

ابتدائی دو تین مہینوں میں سوویت حکومت نے جو فرامین اور احکام جاری کئے وہ بنیادی تھے۔ اس نئے نظام کے اور یہ احکام سوویت حکومت اور کمیونسٹ پارٹی کے ارادوں کی نشاندہی کر رہے تھے اور یہ بھی ان سے پتہ چلتا ہے کہ کمیونسٹ پارٹی کے نزدیک پرولتاریہ کی آمریت کا کیا مطلب ہے۔

- ۱۶ دسمبر ۱۹۱۷ء کو فرمان جاری کیا گیا جس نے فوج کے پرانے ڈھانچے کو یکسر بدل کر رکھ دیا اور اس کو جمہوری بنیاد پر استوار کرنے کا فیصلہ کیا گیا، فوج کے اندر تمام اختیارات افسروں اور جرنیلوں سے لیکر فوجیوں کی خود چنی ہوئی کمیٹیوں یعنی پنچائتوں کے حوالے کر دیئے گئے، اوپر کے تمام عہدے چناؤ پر چھوڑ دیئے گئے پرانے تمام عہدے، خطابات اور تمغے سب یک قلم موقوف کر دیئے گئے۔
- ۱۰ جنوری ۱۹۱۸ء کو ایک فرمان جاری ہوا کہ مزدوروں اور کسانوں کی سرخ فوج بنائی جائے۔
- یکم فروری ۱۹۱۸ء کو فرمان جاری ہوا کہ مزدوروں اور کسانوں کا سرخ بحری بیڑہ قائم کیا جائے چنانچہ ان دو فرامین کے تحت رضاکارانہ بنیادوں پر سرخ فوج وجود میں آنی شروع ہو گئی۔
- سوویت اقتدار نے اوّلین فرمانوں کے تحت زمینداری اور جاگیرداری کا قلع قمع کر دیا تھا۔
- ۱۰ نومبر ۱۹۱۷ء کو فرمان جاری کیا گیا جس میں مرد اور عورت کی مساوات کو تسلیم کیا گیا اور سرکاری رجسٹر میں اندراج کے بغیر شادی ممنوع قرار دے دی گئی۔

•۔ ۱۸؍ دسمبر ۱۹۱۷ء کے فرمان کے مطابق کلیسا یا مذہبی اداروں کو حکومت اور سرکار سے بالکل لاتعلق کر دیا گیا اور تعلیم اور مدارس کو مذہبی اداروں یا کلیساؤں سے الگ کر دیا گیا۔

•۔ اقتصادی میدان میں سوویت اقتدار نے ایک اشتراکی قلبِ ماہیت شروع کر دی۔ زمین کو قومی ملکیت بنانے یعنی کسانوں کی ملکیت قرار دینے کے فوراً بعد۔

•۔ ۱۴؍ نومبر ۱۹۱۷ء کو پیداوار اور اس کی تقسیم پر مزدوروں کے کنٹرول کا فرمان نافذ کر دیا گیا۔

•۔ جہاں تک اسٹیٹ بنک کا تعلق تھا وہ انقلاب کے دن ۷؍ نومبر ۱۹۱۷ء ہی کو قومی تصرف میں لے لیا گیا تھا۔

•۔ اس کے بعد کارخانوں کو بھی بالخصوص ان کارخانوں کو جن کے مالکان نے انقلاب کے راستے میں رکاوٹیں ڈالی تھیں سرکاری کنٹرول میں لے لیا گیا۔

اب اس انقلاب نے ہندوستان ہو یا افغانستان، ایران ہو یا مصر سبھی جگہ سامراج دشمن تحریکوں کو ہوا دی، عوام کو حوصلہ دیا کہ محنت کش انقلاب برپا کر سکتے ہیں، سامراج کا تختہ الٹا جا سکتا ہے۔ اور یہی شکتی، یہی ہمت تھی جس نے افغانستان کو اپنی مکمل آزادی کے لئے جدوجہد پہ ابھارا۔

۱۹۱۹ء تک کا افغانستان

امان اللہ خاں جو مارچ ۱۹۱۹ء میں اپنے باپ امیر حبیب اللہ کے قتل کے بعد تخت نشین ہوا تھا۔ اس وقت تک افغانستان کی تمام حکومتیں اور تمام بادشاہ ایک نہ ایک انداز سے برطانیہ کے باجگذار بادشاہ تھے اور ان کی حیثیت ایک کٹھ پتلی سے زیادہ نہ تھی۔ امان اللہ کے دادا امیر عبدالرحمان کے متعلق معارف اسلامیہ کی پہلی جلد میں درج ہے۔

”ابھی عبدالرحمان کے بادشاہ بننے کا اعلان ہوا ہی تھا کہ شیر علی کا دوسرا بیٹا، محمد ایوب ہرات میں لشکر جمع کر کے قندھار کی طرف بڑھا، میوند کے مقام پر انگریزی افواج کو شکست فاش دی۔ (۱۸؍ شعبان ۱۲۹۷ھ/ ۲۵؍ جولائی ۱۸۸۰ء) اور قندھار کا محاصرہ کر لیا۔ عبدالرحمان کابل میں امن قائم کرنے کے بعد عازم قندھار ہوا۔ جنرل رابرٹس دس ہزار فوج کے ساتھ اس کی حمایت پر تھا۔ چنانچہ سردار محمد ایوب کو ایران کی طرف بھگا دیا گیا اور قندھار بھی امیر عبدالرحمان کے حوالے کر دیا گیا۔ اس کے بعد ساری برطانوی فوج افغانستان خالی کر کے واپس چلی آئی اور پورا ملک بشمول قندھار، عبدالرحمان کے سپرد کر دیا گیا۔ (۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) اس نے داخلی مشکلات اور خارجی مسائل کے باوجود اپنے ملک کی ”آزادی“ اور ”وحدت“ برقرار رکھی۔ (اس سلسلے میں ہندوستان کی برطانوی حکومت نے اسے بڑی تقویت پہنچائی۔ ۱۸۸۰ء میں اسے پانچ لاکھ روپے کئی سو توپیں اور کئی ہزار بندوقیں دی گئیں۔ اس کے علاوہ اسے اٹھارہ ہزار پونڈ کی سالانہ مالی امداد بھی ملنے لگی۔ اس نے خط ڈیورنڈ کو باہمی سرحد بنانے پر موافقت کر لی (۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۸ء) اس کے دورِ حکومت میں تمام داخلی شورشوں کو انتہائی جبر و استبداد سے کچل کر رکھ دیا گیا۔ عبدالرحمان نے ہندوکش سے شمال کی ولایات پر قبضہ کیا اور کافرستان فتح کر کے اس کا نام نورستان رکھا۔ (۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء) ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء میں روس اور افغانستان کی سرحدات کا تعین ہوا۔ اور پنج دہ کا علاقہ افغانستان سے الگ ہو گیا۔ امیر عبدالرحمان نے اپنی وفات (۱۵؍ جمادی الآخرۃ ۱۳۱۹ھ/ یکم اکتوبر ۱۹۰۱ء) پر ایک غیر متنازع فیہ حکومت اپنے بیٹے امیر حبیب اللہ کے لیے چھوڑی۔ افغانستان کے لوگوں کے لئے امیر ایک

مستبد حکمران تھا، لیکن انگریزوں کے ساتھ اس کی روش بہت نرم اور دوستانہ تھی۔ چنانچہ اس نے سوات، چترال، وزیرستان، خیبر، چاغی، چمن، پشین، پاراچنار اور کرم کے علاقے ایک معاہدہ طے کر کے برطانوی حکومت کے لئے چھوڑ دیئے۔

امیر حبیب اللہ کی تخت نشینی کے تھوڑے عرصے بعد روسی۔ برطانوی معاہدہ طے ہو گیا اور اس بات کا احتمال جاتا رہا کہ ان میں سے کوئی طاقت افغانستان کے کسی حصے کا الحاق کرے گی۔ یا اس کے معاملات میں مداخلت کرے گی۔ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں امیر حبیب اللہ نے اس معاہدے کی توثیق کر دی جو اس کے والد نے ہندوستان کی برطانوی حکومت سے کر رکھا تھا اور جس کی رو سے امیر نے اٹھارہ لاکھ روپیہ (ایک لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ) کے عوض معاملاتِ خارجہ برطانوی حکومت کی تحویل میں دے دیئے۔ امیر حبیب اللہ کے عہد میں ملک کے اندر امن و امان فی الجملہ قائم رہا اور تعلیم میں بھی کچھ ترقی ہوئی پہلی عالمی جنگ کے دوران میں افغانستان نے غیر جانبداری کی حکمت عملی اختیار کی۔ ۱۸ / جمادی الاول ۱۳۳۷ھ/ ۲۰ / فروری ۱۹۱۹ء کو امیر نے لغمان کے قلعہ گوش میں پڑاؤ ڈال رکھا تھا کہ اسے گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ اس کے بھائی نصر اللہ خان نے جلال آباد میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا، لیکن امیر کے تیسرے بیٹے امان اللہ خان نے جسے فوج کی امداد حاصل تھی مسندِ امارت حاصل کر لی اور نصر اللہ خان نے قید میں انتقال کیا۔

امان اللہ خان نے یکم مارچ ۱۹۱۹ء کو تخت نشین ہوتے ہی افغانستان کے استقلال کا اعلان کر کے برطانوی حکومت سے جنگ شروع کر دی۔ انگریزی افواج نے درۂ خیبر کے شمالی دہانے کے پاس ڈکہ کے مقام پر اور چمن کے سامنے سپین بولاک کے افغانی قلعے پر قبضہ کر لیا اور کابل پر طیاروں کے ذریعے سے بم باری کی، لیکن افغانستان کے عوام نے قندھار میں سردار عبد القدوس، صدرِ اعظم، جنوبی سرحدات پر سپہ سالار محمد نادر خان اور سمت مشرق میں اپنے قومی سرداروں کی راہبری میں اعلان جنگ کر دیا۔ جولائی ۱۹۱۹ء میں سوویٹ روس نے افغانستان کا استقلال تسلیم کر لیا۔ بالآخر حکومت افغانستان اور برطانوی ہند کے درمیان صلح کی گفت و شنید شروع ہوئی اور معاہدۂ راولپنڈی (۱۲/ ذی قعد ۱۳۳۷ھ/ ۸ / اگست ۱۹۱۹ء) کی رو سے برطانوی حکومت نے افغانستان کی آزادی باضابطہ تسلیم کر لی۔ شاہ امان اللہ خان نے سفیروں کے ذریعے ساری دنیا سے روابط قائم کر لئے اور مملکت عصری ترقیات کی طرف قدم بڑھانے لگی۔ ۱۹۲۱ء میں روس کی سوویٹ حکومت اور برطانیہ سے نئے معاہدے کیے گئے، گو کشیدگی شمالی سرحدوں پر ۱۹۲۲ء تک اور جنوبی و مشرقی سرحدوں پر ۱۹۲۴ء تک جاری رہی۔ ۱۹۲۲ء میں لوی جرگے نے ایک دستور اساسی مرتب و نافذ کیا۔ ۱۹۲۳ء میں انتظامی دستور العمل مرتب ہوا۔ عساکر کی تنظیم و اصلاح جدید ترین اصولوں پر ہوئی۔ اور دنیا بھر کے ممالک سے تجارتی تعلقات کا قیام عمل میں آیا۔ داخلی اصلاحات کا اجراء ہوا۔ مثلاً غلامی کی تنسیخ، مطابع کا قیام، اخبارات کا اجراء، بلدیات کا قیام، سڑکوں اور ریلوں کی تعمیر، تار برقی اور ٹیلی فون کی توسیع، نہروں اور کاریزوں کی کھدائی، کابل میں مجلس شوریٰ اور صوبوں میں مجلس مشورہ کا قیام، سیاسی احزاب کی آزادی، جہالت اور تعصب کے خلاف جدوجہد، اعلیٰ تعلیم کے انتظامات، حمل و نقل کے جدید وسائل کی درآمد اور ان کا اجراء۔ ۱۹۲۴ء میں عورتوں کے لئے بھی اعلیٰ تعلیم کی تدابیر اختیار کی گئیں، جس پر انگریزوں کے ایما سے ایک معزول افغانی سردار عبد الکریم کے زیرِ سرکردگی خوست میں بغاوت ہو گئی۔ کابل کے عساکر نے باغیوں کو گرفتار کر کے گولی سے اڑا دیا اور عبد الکریم ہندوستان کی طرف بھاگ آیا۔ یہ پہلی رجعت پسندانہ تحریک تھی جو انگریزوں کی انگیخت پر امان اللہ کے خلاف پیدا ہوئی۔ ۱۹۲۴ء میں دوسرے لوی جرگے نے تعلیم نسواں سے متعلق قوانین منسوخ کر دیئے۔ نیز جبری بھرتی

کے قوانین میں ترمیم کردی ۔ جب امن قائم ہوگیا تو امان اللہ خان نے بادشاہ کا لقب اختیار کیا اور ۱۹۲۸ء میں یورپی ملکوں کی سیاحت کی، ان سے سیاسی، علمی، ثقافتی اور اقتصادی معاہدات طے کئے اور کاغذ سازی، شکر سازی، پشمینہ بافی اور نساجی (کپڑا بننے) کے کارخانے خرید کر ملک میں لایا۔ اس دورے سے واپس آکر بادشاہ نے نئے دستور اساسی کے نفاذ اور معاشرتی و تعلیمی اصلاحات کی ترتیب کے لیے تیسرا لوی جرگہ طلب کیا۔ چونکہ امان اللہ کا ماسکو جانا دولتِ انگلشیہ کے سیاسی مقاصد کے موافق نہ تھا۔ اور اسے ہندوستان کے لیے خطرے کی علامت سمجھا گیا، اس لیے انگریزی حکومت نے ہندوستان کے سرحدی قبائل میں شورش برپا کردی۔ اس کے علاوہ اسی حکومت کی شہ پر ایک تاجیک ڈاکو بچہ سقّا نے کوہ دامن سے پیش قدمی کر کے کابل پر قبضہ کرلیا۔ (جنوری ۱۹۲۹ء) امان اللہ خان قندھار کی طرف نکل گیا۔ وہاں سے اس نے کابل کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے جو کوشش کی اسے حبیب اللہ (بچہ سقّا) کے حامیوں نے ناکام بنادیا۔ (اپریل۔ مئی ۱۹۲۹ء) اندریں اثنا ہرات پر ایک اور تاجیک عبدالرحیم کا قبضہ ہوگیا۔ امان اللہ چمن کے راستے افغانستان سے رخصت ہوگیا۔ اور اٹلی جاکر سکونت اختیار کرلی ؟

امان اللہ کے دورِ حکومت کے بارے میں غیر کمیونسٹ اور ہمارے ہاں کے عالموں کی مرتب کردہ انسائیکلوپیڈیا سے میں نے تمام صورت حال درج کی ہے لیکن اس بیان کو تقویت دینے کے لئے میں سوویت روس کے رویّے کا بھی یہاں ذرا تفصیل سے ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں، اس لیے کہ آج پھر افغانستان کی موجودہ حکومت پر تمام غیض و غضب کا اظہار سوویت روس کے حوالے سے ہی ہو رہا ہے اور چونکہ بعض تفصیلات ان عالموں نے بھی درج نہیں کیں اس لئے میں ان تفصیلات کے ذریعے سوویت روس کے رویّے کو واضح کر رہا ہوں ۔

شاہ امان اللہ اور سوویت یونین

امان اللہ جیسے ہی مارچ ۱۹۱۹ء میں تخت نشین ہوا اور اس نے اپنے آزادی کے حصول کے لئے برطانوی سامراج کیخلاف اعلان جنگ کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے سب سے پہلے سوویت روس سے ہی امداد چاہی ۔ چنانچہ اس نے مارچ ۱۹۱۹ء میں جو مراسلہ بھیجا تھا سوویت حکومت کے سربراہ لینن نے اس کا جواب اپریل ۱۹۱۹ء میں امان اللہ کو بھیج دیا تھا۔ اس میں کہا گیا تھا

"افغانستان نے ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے جو پہلا مراسلہ بھیجا ہے جس میں روسی قوم کو پیام تہنیت بھیجا گیا ہے اور عالی جاہ کی تخت نشینی کی اطلاع دی گئی ہے۔ اس کے جواب میں ہم فوراً مزدوروں اور کسانوں کی حکومت اور پوری سوکا قوم کی طرف سے آزاد اور خود مختار افغانی قوم کی خدمت میں پیام تہنیت بھیجتے ہیں جو اپنی آزادی کی حفاظت کے لیے غیر ملکی ظلم و زبردستی کے خلاف اس قدر بے جگری سے لڑ رہی ہے ۔ عالی جاہ ہم آپ کی تخت نشینی پر آپ کو مبارک باد پیش کرنا چاہتے ہیں جو ۲۱ر فروری ۱۹۱۹ء کو عمل میں آئی۔

مزدوروں اور کسانوں کی حکومت نے روسی ری پبلک کی تمام قومیتوں کو سچی آزادی اور مساوات عطا کردی ہے اور اپنے اعلانات سے مطابقت اور ہم آہنگی رکھتے ہوئے، لوٹ کھسوٹ کرنے والوں کے خلاف تمام محنت کشوں کی ایکتا کے بین الاقوامی اصول پر مضبوطی سے کاربند ہوگئی ہے ۔

ہماری دعا ہے کہ افغانی قوم کی روس کے نقشِ قدم پر چلنے کی خواہش افغانی ریاست کی مضبوطی اور خود مختاری کی بہترین

ضمانت ثابت ہو۔

یہ جواب روسی کمیونسٹ پارٹی کے اخبار پراودا میں اس زمانے میں جیسے ہی شائع ہوا تو برطانوی سامراج کو پریشانی لاحق ہو گئی چنانچہ انہوں نے فی الفور افغانستان کی آزادی کو تسلیم کر کے اس کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ امان اللہ نے تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے جس حکومت سے رابطہ قائم کیا وہ سوویت یونین کی حکومت ہی تھی۔ امان اللہ نے ۷ اپریل ۱۹۱۹ء کو تاشقند کے ذریعے سوویت یونین کی مجلس عاملہ کے صدر کیلینین کو جو خط لکھا اس میں کہا گیا تھا۔

"آپ اور آپ کے رفقا انسانیت کے بہترین دوست ہیں، آپ نے امن عالم کی حفاظت کی عظیم اور قابل صد احترام ذمہ داری اپنے کندھوں پر لی ہے، آپ نے اس کرہ ارض پر بسنے والی تمام اقوام اور ممالک کی آزادی خود مختاری اور برابری کے اصول کو تسلیم کیا ہے۔ مجھے اس امر کی بے حد مسرت ہے کہ افغان عوام کی طرف سے میں پہلا شخص ہوں جو ترقی کے لئے کوشاں ہے اور میں افغانستان کے بہادر اور آزادی پسند عوام کی طرف سے آپ کو دوستی و خیر سگالی کا پیغام بھیجتے ہوئے بے پناہ مسرت محسوس کرتا ہوں۔"

یہ پیغام سوویت روس کو ۱۲ مئی ۱۹۱۹ء کو موصول ہوا اور اس کے ساتھ ہی افغانستان کی طرف سے خیر سگالی کا وفد بھی تاشقند پہنچا۔ اس وفد کی رہنمائی محمد ولی خاں کر رہے تھے اور اس کا مقصد سفارتی تعلقات قائم کرنا تھا۔

۲۷ مئی ۱۹۱۹ء کو لینن اور کیلینین کے دستخطوں سے امیر امان اللہ کو جواب بھیجا گیا جس میں کہا گیا تھا۔

"ہمارے دونوں ملکوں کے درمیان سفارتی تعلقات کے قیام سے دونوں ملکوں کے عظیم عوام کے درمیان دوستانہ تعاون کی راہیں کھل جائیں گی۔ اور انسانیت کے ان دشمنوں کے ارادوں کو ناکام بنایا جا سکے گا۔ جو دوسری قوموں کی آزادی اور ان کی دولت لوٹنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔"

افغانستان کے سفارتی مشن کو تاشقند میں رکنا پڑا۔ کیونکہ اس دور میں تاشقند کا انقلاب دشمن طاقتوں کی وجہ سے ماسکو سے رابطہ ایک حد تک منقطع ہو گیا تھا۔ آخر اکتوبر کی ۱۵ تاریخ کو یہ وفد ماسکو پہنچا جہاں وزارت خارجہ کے سربراہوں نے اس وفد کا استقبال کیا۔ اور ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو لینن نے افغانستان کے اس سفارتی وفد کو اپنے دفتر میں مدعو کیا اور کہا کہ "انہیں افغان عوام کے اس عظیم وفد سے مل کر مسرت ہوئی جو عوام سامراج کے خلاف زبردست جدوجہد میں مصروف ہیں۔"

افغان سوویت معاہدہ

اس سفارتی مشن کا ایک مقصد سوویت یونین کے ساتھ دوستی کا معاہدہ بھی طے کرنا تھا لیکن اس معاہدے میں کافی تاخیر ہو گئی۔ کیونکہ افغانستان کے اندر برطانوی ایجنٹوں اور ان درباریوں نے جو برطانیہ کے خفیہ طور پر تنخواہ یافتہ تھے نے "سوویت یونین کی اسلام دشمنی" کا پراپیگنڈہ شروع کر کے امیر امان اللہ کو مرعوب کرنے کی کوشش کی کہ وہ اس معاہدے کا ارادہ ترک کر دے۔ اس پوری مہم میں مولوی اور پیر و مشائخ بھی پیش پیش تھے اور انہوں نے اسی دوران امیر بخارا کو جو اپنے عوام اور سوویت یونین کے انقلاب کے خلاف لڑ رہا تھا کو فوجی امداد بھی پہنچانی شروع کر دی، مقصد یہ تھا کہ سوویت یونین مشتعل ہو کر افغان سفارتی وفد بغیر معاہدے کے واپس بھیج دے گی۔ لیکن سوویت یونین نے فقط افغان حکومت کو اس سازش سے آگاہ کیا۔ چنانچہ افغان حکومت نے فوراً معذرت کی اور اپنے سفیر متعینہ بخارا کو برخاست کر دیا۔

برطانوی ریشہ دوانیوں کو جب چاروں طرف سے ناکامی ہونے لگی تو امیر امان اللہ کو قتل کرنے کی سازش کی گئی لیکن جولائی ۱۹۲۰ء میں یہ سازش بھی ناکام بنا دی گئی اور ستمبر ۱۹۲۰ء میں سوویت یونین اور افغانستان کی حکومت میں دوستی کا ابتدائی معاہدہ طے پاگیا اس معاہدے کے طے پا جانے پر افغانستان کے وزیر خارجہ نے سوویت یونین کے وزیر خارجہ کو ایک مکتوب میں لکھا تھا۔

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جمہوریہ سوویت یونین سے ہم نے جو دوستی کا معاہدہ کیا ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ اس دنیا سے سامراجی تشدد اور بالادستی کے خاتمے کی ہماری خواہش ہے، بالخصوص مشرق کی تمام اقوام خواہ ان کا کوئی مذہب ہو اور کوئی اعتقاد ہو کو ان عالمی غاصبوں سے آزاد کرانے اور نجات دلانے کا جذبہ ہے جو ہمیں آپ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے پر مجبور کرتا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کی حکومت کو بھی یہ مقاصد دل وجان سے عزیز ہیں اور وہ ان کی طرف خاص توجہ دے رہی ہے"

برطانیہ نے دوستی کے اس معاہدے کو رکوانے کی کوششیں جاری رکھیں اور لارڈ کرزن جو اس وقت حکومت برطانیہ کے محکمہ خارجہ کے سیکرٹری تھے نے سوویت حکومت کو یکے بعد دیگرے دو مکتوب روانہ کئے۔ ایک مکتوب یکم اکتوبر ۱۹۲۰ء اور دوسرا ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو روانہ کیا گیا جس میں سوویت حکومت پر الزام لگایا گیا کہ وہ افغانستان میں برطانیہ دشمن سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔ دوسرے مکتوب میں تو یہ بھی الزام عائد کیا گیا تھا کہ سوویت حکومت افغان ہند سرحدوں پر قبائلیوں کو حکومت ہند کے خلاف بغاوت کے لئے اکسا رہی ہے۔ ۳۱ جنوری ۱۹۲۱ء کو کابل میں برطانوی سفیر ہنری ڈاب نے حکومت افغانستان پر پھر دباؤ ڈالا کہ وہ سوویت حکومت سے اپنا دوستی کا معاہدہ ختم کر دے۔ لیکن افغانستان کی حکومت نے اس تمام دباؤ میں آنے سے انکار کر دیا اور ۲۸ فروری ۱۹۲۱ء کو دوستی کے اس معاہدے کی تصدیق کر دی اور باقاعدہ ماسکو میں ایک تقریب کے دوران اس کا اعلان کر دیا گیا۔

اس معاہدے کے پہلے آرٹیکل میں کہا گیا تھا۔

آرٹیکل نمبر ۱۔

اس معاہدے میں شریک دونوں فریق تمام مشرقی اقوام کی آزادی کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہر قوم کو اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق زندگی گزارنے کا حق ہے۔

آرٹیکل نمبر ۲۔

اس معاہدے میں شریک دونوں فریق اس امر کا وعدہ کرتے ہیں کہ وہ کسی تیسری طاقت کے ساتھ نہ تو کسی ایسے فوجی اور نہ سیاسی معاہدے میں شریک ہوں گے جو کسی ایک فریق کے لئے نقصان دہ ہو۔ روس اس امر کی ضمانت دیتا ہے کہ افغانستان کو روس کے راستے روس کے اندر سے یا بیرونی ممالک سے مال لانے اور لے جانے کی اجازت ہوگی۔ اور کوئی راہداری وصول نہیں کی جائے گی۔ روس افغانستان کو مالی امداد دینے کا بھی وعدہ کرتا ہے۔ خاص طور پر سوویت یونین افغانستان کو ہوائی جہاز مہیا کرے گا اور فضائیہ کے لئے ایک سکول بھی افغانستان میں قائم کرے گا۔ روس افغانستان کو پانچ ہزار بندوقیں بمعہ کارتوسوں کے بھی دے گا۔ سوویت یونین بغیر دھوئیں کے بارود تیار کرنے کا ایک کارخانہ بھی افغانستان میں قائم کرے گا۔ کوشکا سے ہرات، قندھار کابل تک تار برقی کے لئے بھی سامان مہیا کرے گا اور فنی

ماہرین بھی بھیجے گا۔ اور دس لاکھ سونے کے روبل بھی اخراجات کے لیے دے گا۔

افغانستان کے لیے یہ پہلا معاہدہ تھا جو اس نے کسی ہمسایہ بڑی طاقت کے ساتھ برابری کی سطح پر کیا تھا۔ وگرنہ آج تک افغانستان نے انگریزوں سے جتنے معاہدے کیے تھے ان میں ایک حاکم طاقت ہوتی تھی اور دوسری محکوم۔ اور افغانستان کی حیثیت ایک باجگذار ریاست سے زیادہ کبھی نہیں سمجھی گئی تھی۔ لیکن اس معاہدے نے افغانستان کو ہی نہیں بلکہ تمام مشرقی اقوام کو ایک نیا احساس عطا کیا۔ چنانچہ لینن اس معاہدے کو بہت اہمیت دیتا تھا اور اسی اہمیت کے اظہار کے لیے لینن نے امیر امان اللہ کو اس کے پیغام کے جواب میں ۱۲ رمئی ۱۹۲۱ء کو جو مکتوب بھیجا۔ اس میں کہا گیا تھا :-

روس کی سوویت حکومت اور افغانستان کی مملکت کے مشرق میں مفادات میں ہم آہنگی اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔ دونوں مملکتیں اپنی آزادی کو عزیز جانتی ہیں اور وہ ایک کو ہی نہیں بلکہ مشرقی عوام اور قوم کو آزاد اور خود مختار دیکھنا چاہتی ہیں۔ دونوں مملکتیں دوستی کے رشتے میں صرف ان مشترکہ خواہشات اور عوام کی بنیاد پر ہی منسلک نہیں بلکہ وہ اس لیے بھی ایک دوسرے کے قریب ہیں کہ ان کے درمیان کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جو ان کی دوستی میں کسی قسم کا رخنہ پیدا کرنے کا باعث ہو۔"

لینن نے اپنے اس پیغام میں اس امر پر بھی اصرار کیا تھا کہ زار کا سامراج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا ہے اور اب افغانستان کے شمال میں سوویت یونین واقع ہے جس نے دوستی اور خیرسگالی کا ہاتھ تمام مشرقی اقوام کی طرف بڑھایا ہے اور خاص طور پر افغانستان کی طرف سب سے پہلے پیش قدمی ہوئی ہے۔ چنانچہ لینن نے اپنے اسی مکتوب میں آگے چل کر لکھا تھا :-

" افغانستان ان ممالک میں ہے جس کے نمائندے کو ہم نے سب سے پہلے بعد مسرت ماسکو میں خوش آمدید کہا تھا۔ اور ہم اس لیے بھی مسرور و شادماں ہیں کہ دوستی کا سب سے پہلا معاہدہ جو افغانستان نے کسی ملک سے کیا ہے وہ سوویت روس ہی ہے۔"

سوویت روس نے ہی افغانستان میں سب سے پہلا ریڈیو اسٹیشن ۱۹۲۰ء میں تعمیر کیا اور ۱۰ ستمبر ۱۹۲۰ء کو اس ریڈیو نے جب نشریات شروع کیں تو امیر امان اللہ سب سے پہلے شکریے کا پیغام اس ریڈیو سے لینن کے نام نشر کیا تھا اور اس میں لینن کو محترم رفیق (کامریڈ) کے لقب سے امیر امان اللہ خاں نے مخاطب کیا تھا۔ دوستی کے معاہدے کے دوران میں ہی سوویت روس نے دس لاکھ سونے کے روبل افغانستان کو پیش کر دیئے اور تار برقی نصب کرنے کا کام شروع کر دیا اور ۱۹۲۳ء تک معاہدے کی رُو سے سوویت یونین نے اپنی تمام ذمہ داریاں پوری کر دیں۔

سوویت دوستی کی سزا

یہ تمام تفاصیل میں نے اس لیے دی ہیں کہ یہاں کے اہل علم کو پتہ چل جائے کہ سوویت یونین کا افغانستان کی آزادی، سالمیت اور استحکام میں کتنا حصہ رہا ہے اور کتنا پرانا رشتہ ہے، سوویت روس کے فنی ماہرین اور مشیر افغانستان میں آج ہی نہیں آئے بلکہ ان کی امداد کو ساٹھ برس گذر گئے ہیں اور دوستی کا معاہدہ بھی آج نہیں ہوا بلکہ اس سے پہلے بھی یہ معاہدے موجود تھے۔ لیکن امیر امان اللہ کو اس آزادی اور سوویت دوستی کی قیمت ادا کرنی پڑی۔ کیونکہ برطانوی سامراج یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا تھا

کہ غلام ہندوستان کی سرحدوں پر ایک ترقی پسند اور آزاد ملک وجود میں آئے۔ چنانچہ جب برطانوی سامراج امیر امان اللہ کو سوویت کے ساتھ دوستی اور گہرے تعلقات کی راہ سے ہٹانے میں ناکام رہا تو اس نے امیر امان اللہ کو ہی راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ امیر امان اللہ نے صرف خارجی تعلقات میں ہی ایک آزاد اور سامراج دشمن پالیسی اختیار نہیں کی تھی بلکہ اس نے اندرون ملک بھی ایسے اقدام کئے جس سے وہ افغانستان کے قبائلی معاشرے کو ترقی یافتہ سماج میں بدلنے کی کوشش کر رہا تھا، اس کے لئے اس نے صنعتیں قائم کرنی شروع کیں اور اس کے لئے اس نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ایک طرف اس نے زرعی اصلاحات کا فیصلہ کیا۔ دوسری طرف قبائلی سرداروں کی مراعات ختم کرنے کا اعلان کیا۔ سود پر پابندی عائد کر دی اور مقدمات کے فیصلوں کے اختیارات ان پڑھ ملاؤں کے ہاتھوں سے لے کر پڑھے لکھے عالموں کو منتقل کر دیئے۔

ان اصلاحات نے ہیجان پیدا کر دیا۔ قبائلی سرداروں اور ان کے دوست مولوی علما اور مشائخ سیخ پا ہونے لگے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان علماء اور مشائخ کا جاگیرداری اور قبائلی سماج میں ان جاگیرداروں اور قبائلی سرداروں سے ہمیشہ گہرا رشتہ ہوتا ہے کیونکہ ان کی خانقاہیں، ان کے مدرسے، ان کے حلوے مانڈے سب انہی زمینداروں کے ساتھ بہت حد تک وابستہ ہوتے ہیں چنانچہ برطانوی ایجنٹوں نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا۔ ادھر امیر امان اللہ کی اصلاحات کو کامیاب بنانے کے لئے کوئی عوامی ادارہ یا جماعت تو موجود نہ تھی۔ اس کا سہارا تو اپنے درباری اور وزیروں پر ہی تھا جو خود انہی قبائلی سرداروں اور زمینداروں کی آل اولاد تھے۔ اس لئے جب قبائلی سرداروں نے برطانوی ایجنٹوں کی امداد سے آواز بلند کرنا شروع کی تو امیر امان اللہ یکہ تنہا نظر آنے لگے۔ اور برطانیہ نے افغانستان کے اندر اور باہر اس قدر پراپیگنڈہ کیا کہ الحفیظ والاماں، بالکل اسی طرح مولوی اور مشائخ ہندوستان میں پہنچنا شروع ہو گئے جیسے آج کل نظر آرہے ہیں چنانچہ ۱۹۲۹ء کے بعد اس برصغیر کے اخبارات اور سیاسی زعما کے بیانات کو اگر کھنگالا جائے تو بہت ہی دلچسپ اور عبرت ناک تصویر سامنے آتی ہے اور اس دور کی صورت حال کی جھلکیاں دیکھ کر آج رونما ہونے والے واقعات کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔

امان اللہ خاں کے خلاف بغاوت

۱۹۲۸ء میں امیر امان اللہ خاں نے اپنے دورہ یورپ کے بعد سوویت یونین کا بھی دورہ کیا اور وہاں کی ترقی اور نظام حکومت کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس سے وہ خاصے متاثر ہوئے، اب ایسے سمے میں جب یورپ اور یورپی ممالک کے مقبوضات میں عالمی اقتصادی بحران سر نکال رہا ہو۔ بیروزگاری بڑھ رہی ہو، افراط زر لوگوں کی زندگی اجیرن کر رہی ہو، پیداوار گھٹ رہی ہو، عوام کی قوت خرید جواب دے رہی ہو اور اس کے مقابلے میں ایک وسیع و عریض ملک سوویت یونین تھا جہاں بیروزگاری ختم ہو رہی تھی، پیداوار بڑھ رہی تھی۔ قیمتیں مقرر تھیں۔ ان میں کوئی اتار چڑھاؤ نہیں تھا، افراط زر نام کو نہیں تھی تو ظاہر ہے امیر امان اللہ کا متاثر ہونا لازمی تھا۔

اس صورت حال نے برطانوی سامراج کو خاصا پریشان کر دیا اور اس پر ظلم یہ ہوا کہ ہندوستان میں اقتصادی بحران نے انقلابی عمل کو دن بدن زیادہ واضح اور متشکل کرنا شروع کر دیا اور یہاں ہڑتالوں کی لہر تیز ہونے لگی، چنانچہ اس صورت حال کا اندازہ اس غصیلی اور جھنجھلاہٹ والی تقریر سے لگایا جا سکتا ہے جو ہندوستان کے برطانوی

وائسرلئے لارڈ ارون نے ۲۸ جنوری ۱۹۲۹ء کو کی تھی، اس میں انہوں نے کہا:

"ان صنعتی تنازعوں کا ایک اور اہم اور سنگین پہلو بھی ہے جس کا ذکر کیے بغیر میں نہیں رہ سکتا، یہ درست ہے کہ مزدور طبقہ کی صحیح اور درست شکایات کا ازالہ ہونا چاہیئے۔ اور یہ بھی تسلیم کرنا چاہیئے کہ مزدوروں اور محنت کرنے والوں کو کچھ شکایات ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پچھلے سالوں میں مزدور طبقہ میں بے چینی کی بنیادی وجہ بعض اشخاص کی سرگرمیاں ہیں جن کا مقصد مزدوروں کی بہبود نہیں ہے بلکہ سماج دشمن مقاصد کو ہوا دینا ہے۔ جس انداز سے کمیونزم کو پھیلایا جا رہا ہے اس سے میری حکومت کو بجا طور پر تشویش لاحق ہے نہ صرف کمیونسٹ ایجنٹوں نے جو بیرون ملک سے تعلق رکھتے ہیں، صنعتی شعبے میں انتشار اور گڑبڑ پھیلانے کی کوشش کی ہے بلکہ ان کا پروگرام جو انہوں نے اپنے سامنے رکھا ہے اس کے مطابق معاشرے کے پورے اقتصادی ڈھانچے کو تہس نہس کرنا ہے۔"

یہ تقریر دراصل برصغیر میں "کمیونسٹ خطرے" کے پیش نظر زبردست متشددانہ دور شروع کرنے کی نشان دہی تھی۔ چنانچہ اس کے لئے امتناعی نظر بندی کے قوانین نافذ کئے گئے اور پھر ملک بھر کے مزدور اور کمیونسٹ رہنماؤں کو پکڑ لیا گیا اور ان کے خلاف حکومت وقت کے خلاف سرگرمیوں کی بنیاد پر ایک مقدمہ سازش قائم کیا گیا جسے میرٹھ سازش کیس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سوویت انقلاب کے بعد یہ چوتھا مقدمہ سازش تھا جو میرٹھ میں قائم کیا گیا۔ اس سے پہلے پشاور، لاہور اور کانپور کے مقامات پر سازش کے مقدمات قائم کر کے مختلف کارکنوں اور رہنماؤں کو سالہا سال کے لئے قید کی سزا سنائی جا چکی ہے۔

اب ہندوستان میں جب بغاوت اور انقلاب کی چنگاریاں شعلے بن رہے ہوں اور ایسے میں اس کی سرحدوں پر ایک ایسی حکومت ہو جو سوشلسٹ روس کی ہمنوا ہو یہ برطانوی سامراج کیسے گوارا کر سکتا تھا۔ برطانوی سامراج کو خطرہ تھا کہ سوویت یونین افغانستان کے ذریعے ہندوستان میں سوشلسٹ انقلاب لانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ چنانچہ اس کی روک تھام کے لئے جہاں ہندوستان کے اندر ظلم و تشدد، مبینہ سازشوں کے مقدمات، وسیع پیمانے پر گرفتاریاں ضروری تھیں وہاں افغانستان کے اندر امیر امان اللہ کو ہٹایا جانا بھی ضروری ٹھہرا۔ چنانچہ امان اللہ کی اصلاحات کو اسلام کے منافی قرار دیا گیا۔ افغانستان کے اندر اور باہر امیر امان اللہ کی بیگم ملکہ ثریا کی عریاں تصویریں کروڑوں کی تعداد میں تقسیم کی گئیں، "علماء اور مشائخ" کو سرگرم عمل کیا گیا، ان کی کھیپ کی کھیپ ہندوستان پہنچنی شروع ہوئی اور یہاں بھی عوام کو متاثر کرنے اور امان اللہ خان کے خلاف بھڑکانے کی کوششیں ہونے لگیں۔

سیاستِ اور امیر امان اللہ ۱۹۲۸ء اور ۱۹۲۹ء میں جب یہاں برصغیر افغان "علماء اور مشائخ" پر مظالم کی داستانیں اور امیر امان اللہ کی "اسلام دشمنی" کی داستانیں شائع ہونی شروع ہوئیں اور مسلم رائے عامہ کو امان اللہ کے خلاف متاثر کیا جانے لگا تو پنجاب خلافت کمیٹی نے ان ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کرنا شروع کیا۔ چنانچہ مولانا ظفر علی خان کا "زمیندار" اور مہر و سالک کا "انقلاب" جو عام طور پر ملکی مسائل پر مختلف مسلکوں کے حامی تھے نے افغانستان کی صورت حال پر بہت حد تک یکساں ردعمل کا اظہار کیا اور امیر امان اللہ خاں کے خلاف تحریک کو برطانیہ کی پیدا کردہ بتایا۔ چنانچہ افغانستان میں برطانوی ریشہ دوانیوں کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کے مشہور مسلم اخبار

"مدینہ" نے جب ان ریشہ دوانیوں کو بے کیا تو ایک طرف "مدینہ" سے ضمانت طلب کر لی تو دوسری طرف اس کے مدیر مولوی نورالرحمان کو ۲۸ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو گرفتار کر لیا گیا۔ چنانچہ اسی موقع پر مولانا ظفر علی خاں نے اپنی نظم میں کہا تھا ؎

خدا کی شان اک سقے کا بچہ
مقابل ہے محمدزائیوں کے
نہیں دیکھے پٹے کے ہاتھ اس نے
امان اللہ کے شیدائیوں کے
اسے سلامیوں سے کیا سروکار
جو ٹکڑوں پر پلے عیسائیوں کے

اب ذرا اس زمانے کے اخبارات میں پراپیگنڈہ کے انداز سے پتہ چل جائے گا۔ انقلاب اور زمیندار ان خبروں کو روزانہ بے نقاب کرتے تھے لیکن ان کی خبروں سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس طرح سے پراپیگنڈہ کیا جا رہا تھا۔

۷ر جنوری ۱۹۲۹ء کو روزنامہ "انقلاب" اپنے صفحہ ۲ پر دو کالمی جلی سرخیاں دیتا ہے۔

شنواریوں کی بغاوت اور شورش کابل
اینگلو انڈین اخباروں کا ناپاک پراپیگنڈہ

تین ماہ پہلے اخباروں نے یہ وحشتناک خبر شائع کی کہ شاہ افغانستان کے بھائی عنایت اللہ خاں گرفتار کر لیے گئے ہیں اور ملا شور بازار کا بھی افغانستان کی حکومت کے خلاف بیان شائع کیا گیا لیکن زمانہ نے ثابت کیا کہ یہ اطلاعات محض غلط تھیں اور خاص نظریہ کی بنیاد پر شائع کی گئی تھیں، اس کے بعد ایک بے بنیاد خبر شائع کی گئی کہ افغانستان میں مقیم سکھوں کے لیے ہیٹ پہننا لازمی قرار دیا گیا۔ نیز یہ کہ جبراً ڈاڑھیاں منڈوائی گئیں۔ ان باتوں کی بھی حقیقت آہستہ آہستہ تمام دنیا کو معلوم ہو گئی کہ ایسا کوئی حکم افغانستان میں موجود ہی نہیں۔

۹ر جنوری ۱۹۲۹ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس نے پشاور سے خبر دی ہے۔

"یہ باور کرنے کی وجوہ موجود ہیں کہ اعلیٰ حضرت ان آئین و ضوابط میں کچھ ترامیم کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے جو نکات ہمالیں نے تعلیم نسواں اور تنسیخ پردہ کے متعلق جاری کیے یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ وہ امور سلطنت میں ملاؤں کو کسی حد تک اقتدار دینے پر رضامند ہو جائیں گے۔ اور اعلیٰ حضرت غالباً اس تجویز پر سخت برہم ہوں گے ملکہ معظم ثریا سے قطع تعلق کر لیں نیز ممدوحہ کے عزیز و اقارب کو افغانستان سے جلاوطن کر دیں۔"

اس وقت بھی افغانستان کی خبروں کے لیے پشاور ہی مرکز و منبع تھا اور آج بھی انقلاب افغانستان کے خلاف پراپیگنڈہ کا مستقل مرکز پشاور اور یہ خطہ ہی ہے اور یہاں کے حوالے سے خبریں BBC نشر کرتا ہے اور BBC کے حوالے سے ہمارے اخبارات شائع کرتے ہیں۔ تاکہ BBC کے نام سے اس کو موثر اور مصدقہ بنایا جائے اور عوام کو ان پر ایمان لانے کے لیے مائل کیا جا سکے۔

ہندوستان کے "فری پریس جرنل" نے ۱۵ر جنوری ۱۹۲۹ء کو افغان باغیوں کے ۱۰ مطالبات شائع کیے تھے۔

۱۔ پچاس ارکان کی ایک مجلس قائم کی جائے جس میں اکثریت ملاؤں کی ہو باقی سرکردہ لوگ ہوں، یہ مجلس

ملکی، فوجی اور مذہبی معاملات میں اقتدار کامل رکھا کرے گی۔

۲۔ ملک میں قانون داں اور وکیل رکھے جائیں۔

۳۔ بادشاہ اور شاہی خاندان اسلامی طریقوں کی پابندی کریں۔

۴۔ طبی تعلیم کے لیے جو لڑکیاں ترکی بھیجی گئی ہیں ان کو واپس بلا لیا جائے۔

۵۔ دیوبند کے فارغ التحصیل علما کو افغانستان میں داخلہ کی اجازت ہو۔

۶۔ پردہ کی سخت پابندی کی جائے۔

۷۔ جبری بھرتی موقوف کردی جائے۔

۸۔ عورتوں کو یورپین لباس پہننے کی ممانعت

۹۔ ملاؤں کو نقل و حرکت کی مکمل آزادی ہو۔

۱۰۔ سکرات کا استعمال واجب التعزیر قرار دیا جائے۔

۱۱۔ جمعہ کو تعطیل ہوا کرے۔

۱۲۔ طالب علموں کو شادی کرانے کی اجازت ہوا کرے۔

۱۳۔ پیروں کو نذریں چڑھانے کی ممانعت نہ ہو۔

۱۴۔ لوگ قرضہ دینے میں آزاد ہوں۔

۱۵۔ لڑکیوں کی تعلیم کا سلسلہ موقوف کردیا جائے۔

۱۶۔ مرد جیسا جی چاہے لباس پہنے۔

۱۷۔ رشوت ستانی کے معاملات میں راشی اور مرتشی دونوں کو سخت سزائیں دی جائیں۔

۱۸۔ ملاؤں کے متعلق جتنی پابندیاں ہیں سب دور کردی جائیں۔ اور ملاؤں کو حق حاصل ہو کہ ہر شخص کا احتساب کرکے اسے سزا دے سکیں۔

۱۱ر جنوری ۱۹۲۹ء کو امیر امان اللہ نے باغیوں کے نام اپیل جاری کی۔

میں خلوص نیت اور صمیمِ قلب سے اعلان کرتا ہوں کہ خدا واحد ہے اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اے میرے اسلامی بھائیو یاد رکھو کہ میں خدا اور رسول کی تعلیم کے مطابق تمام لوگوں کو زیور علم سے آراستہ کرنا چاہتا تھا تاکہ وہ توہمات کے طلسم سے رہا ہو جائیں۔ خونریزی، غارت گری اور چوری ترک کرکے دنیا کی متمدن و مہذب قوموں میں اپنے لیے ایک جگہ حاصل کرلیں، لیکن اب تم نے اپنے جاہل اور خودغرض دوستوں کی ترغیب پر علم بغاوت بلند کردیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتنے فرزندانِ توحید کی جانیں ضائع ہوئیں۔ میں نے اپنی رعایا کی خواہش پر کسی قدر اپنی لڑکیوں کو ترکی میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا تھا اگرچہ ان کے شوہر بھی ان کے ہمراہ گئے تھے لیکن تم نے یہ اقدام بھی پسند نہیں کیا تم نے اس پر غور نہیں کیا کہ تمہاری بغاوت سے افغانستان کو کیا نتائج بھگتنے پڑیں گے۔

۲۲ر جنوری ۱۹۲۹ء کو ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد علی اور پروفیسر اندر نے ایک بیان میں حکومت ہند کو ان خطرناک نتائج

سے متنبہ کیا گیا جو معاملات افغانستان میں اس کے سیاسی و فوجی مداخلت سے جو کسی طرح افغانستان کی آزادی شکست و ریخت کا باعث ہو پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس بیان میں یہ بھی انتباہ کیا گیا کہ ہندوستان کے وسائل و ذرائع کو استعماری مقاصد کی تکمیل و توسیع کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔

اسی دن یعنی ۲۲ر جنوری ۱۹۲۹ء کو انقلاب میں پشاور کے حوالے سے ایک اور خبر شائع ہوئی ہے۔ جس پر انقلاب سرخی جماتا ہے:۔

کیا یہ مداخلت کے لئے بہانہ تلاش کیا جا رہا ہے

پشاور ر مقامی تاجروں کے وفد نے چیف کمشنر سے مل کر افغانستان کے حالات پر گہری تشویش کا اظہار کیا گیا کہ کابل میں ان کے آدمیوں اور مال تجارت کو سخت خطرہ لاحق ہو گیا۔ ان کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔

یکم جنوری ۲۹ ۱۹ ر روزنامہ "انقلاب" میں بمبئی کے اخبار کے حوالہ سے خبر شائع ہوئی ہے کہ اس اخبار نے حکومت برطانیہ پر الزام لگایا ہے کہ اس نے شنواریوں کو اسلحہ دبارود سے امداد دی ہے گو پشاور میں سرکاری ذرائع نے اس کی تردید کی لیکن سفارتی حلقوں میں چہ میگوئیاں جاری ہیں۔

۲ر جنوری ۱۹۲۹ء کو "انقلاب" اپنے اداریے میں رقمطراز ہے۔

اینگلو انڈین جرائد اور بعض مشتبہ خبر رساں ایجنسیوں نے پچھلے دنوں اعلیٰ حضرت شہریار افغانستان اور ان کی مملکت کے متعلق خوفناک غلط بیانیوں اور بے سرو پا دروغ بافیوں کا جو مکروہ سلسلہ شروع کر رکھا تھا اس میں سے ایک ایک کی تردید کی جا چکی ہے اور اہل ہند کو اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی ذات والا چونکہ اسلام کے لئے، ایشیا کے لئے افغانستان کے لئے ہزار ہا برکات و حسنات کا سرمایہ ہے۔ اس لئے من گھڑت خبریں شائع کر کے آپ کو مسلمانوں اور ہندوستانیوں کی نظروں سے گرانے کی ناکام کوشش کی جا رہی ہے۔

پشاور ۱۱ر جنوری ۱۹۲۹ء کو کابل کے اخبار "امان افغان" میں شہریار غازی امان اللہ کا ایک شاہی اعلان شائع ہوا ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ تمام اصلاحات جدیدہ کو منسوخ کر دیا گیا ہے۔

۱۔ جو افغان لڑکیاں حصول تعلیم کے لئے ترکی بھیجی گئی تھیں انہیں واپس آنے کا حکم بھیج دیا گیا ہے۔

۲۔ یورپین لباس پہننے اور عورتوں کو پردہ ہٹانے کے احکام منسوخ کر دیئے گئے ہیں۔

۳۔ لڑکیوں کے مدارس اور انجمنیں توڑ دی گئی ہیں۔

۴۔ سپاہیوں کو اختیار دیا گیا ہے کہ بلا حصول اجازت پیروں کے مرید بن سکیں۔

۵۔ لازمی فوجی ملازمت کے احکام منسوخ کر دیئے گئے ہیں۔

اس اعلان پر دیگر علما کے علاوہ ملا شور بازار کے بھی دستخط تھے اور قاضی القضاۃ قاضی محمد اکبر کے بھی دستخط ہیں۔

روزنامہ انقلاب کا اداریہ

۱۱ر اپریل ۱۹۲۹ء کو مولانا غلام رسول مہر اور مولانا عبدالمجید سالک کے روزنامہ "انقلاب" نے ایک بہت ہی طویل اداریہ

افغانستان کے حالات پر رقم کیا۔ اداریہ میں رقم طراز ہیں۔

" فتنۂ افغانستان کے آغاز سے لے کر اب تک دشمنانِ اسلام اور بعض غرض مند طبقوں کی طرف سے ہندوستان میں یہی پراپیگنڈہ کیا جاتا رہا کہ اعلیٰ حضرت شہریار غازی کے خلاف بعض بدبخت افغانی قبائل کی بغاوت کا حقیقی باعث وہ اصلاحات تھیں جو حضور نے یورپ سے واپس آنے پر ملک میں نافذ فرمائیں۔ یہ بے سروپا پراپیگنڈہ کچھ ایسی ہنرمندی سے کیا گیا کہ اعلیٰ حضرت شہریار غازی کے بعض ہمدرد بھی اس کو صحیح سمجھنے لگے اور فضائے ہند میں طرح طرح کی آوازیں گونجنے لگیں۔ کسی نے کہا کہ اعلیٰ حضرت کی نافذ کردہ اصلاحات خلاف شریعت تھیں۔ اس لئے علمائے افغانستان نے آپ کے خلاف خروج کا فتویٰ دے دیا۔ کوئی کہنے لگا کہ ان اصلاحات میں کوئی بات خلاف شریعت تو نہیں لیکن چونکہ افغان ابھی پرانے فیشن کے ملاؤں کی قدامت پرستی کے جال میں بُری طرح اسیر ہیں۔ اس لئے اعلیٰ حضرت کو چاہئیے تھا کہ کسی قدر توقف فرماتے یہ محض آپ کی تعجیل کاری تھی۔ جس نے افغانوں کو آتشِ زیر پا کر دیا۔ غرض ہمدردانِ اعلیٰ حضرت غازی کی عام رائے یہی تھی کہ باغیانِ افغانستان نے ایک ایسے بیدار مغز و خدا پرست مسلمان بادشاہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے اپنے آپ کو قتل کا مستوجب بنا دیا ہے۔" لیکن حق یہ ہے کہ اصلاحاتِ جدیدہ کے معاملے میں اعلیٰ حضرت سے بھی لغزشیں ہوئی ہیں اور ان سب سے بڑی لغزش یہ ہے کہ آپ نے نفاذِ اصلاحات میں بے حد عجلت سے کام لیا۔"

لیکن قارئینِ انقلاب کو معلوم ہے کہ انقلاب کا مسلک آغاز کار ہی سے مندرجہ بالا مسالک اور نقطہ ہائے نگاہ سے مختلف رہا ہے ہم نے ہمیشہ یہی لکھا کہ اصلاحات جدیدہ ہرگز بغاوت کا باعث نہیں ہوئیں کیونکہ ان میں ایک بات بھی خلافِ شرع نہیں ہے اور کوئی عالم دین کسی نصِ صریح سے ان اصلاحات کا عدم جواز ثابت نہیں کر سکتا۔ ہمارے نزدیک بغاوت کی وجہ یہ تھی کہ جب دشمنانِ اسلام کفار کے پٹھوؤں اور ملک و ملت کے غداروں کو اعلیٰ حضرت شہریار غازی کی روشن خیالی اور صحیح اسلام پرستی کی موجودگی اپنا اُلو سیدھا ہوتا ہوا نظر نہیں آیا تو انہوں نے آہستہ آہستہ جاہل افغانی قبائل میں وعظ و تقریر کے ذریعے سے اور رسائل و تصاویر تقسیم کر کے یہ پراپیگنڈہ کیا کہ امان اللہ خاں کافر ہو گیا ہے۔ بتوں کی پرستش کرتا ہے۔ حضور سرورِ دوجہاںؐ کی توہین کرتا ہے۔ اس لئے جبراً عورتوں کا پردہ اُٹھا دیا ہے، وہ ہر شخص کو زبردستی انگریزی لباس اور انگریزی ٹوپا پہناتا ہے۔ علما کی توقیر نہیں کرتا۔ اس افغان لڑکیوں کو بے پردہ غیر ممالک میں بھیج کر افغانوں کی غیرت کو صدمہ پہنچایا

چونکہ اس ناپاک پراپیگنڈے کی پشت پر بعض مخفی طاقتوں کا بے اندازہ روپیہ و اثر کارفرما تھا اور بعض ملاؤں نے جنہیں اپنے حلوے مانڈے کی فکر پڑ گئی تھی اس پراپیگنڈے کی حمایت میں جاہل افغانوں کو اکسانے میں مصروف ہو گئے تھے۔ اس لئے یہ پراپیگنڈہ اپنے مسموم مقاصد میں کامیاب ہوا اور اعلیٰ حضرت غازی نے صورت حالات کی نزاکت کو ملحوظ رکھ کر اور اپنی محبوب رعایا کو خونریزی سے بچانے کی خاطر تاج و تخت سے دستبرداری دے دی لیکن اس دستبرداری سے پہلے اعلیٰ حضرت نے ایک اعلان عام شائع کیا جس میں اپنی قوم کو بتایا کہ اگر تم اصلاحات ہی پر معترض ہو تو میں ان سب کو منسوخ کئے دیتا ہوں۔ اس کے بعد تمہیں مجھ سے پرخاش نہ ہونی چاہیئے۔ اعلیٰ حضرت خوب جانتے تھے کہ اصلاحات کو محض حیلے کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے اور دراصل باغیوں کا مطلب کچھ اور ہے

اس لیے آپ نے بطور اتمام حجت اصلاحات کی تنسیخ کا اعلان کر دیا لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باغیوں میں سے ایک نے بھی بغاوت ترک نہ کی اور سردار عنایت اللہ خاں کو بھی اپنا بادشاہ تسلیم نہ کیا حالانکہ سردار صاحب اپنی پابندی شریعت کے لیے خاص شہرت رکھتے تھے۔ اعلیٰ حضرت کی اس اتمام حجت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ بغاوت کا باعث اصلاحات نہیں اور باغیوں نے "شریعت، شریعت" کے نعروں کو محض اپنے مخصوص اور ناپاک مقاصد کا آلۂ کار برابری بنا رکھا ہے۔

خلافت کمیٹی میں کشمکش

یہی نہیں ہوا کہ برطانوی پراپیگنڈہ اور ریشہ دوانیوں کے ذریعے یہاں پر رائے عامہ متاثر کرنے کی کوشش کی گئی بلکہ کچھ مسلمان لیڈروں کو بھی اس پراپیگنڈے کے ذریعے ہمنوا بنانے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ برطانوی سامراج کی یہ ریشہ دوانیاں رنگ لائیں اور مرکزی خلافت کمیٹی کا ایک عنصر بھی امان اللہ کے خلاف تلوار سونت کر میدان میں آ گیا۔ لیکن سامراج دشمن خلافتیوں نے بھی ڈٹ کر امیر امان اللہ کی حمایت ہی نہیں کی بلکہ سامراج دوست خلافت لیڈروں کو بے نقاب بھی کیا، اس تمام صورت حال کا میں ذکر اپنی کتاب "پنجاب کی سیاسی تحریکیں" میں کر چکا ہوں۔ بہرحال یہاں بھی اس صورت حال کا اجمالی تذکرہ ضروری ہے۔ چنانچہ اس زمانے میں جب امان اللہ خاں کے خلاف پراپیگنڈہ زوروں پر تھا تو اس کی زد سب سے زیادہ پنجاب اور صوبہ سرحد پر پڑتی تھی۔ اس لئے پنجاب خلافت کمیٹی جس کے سیکرٹری جمعیۃ العلمائے ہند اور بعد میں مجلس احرار کے مشہور رہنما مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی تھے نے امان اللہ کے حق اور برطانوی ریشہ دوانیوں کو بے نقاب کرنے کے لئے متعدد بیان دیئے اور مرکزی خلافت کمیٹی کو بھی لکھا کہ وہ اس ضمن میں قدم اٹھائے۔ چنانچہ اس پر مرکزی خلافت کمیٹی کے آفس سیکرٹری مولانا محمد عرفان نے ایک مکتوب مولانا حبیب الرحمن کو لکھا۔

غازی امان اللہ کیخلاف مرکزی خلافت کمیٹی کا خط

مکرم بندہ مولانا حبیب الرحمان صاحب۔ دام مجدہم

مسئلہ افغانستان میں آپ کی روش اور طریقہ کار معقول نہیں۔ ہماری ذاتی اطلاعات ہیں کہ افغانستان میں سوائے چند نوجوانوں کے ایک متنفس بھی نہیں جو شاہ امان اللہ خاں کی حکمت عملی سے موافق ہو۔ یہ مسئلہ کسی ایک گروہ کی بغاوت کا نہیں ہے بلکہ تمام عمال حکومت حضرات اور تقریباً ساری پبلک کی مخالفت کا ہے اور یہ سارا کھیل کم از کم مجھے انقلاب افغانستان سے چار ماہ پہلے معلوم تھا۔ جب علی احمد خاں بمبئی آئے تھے۔ تب ان سے سارے حالات معلوم ہو گئے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ اب آئندہ افغانستان میں ضرور کوئی نہ کوئی تبدیلی ہو گی۔ بہرکیف ہماری معلومات یہ تھی کہ سردار علی خاں، جنرل نادر خاں اور دونوں بھائی سردار محمد ولی خاں۔ شیر علی خاں والدہ امان اللہ خاں اس پالیسی کے موافق نہیں تھیں۔ خود انقلاب افغانستان نے بھی یہی بات ثابت کی ہے کہ فوج اور عمال حکومت موافق نہ تھے۔ ورنہ (قبیلہ) خوست کی بغاوت چند ہفتوں میں ختم کر دی جاتی۔ لیکن ایک بچہ سقہ کی بغاوت جسے ڈاکو کہا جاتا ہے۔ اتنی مؤثر اور عالمگیر ہو کہ اس کے سامنے ساری نظامی فوج ہتھیار ڈال دے اور اپنی بے چارگی کا اعلان کر دے۔ بہرحال ہماری اطلاعات افغانی سرکاری ذرائع سے یہ ہیں کہ بچہ سقہ برائے نام

ہے اور اس کی پشت پر تقریباً سارا ملک ہے۔

ایسے حالات میں جو آپ کا رویہ ہے۔ وہ بہت نامعقول ہے، اور افغانستان کے لیے تباہ کن ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ امان اللہ خاں سے بہتر سرزمین افغانستان کے لیے دوسرا شخص نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کو واپس لانے کی یہ بھی تدبیر نہیں کہ تمام علمار افغانستان کو گالیاں دی جائیں اور بچہ سقہ نام کا جو ایک شخص ہے اسے "کتا" اور کیا کیا کہا جائے۔ صورت یہی ہے کہ امان اللہ صاحب کو بھی سمجھایا جائے کہ ساری اصلاحات عورتوں کے ننگے بدن میں نہیں رکھی ہوئی ہیں۔ ادھر علمار اور مشائخ اور قبائل کے سرداروں کو بھی سمجھایا جائے کہ یہ چیزیں اتنی اہم نہیں ہیں کہ آپ ان کی وجہ سے (یعنی اصلاحات کی وجہ سے) ایک بہتر آدمی کو ضائع کردیں۔ بدنصیبی یہ ہے کہ مرکزی خلافت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں ورنہ ایک جگہ مبیٹھ کر اگر کوئی مشورہ ہوتا تو سب ایک ہی رائے پر جمع ہو جاتے۔

(محمد عرفان)

مولانا محمد عرفان آنرس سیکرٹری مرکزی خلافت کمیٹی کے اس خط کے بعد مولانا شوکت علی نے غازی امان اللہ کے خلاف اخبار میں بیان دیا۔ مولانا شوکت علی کے بیان کے جواب میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی نے حسب ذیل بیان دیا۔

غازی امان اللہ خاں کے حق میں بیان،

میں یہ دیکھ کر بے حد مسرور ہوں کہ پنجاب کے قومی کارکنوں نے افغانستان کے معاملے میں بروقت رہنمائی کی ہے اور یہ بات میرے لیے بہت زیادہ مسرت کا باعث ہے کہ تمام ہندو پریس اور ہندو لیڈروں نے پوری جرأت اور دلیری کے ساتھ شاہ امان اللہ غازی کی حمایت میں آواز بلند کی ہے۔ یہ یقین ہے کہ یہ حالات ہندو مسلم اتحاد کے لئے ایک مضبوط چٹان ثابت ہوں گے۔

مگر ان حالات کے ساتھ ساتھ مجھے مولانا شوکت علی کے بیان سے شدید صدمہ پہنچا۔ مولانا شوکت علی کا بیان مجمل بھی ہے اور گمراہ کن بھی، مجھے حیرت ہے کہ علی برادران کی گذشتہ پانچ سالہ زندگی صرف مسلمان حکمرانوں کے خلاف آواز بلند کرنے میں گذری ہے۔ ان دونوں بھائیوں نے جس وقت سے ترکی نے لفظ خلافت سے انکار کیا۔ تو غازی مصطفےٰ الکمال کی اتنی شدید مخالفت کی جس کو ہر مسلمان نے نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ سلطان ابن سعود کے معاملے میں تو کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ اس کی حکومت تباہ کرنے میں دونوں بھائی ہر جائز و ناجائز طریقہ استعمال کر رہے ہیں۔ اب جب کہ سلطنت افغانستان کی تباہی کا فیصلہ دشمنانِ اسلام نے کرلیا ہے اور وہ بظاہر کسی حد تک اپنے ارادوں میں بذریعہ باغیوں کے کامیاب بھی ہیں۔ ٹھیک اس وقت مولانا شوکت علی نے ایک مفتی کے انداز میں فری پریس کو بیان دیتے ہوئے کہا ہے:۔

"باغی افغانستان میں جو کچھ کر رہے ہیں وہ اسلامی احکام کی عزت اور مغربی تہذیب کے خلاف ایک شرعی جہاد ہے اور شاہ امان اللہ غازی اپنی بد دینی کی وجہ سے تخت سے علیحدہ کیا گیا۔"

اس بیان میں مولانا شوکت علی نے یہ بھی کہا ہے کہ میں بچہ سقہ کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتا۔ میرے خیال میں یہ

الفاظ ان کی زبان سے ہندوستان کی رائے عامہ کے خوف سے نکلے۔ ورنہ ان کے بیان کا پہلا حصہ بچہ سقہ اور اس کے معاونین کی حرف بحرف تائید کرتا ہے۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مولانا شوکت علی کے بیان کا وہ حصہ جو غازی امان اللہ کے خلاف اور باغیوں کی حمایت میں ہے۔ افغانستان میں لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر تقسیم ہو چکا ہوگا۔ اس لئے میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ دشمنان اسلام کی تمام طاقتوں سے زیادہ مولانا شوکت علی کا بیان شاہ امان اللہ اور سلطنت افغانستان کے لئے نقصان رساں ثابت ہوگا۔ سلطان ابن سعود کی اس لئے مخالفت کی جاتی ہے کہ اس نے شریعت کا وقار سرزمین حجاز میں دوبارہ کیوں قائم کیا اور شاہ امان اللہ کی مخالفت یہ کہہ کر کی جاتی ہے کہ وہ شریعت کا مخالف ہے۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی پس وپیش نہیں کہ ہندو پریس کے بعد مسلم پریس میں سوائے اخبار زمیندار کے مسلمان اخباروں کی اکثریت شاہ امان اللہ کے بارے میں بزدلی سے کام لے رہے ہیں اور بعض بدنیت اخبار شاہ امان اللہ کے خلاف مضامین لکھ رہے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان مسلم حقوق کی رٹ لگانے والے مسلم اخبارات سے سختی کے ساتھ یہ سوال کریں کہ افغانستان کے معاملے میں تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا ہے۔ خدا مسلمان قوم کو اپنے دوست و دشمن کے سمجھنے کی توفیق دے۔

(حبیب الرحمان لدھیانوی)

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمان لدھیانوی نے مولانا شوکت علی کے بیان کے بعد حسب ذیل فتوے علمائے ہندوستان کے پاس بھیجا۔

محترم المکرم السلام علیکم

ذیل کے سوالات ارسال خدمت ہیں۔ حالات کا اقتضا ہے کہ ان کا جواب جلد از جلد ملک میں شائع کر دیا جائے۔ مجھے امید ہے کہ آپ بہت جلد صاف مختصر و مدلل جواب ارسال فرمائیں گے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ اس وقت شاہ امان اللہ غازی پر کفر کا فتوے لگایا گیا ہے۔ اور باغیوں کی شرعی حیثیت سے امداد کی جا رہی ہے — جس سے — دشمنان اسلام فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطنت اسلام کو برباد کر رہے ہیں۔ (حبیب الرحمن لدھیانوی)

سوالات

۱۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شاہ امان اللہ غازی والیٔ افغانستان نے جو اصلاحات اپنے ملک میں جاری کی تھیں۔ کیا وہ ان کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا؟

۲۔ (الف) کیا ان اصلاحات کا اجرا شاہ امان اللہ کے خلاف بغاوت کرنے کی شرعاً اجازت دیتا ہے؟

(ب) جو جماعت ان اصلاحات کی بنا پر بغاوت کرنا چاہتی ہے۔ اس کی کسی قسم کی معاونت کرنا کسی مسلمان کے لئے شرعاً جائز ہے۔

۳۔ جو لوگ ان اصلاحات کے اجرا کی وجہ سے شاہ امان اللہ کو کافر کہتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں۔

۴۔ جبکہ دشمنان اسلام مختلف ذرائع سے سلطنت افغانستان کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان حالات

میں شاہ امان اللہ کی امداد کرنا ہر مسلمان پر شرعاً فرض نہیں ہے؟

اب لطف یہ ہے کہ خود مفتی محمود کے بزرگوں نے اس فتوے کے جواب میں ان اصلاحات کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ شرح کے مطابق بنایا اور امان اللہ کی حمایت کو فرض قرار دیا۔ لیکن مرکزی خلافت کمیٹی اور علی برادران سے جو شدید اختلافات پیدا ہوئے۔ اس پر مولانا عرفان صاحب کا غیر مطبوعہ خط اور مولانا شوکت علی صاحب کے بیان پر رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا بیان اپنی جگہ بہت سی تفصیلات رکھتا ہے۔ مگر ان تفصیلات پر جنرل نادر خاں کے خط مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۲۹ء اور جنرل نادر خاں کے خط کے ساتھ شہزادہ فضل داد خان کا خط مولانا شوکت علی اور مرکزی خلافت کمیٹی کے تباہ کن اثرات پر پوری طرح روشنی ڈالتے ہیں۔ ان خطوط کی آمد کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور ان کے تمام ساتھی مرکزی خلافت کمیٹی سے مسئلہ افغانستان میں کسی طرح بھی متفق نہیں ہو سکتے تھے۔ شہزادہ فضل داد خان کے خط کا مضمون حسب ذیل ہے۔

از ڈیرہ اسماعیل خان

عالی جناب مخدومی و محترمی حضرت فخر الاحرار صاحب مدظلہ العالی،

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

مزاج اقدس! اندریں زمان جبکہ ہر طرف حوادثات انقلابی رونما ہو رہے ہیں، ہندوستان و افغانستان من حیثیت سیاسیات دشوار عبور طرائق سے گذر رہے ہیں۔ ایک سلطنت کا دوسری ہمسایہ سلطنت پر اثر انداز ہونا ہر حیثیت سے ضروری ہے۔ افغانستان و سلطنت محروسہ کے برخلاف چند گمراہ و کوتاہ اندیش اشخاص نے ضرورت حال و اقتضائے زمانہ سے ناآشنا ہو کر جو گمراہ کن پروپیگنڈہ شروع کر رکھا ہے۔ جو نقصان امن و اصلاح ملک و سلطنت ہے۔ اس سے جناب بھی باخبر و واقف ہوں گے۔ اکابر اسلام کی متفقہ آواز کو نہایت سرد مہری و کم دانشی سے پس پشت ڈال کر بے سروپا خود ساختہ افسانے گھڑ کر دولتِ عالیہ افغانستان کے خلاف بدظن کرنے کی جو ناپاک کوشش شروع کر رکھی ہے۔ ان سب ہتھکنڈوں سے جناب والا مطلع ہوں گے۔ ان کے خلاف اعلان فرمائیں گے، جو افغانستان کے خلاف پروپیگنڈہ کر رہے ہیں اور ہماری مدد فرمائیں گے۔" (بالکل پرائیویٹ)

نیاز مند

شہزادہ فضل داد خان

کوچہ حافظ جمال ڈیرہ اسماعیل خان

اس خط کے ساتھ حسب ذیل خط جنرلِ نادر خان شہید کا موصول ہوا۔ جس کا مضمون درج ہے:

"درجرائدِ عالیہ ہند درجریدہ فریدہ افغانستان علاوہ از اظہار ہمدردی و تمام معنوی و قلبی کہ برادران ہندی راجع باحوال تباہ قابل ترحم افغانستان دارند۔ میخواہند کہ باعانت مالی نیز برادران متالم

و متاثر خود را امداد مجاہدین حریت افغانی را تقویہ نمائید، وضعیت موجودہ مجاہدین خیلے بامداد مالی برادران ہمدرد خویش احتیاج دارد، ویگانہ وسیلہ پیشرفت مجاہدین و نجات افغانستان ازیں تہلکہ و بربادی وابستہ بہ امداد است الذمن ازیں عقیدہ عالیہ و ادارہ حسنہ برادران ہندی خود اظہار ممنونیت و امتنان نمودہ امید میکنم کہ ارادۂ ذہنی خود شانرا فوری لباس علمی پوشانیدہ ملت دردرسیدہ افغانستان را درایں حالت فلاکت و تباہی شان دستگیری نمائید۔

امیدوارم کہ ایں حالت زار افغانستان ہمہ ہمدردان نوع بشر را متاثر نمودہ باشد دوست معاونت خودشان را ایں ملت مصیبت زدہ کوتاہ نخواہد فرمود، و ایں ملت را برابر ہمیشہ ممنون احسان خواہد نمود"

محمد نادر خان سپہ سالار ۲۸، اگست ۱۹۲۹ء

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ نادر خاں کو جو اس زمانے میں مقبولیت حاصل ہوئی وہ اسی بنا پر تھی کہ وہ امان اللہ خاں کو واپس لانے کے لئے مصروف پیکار ہو رہا ہے۔ حالانکہ اس کو درپردہ برطانیہ کی حمایت حاصل تھی۔ لیکن چونکہ برطانیہ نے ہندوستان میں امان اللہ کی مقبولیت کا احساس کر لیا تھا۔ اس لئے نادر خاں کو یہاں امان اللہ کے دوست کے طور پر پیش کیا گیا۔ لیکن برطانیہ کا جو مقصد تھا کہ امان اللہ کے جو سوویت یونین سے تعلقات میں قربت اور گہرائی آ رہی ہے۔ اس کے عمل کو روکا جائے اس میں وہ کامیاب ہو گئے۔

کیا آج بھی امریکہ اور برطانیہ کو اسی لئے پریشانی نہیں ہے کہ ہاں ہاں کیوں افغانستان میں ایسا انقلاب ہوا ہے اور ایسے لوگ برسر اقتدار آئے ہیں جو ماسکو کے قریب ہیں، حالانکہ سوال ماسکو کی قربت کا نہیں ہے۔ سوال ہے عوام کی زندگی میں آسانیاں پیدا کرنے کا ظاہر ہے، جب بھی عامۃ الناس کے حالات زندگی بہتر کرنے کی کوشش کی جائے گی تو جو اقلیتی گروہ مال و دولت کے وسائل سمیٹے بیٹھا ہے۔ اس پر چوٹ پڑے گی اور وہ اور اس کے تمام عزیز و اقارب پریشان ہوں گے۔ یہ علماء یہ مشائخ یہ مولوی جو یہاں آ کے شور مچا رہے ہیں اور کچھ یہاں پر پہلے بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ سب وہاں کے امراء کے دوست اور انکے پروردہ ہیں اور یہ دراصل دُہائی اس امر کی دے رہے ہیں کہ ہاں ہاں زمینیں کیوں چھینی جا رہی ہیں، سودی کاروبار کیوں بند ہو رہا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ افغانستان کے امراء میں سودی کاروبار کی روایت بہت پرانی ہے۔ یہ پاوندے جو اس پورے برصغیر میں سودی کاروبار کرتے نظر آئے۔ یہ اسی روایت ہی کا ایک حصہ ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ امان اللہ نے جب اس کاروبار پر قدغن لگائی اور اس کے خلاف تحریک اٹھی تو ملاؤں کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا جیسے کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ان کا ساتواں مطالبہ تھا کہ "لوگوں کو قرضہ دینے کی آزادی ہو"۔ اب اس کا مطلب کیا تھا کہ قرضے کی آزادی سے مراد سود کی آزادی ہے کہ آپ جیسے چاہیں قرضہ دیں اور جتنا چاہیں وصول کریں۔

اقبال اور امان اللہ خان مخالف تحریک

امان اللہ خاں کے متعلق ریشہ دوانیوں، برطانوی سامراج کی سازشوں اور "علماء اور مشائخ" کا ان سازشوں میں ملوث ہونے کے متعلق میں اس دور کے خلافت رہنماؤں کے ایک گروہ، علمائے دیوبند اور اخبارات کا ردِ عمل کافی تفصیل سے دے چکا ہوں اب اس ضمن میں ایک اور ہستی کے ردِ عمل کا میں تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں، یہ ہستی علامہ اقبال کی تھی، علامہ کا امان اللہ کے خلاف تحریک کے بارے میں جو تاثرات تھے ان کا تذکرہ میرے پیارے دوست ڈاکٹر عبد السلام خورشید نے اپنی ایک بہت ہی اہم تصنیف سرگذشت اقبال میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"علامہ اقبال ساری دنیائے اسلام کے حالات دکوائف اور تعمیری رجحانات میں دلچسپی لیتے
ہوئے تھے، لیکن جغرافیائی قرب کی بناء پر افغانستان سے انہیں کچھ زیادہ ہی لگاؤ تھا۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ افغانستان مدتوں برطانیہ اور روس کی طرف سے مداخلت کا شکار رہا اور اس پر سالہا سال تک برطانیہ کا تسلط رہا۔ اور اس کے بعد افغانستان نے اس جوئے کو اتار پھینکا اور آزادی کی نعمتوں سے لذت اندوز ہونے لگا۔ اور جب تیسری افغان جنگ کے نتیجے میں افغانستان آزادی سے ہمکنار ہوا۔ وہ اسی دور میں لڑی گئی جب برعظیم کے مسلمان تحریک خلافت کی آزمائشوں سے گذر رہے تھے۔ افغانستان غازی امان اللہ کے عہد میں آزاد ہوا، اس لئے اقبال کو غازی موصوف سے محبت بھی تھی اور عقیدت بھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے "پیام مشرق" امان اللہ کے نام سے معنون کی اور ایک طویل نظم میں انہیں خراج عقیدت ادا کیا۔ "پیام مشرق" کے دیباچے میں انہوں نے انتساب کی وجہ یوں بیان کی: "اس وقت دنیا میں اور بالخصوص ممالک مشرق میں ہر ایسی کوشش جس کا مقصد افراد و اقوام کی نگاہ کو جغرافی حدود سے بالا تر کر کے ان میں ایک صحیح اور قوی انسانی سیرت کی تجدید یا تولید ہو، قابل احترام ہے۔ اسی بنا پر میں نے چند اوراق کو اعلیٰ حضرت فرمانروائے افغانستان کے نامی سے منسوب کیا ہے کہ وہ اپنی فطری ذہانت و فطانت سے اس نکتے سے بخوبی آگاہ معلوم ہوتے ہیں اور افغانوں کی تربیت انہیں خاص طور پر مد نظر ہے۔ اس عظیم الشان کام میں خدا تعالےٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔"

برطانیہ چاہتا تھا کہ افغانستان آزادی کے بعد بھی اس کا مطیع رہے۔ لیکن امان اللہ خاں ملت افغانیہ کو تعمیر اور ترقی کے راہ پر گامزن کرانے کے لئے آزاد خارجہ پالیسی کے قائل تھے۔ انہوں نے اشتراکی روس سے دوستی کا معاہدہ کیا، ترکیہ اور ایران سے بہتر مراسم پیدا کئے اور اس زمانے کی بڑی طاقتوں کو نظر انداز کر کے جرمنی سے تکنیکی معاہدات کئے۔ برطانیہ کو یہ طرز عمل پسند نہ آیا۔ بالخصوص اسے روس کے ساتھ گہرے تعلقات پر اعتراض تھا۔ کیونکہ اس زمانے میں مغربی طاقتیں روس کو اچھوت سمجھتی تھیں۔ چونکہ امان اللہ خاں دباؤ میں نہ آئے، اس لئے برطانیہ نے ان کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں اور بعض اصلاحات کے خلاف ملاؤں کو بھڑکا کر بغاوت کرا دی اور برطانوی مبصرین نے یہ چرچا کیا کہ بغاوت کی اصل وجہ اصلاحات کا نفاذ ہے۔ یہ بغاوت ۱۴ر نومبر ۱۹۲۸ء کو شروع ہوئی اور ۱۷ر جنوری ۲۹ء کو حبیب اللہ عرف بچہ سقہ نامی ایک ڈاکو نے کابل پر قبضہ کر کے امان اللہ خاں کو نکلنے پر مجبور کر دیا۔ بچہ سقہ

نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اور ملک میں انارکی کی کیفیت پیدا ہو گئی۔

۲۶ فروری ۲۹ء کو لاہور کے انگریزی روزنامے "ٹریبیون" کے نامہ نگار خصوصی نے حضرت علامہ سے ان کا رد عمل دریافت کیا، تو انہوں نے کہا۔ "اہل ہند افغانستان کی آزادی اور اس کے استحکام و استحکام کے ساتھ گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ مغرب اور وسط ایشیا کا سیاسی انحطاط ہندوستان اور چین کی ترقی پر رجعت پسندانہ اثر کرے گا۔ اس لئے اب ان ممالک کے سیاست دانوں سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ سیاسی نصب العین کی تنگ نظری کو ترک کر کے معاملات کو زیادہ وسیع نگاہ سے دیکھیں اور اپنی حکمت عملی کی تشکیل اس کے مطابق کریں ...... میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ نہ صرف افغانستان کے مفاد بلکہ ایشیا کے وسیع تر اغراض و مقاصد کے لحاظ سے ضروری ہے، کہ شاہ امان اللہ خاں کی حکومت برقرار رکھی جائے۔"

جب ان سے اس انقلاب کے اسباب دریافت کئے گئے، تو انہوں نے کسی قطعی رائے کے اظہار سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ جو خبریں آ رہی ہیں، وہ اعتماد کے قابل نہیں ہیں۔ بہر حال انہوں نے ایک وسیع تر تناظر میں اس رائے کا اظہار کیا :۔ "اس امر کے یقینی ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہ عالم اسلام میں قدامت پسندانہ جذبات اور لبرل خیالات میں جنگ شروع ہو گئی ہے۔ اغلب ہے، کہ قدامت پرست اسلام بغیر جد و جہد کے سر تسلیم خم نہیں کرے گا۔ اس لئے ہر ایک ملک کے مسلم مصلحین کو چاہیے کہ نہ صرف اسلام کی حقیقی روایات کو غور سے دیکھیں۔ بلکہ جدید تہذیب کی صحیح اندرونی تصویر کا بھی احتیاط سے مطالعہ کریں جو بے شمار طاقتوں میں اسلامی تہذیب کی مزید ترقی کا درجہ رکھتی ہے۔ جو چیزیں غیر ضروری ہیں، ان کو ملتوی کر دینا چاہیے۔ کیونکہ صرف ضروری چیزیں فی الحقیقت قابل لحاظ ہیں۔ یہ امر صحیح نہیں کہ مجلسی معاملات میں قدامت پسندانہ طاقتوں کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔ کیونکہ انسانی زندگی اپنی اصلی روایات کا بوجھ اٹھا کر منزل ارتقا طے کرتی ہے۔"

افغانستان میں حالات تیزی کے ساتھ بدلتے چلے گئے۔ غازی امان اللہ خاں وطن چھوڑ کر یورپ چلے گئے۔ ان کے بھائیوں سے حالات سنبھالے نہ گئے۔ دوسری طرف برطانیہ نے بھی محسوس کیا کہ بچہ سقہ کی حکومت زیادہ دیر نہیں چلے گی۔ اور کوئی ایسی متبادل قیادت سامنے لانی چاہیے جس پر لوگ اعتماد کر سکیں خود افغانستان کے اندر بھی بعض عناصر متبادل قیادت کے آرزو مند تھے۔ چنانچہ انہوں نے پیرس میں مقیم افغان سفیر جنرل نادر خاں کو دعوت دی کہ وہ حالات سدھارنے کی سعی فرمائیں۔ ان کے نام سے یہ خوشگوار یاد بھی وابستہ تھی کہ انہوں نے افغانستان کی جنگ آزادی یا دوسرے لفظوں میں تیسری افغان جنگ میں ٹل کے مقام پر انگریزی فوج کے دانت کھٹے کئے اور اُسے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ جنرل نادر خاں اپنے بھائیوں کے ساتھ پہلے برعظیم میں آئے اور اس کے بعد افغانستان میں داخل ہو گئے۔ یہ حقیقت ہے کہ انگریزوں نے ان کی مدد کی۔ ایک تو ہتھیار فراہم کئے۔ دوسرے، یہ اجازت دی کہ آزاد قبائلی علاقے میں وزیری اور محسود قبائل کی مدد سے لشکر تیار کریں۔ اس مدد کے پس پردہ برطانیہ کا یہ اندیشہ کارفرما تھا کہ کہیں سوویٹ یونین بعض عناصر کی مدد کر کے افغانستان میں اپنی مرضی کی حکومت قائم نہ کر لے۔ علامہ کی نظر سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں تھی۔ لیکن افغانستان کے وسیع تر مفاد میں ان کی آرزو تھی کہ جلد از جلد وہاں حالات نارمل ہو جائیں

اور ایک پائیدار حکومت قائم ہو جائے۔ اس لئے انہوں نے افغانستان کی مدد جاری رکھی۔

یہ تاریخی مواد میں نے اس لئے یکجا کر دیا ہے کہ ہمارے عوام دیانتداری سے غور کر سکیں کہ کل افغانی مولویوں، پیروں اور مشائخ کے ایک گروہ نے برطانوی سامراج کے اشارہ پر تحریک شروع کی تھی کیونکہ وہ افغانستان کے طبقاتی رشتوں اور قبائلی معاشرے میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں چاہتے تھے اور ان نام نہاد مولویوں، پیروں، اور مشائخ کے مفادات، قبائلی سرداروں، زمینداروں، سود خوروں اور برطانوی سامراج سے ہم آہنگ ہو گئے تھے اور انہوں نے مل کر امان اللہ کی ترقی پسند قوت کا تختہ الٹ دیا تھا۔ آج پھر افغانستان میں طبقاتی رشتے بدل رہے ہیں، عوام کو زمینداروں اور قبائلی سرداروں کے ظلم و جبر سے نجات مل رہی ہے تو پھر یہ طبقات مولویوں، پیروں اور مشائخ کو لے کر میدان میں اتر آئے ہیں اور اس کے لئے پھر اسی نسخہ کو چنا گیا ہے جس کو کل چنا گیا تھا اور آج ان کو یہاں کی رجعت پسند جماعتوں اور عناصر کی حمایت حاصل ہے اور ان صفوں میں مفتی محمود کا اضافہ ہے۔ کل ان کے بزرگ سامراج دشمن صفوں میں تھے۔ لیکن آج مفتی صاحب ان صفوں میں ہیں جن کا براہ راست تعلق سامراج کی حاشیہ بردار طاقتوں سے ہے، ورنہ مفتی محمود صاحب کے لئے افغانستان کے اندر کی صورتحال جاننا کوئی مشکل کام نہیں،

دوسرا باب

انقلاب کیسے برپا ہوا

نور محمد ترکئی ـــــ صدر جمہوریہ افغانستان

انقلاب افغانستان کی اہمیت

صالح محمد زائری ـــــ رکن مرکزی کمیٹی خلق پارٹی

افغانستان ـــــ ماضی سے انقلاب تک

اجمل خٹک ـــــ جنرل سیکرٹری کالعدم نیشنل عوامی پارٹی

انقلابِ افغانستان کے چشم دید واقعات

عالمی منظر پر رونما ہونے والی اہم ترین تبدیلیوں کے بارے میں جناب نور محمد ترہ کئی سیکرٹری جنرل سنٹرل کمیٹی پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی آف افغانستان نے ۲۷ نومبر ۱۹۷۸ء کو سنٹرل کمیٹی کے ایک اعلیٰ سطح کے اجلاس میں رپورٹ پیش کرتے ہوئے ان الفاظ میں اظہارِ خیال کیا تھا۔

"دن بہ دن سوشلزم کو فتح نصیب ہو رہی ہے۔ دنیا بھر میں قومی تحریکوں کو تقویت مل رہی ہے اور امپریلزم متواتر دم توڑ رہا ہے۔ اقوام متحدہ میں دن بہ دن سوشلسٹ ممالک کا مؤقف مضبوط ہو رہا ہے۔ لاطینی امریکہ، افریقہ اور ایشیا کے عوام کی قومی آزادی کی تحریکوں کو مزید حمایت حاصل ہو رہی ہے اور امپریلزم کا قافیہ تنگ ہو رہا ہے۔"

جناب نور محمد ترہ کئی نے افغانستان میں ثور انقلاب کی کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے ایشیا کے تمام خطوں میں امپریلزم کی ناکامی کا ذکر مذکورہ بالا رپورٹ میں یوں کیا تھا۔

"افغانستان میں ثور انقلاب کی کامیابی نے امپریلزم کو مایوس کر دیا ہے۔ بحرِ ہند میں امپریلزم کو مزید رسوائی ہو رہی ہے۔ امپریلزم انڈونیشیا کی چودھراہٹ کے ذریعے جزائر میں تحریکوں کو نہیں دبا سکا۔ سامراجیوں میں مقابلہ شدید ہو رہا ہے۔ مشرقِ بعید میں عوامی جمہوریہ افغانستان نے جنوبی کوریا کو سرکاری طور پر تسلیم کر لینے کا فیصلہ واپس لے کر سامراج کی شکست کے عمل کو تیز کر دیا ہے سب سے زیادہ اہم بات بہادر ویت نام کی ان چند ہمسایہ ممالک کی سازشوں کے خلاف کامیابی کے آثار ہیں۔ جن سے امپریلزم کے ساتھ ان مشترکہ محاذ کا راز فاش ہو گیا ہے۔"

مشرقِ وسطےٰ کی تازہ ترین صورتِ حال کے بارے میں کامریڈ نور محمد ترہ کئی نے اپنی اسی رپورٹ میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے عرب ممالک کو امپریلزم کی سازشوں سے یوں آگاہ کیا تھا

"مشرقِ وسطےٰ میں جنگ جاری ہے۔ امپریلزم اپنی تمام تر طاقت و قوت کے ساتھ اسرائیل اور عرب رجعت پسندوں کی طرفداری کر رہا ہے۔ امپریلزم ابھی تک بعض ایسے عرب ممالک کو اپنی چودھراہٹ منوانے میں کامیاب ہو چکا ہے جو کل تک اسرائیل کی جارحیت کا شکار رہتے اور اب انہیں عرب مفادات کے خلاف صف آرا کیا جا رہا ہے کیمپ ڈیوڈ مذاکرات نے ترقی پسند قوتوں اور عربوں کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔"

جناب نور محمد ترہ کئی نے افریقہ میں امپریلزم کی مداخلت کاریوں کا ذکر کرتے ہوئے سنٹرل کمیٹی کے ارکان کو یوں آگاہ کیا۔

"افغانستان میں ثور انقلاب نے مشرقِ وسطےٰ کی رجعت پسند قوتوں اور امپریلیزم کو باہم متحد کر دیا ہے افریقہ میں امپریلیزم کی جارحیت اپنی پوری طاقت کے ساتھ بدستور جاری ہے۔ اگرچہ افریقہ انگولا، ایتھوپیا، موزمبیق اور دیگر چند تحریکوں نے دنیا بھر کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی ہے تاہم امپریلیزم کے اجارہ دارانہ ذرائع افریقہ میں مسلسل اپنی جارحیت جاری رکھے ہوئے ہیں اور بعض سوشلسٹ ممالک کے خلاف بھی امپریلیزم کی ریشہ دوانیاں جاری ہیں یورپ میں سوشلسٹ کیمپ کی شاندار کامیابیوں کے باوجود سامراج دنیا کے خلاف سازش تیار کر رہا ہے اور مہلک ہتھیاروں پر پابندی کے معاہدے کے راستے میں رخنے پیدا کر رہا ہے۔

ایران کی اندرونی صورتِ حال اس خطے کے ان قابلِ توجہ واقعات میں شامل ہے جن میں امپریلیزم کا ہاتھ بہت صاف دکھائی دیتا ہے۔ وہاں پریشان کن بغاوت جاری ہے۔ ایران میں امپریلیزم کی براہِ راست مداخلت نے اس خطے میں مزید خطرہ پیدا کر دیا ہے جس پر تمام امن دوستوں کی توجہ مرکوز ہے۔

صدر اور وزیر اعظم افغانستان جناب نور محمد ترہ کئی نے ہند چینی کے بارے میں چین کا نام لئے بغیر اس کی مذمت کی اور ویت نام کے بہادر عوام کی حوصلہ افزائی ان الفاظ میں کی تھی۔

"ہند چینی میں بہادر ویت نام کی فتح اور متحدہ سوشلسٹ ویت نام کا قیام امپریلیزم پر ایک ضرب کاری تھا۔ کمبوڈیا کی آزادی تمام دوستوں کے لئے باعثِ مسرت تھی۔ لیکن مقامِ افسوس ہے کہ یہ بہت جلد غلط پالیسی کا شکار ہو گیا اور بعض ہمسایہ ممالک کے لیڈروں کے ساتھ بہادر ویت نام کے خلاف ایک محاذ میں شریک ہو گیا جو مکمل طور پر سامراج کی دلی خواہشات کے عین مطابق ہے"۔

جناب نور محمد ترہ کئی نے اپنی رپورٹ میں واضح طور پر اعلان کیا کہ:۔

"افغانستان کے ثور انقلاب کا پشتونوں اور بلوچوں پر گہرا اثر پڑا ہے اور پشتون اور بلوچ فیصلہ کن انداز میں عوامی جمہوریہ افغانستان کی حمایت کر رہے ہیں"۔

اندرونِ ملک کیا ہوا؟

یہ حقیقت ہے کہ جب افغانستان میں انقلابِ ثور کامیابی سے ہمکنار ہوا تو اندرون ملک اور بیرون ملک افغان عوام کے دشمنوں کی نیندیں حرام ہو گئیں۔ انہوں نے ہر سازش، داؤ پیچ آزمانے کا مصمم ارادہ کر لیا تاکہ انقلاب ثور کو سبوتاژ کیا جا سکے بعض مقامات پر ضلعی سپاہیوں پر مسلح حملے کئے گئے۔ بعض مقامات پر ضلعی محافظ دستوں نے علاقے کے عوام کے تعاون کے ساتھ ان پر کاری ضربیں لگائیں اور ان کا صفایا کر دیا اگرچہ حالات بدستور خلقی ریاست کے قابو میں ہیں تاہم یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ جب تک دشمن موجود ہے وہ کبھی بھی دوبارہ یہی ہتھکنڈے استعمال کرنے پر اتر سکتا ہے۔ جناب نور محمد ترہ کئی نے کہا افغان عوام خلقی ریاست اور انقلاب ثور نے ان دشمنوں کے چہرے سے اب پردہ اٹھا دیا ہے۔ انہوں نے اپنی رپورٹ سنٹرل کمیٹی کے سامنے پڑھتے ہوئے ۲۷ دسمبر

۱۹۷۸ء کو ان الفاظ میں کہا تھا۔

"مختلف شہادتوں، مثال کے طور پر ہتھیاروں، مطبوعات، خطوط، اقرار ناموں اور اس قسم کی دیگر باتوں سے یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ سامراجی ممالک بائیں بازو کے انتہاپسندوں اور اس خطے کے رجعت پسندوں کا ہماری خلقی ریاست کے خلاف سازشوں میں بہت زیادہ حصہ ہے۔ لیکن یہ بات ہمارے لئے فخر کا باعث ہے کہ خلقی مسلح افواج انقلاب کے دفاع کے لئے پوری طرح سے تیار ہیں"

ڈیئر کامریڈو! آپ کی خلقی ریاست صرف انقلاب کے دفاع کے لئے ہی پوری طرح تیار نہیں بلکہ یہ مختلف سازشوں کو جو ہماری پارٹی اور انقلاب کے خلاف کی جا رہی ہیں۔ ان کو بے نقاب کرنے اور کچلنے کی پوری صلاحیت بھی رکھتی ہے اس وقت امراء اور اوپری طبقے کے باقیات، بائیں بازو کے انتہاپسند، اخوانی، کوتاہ اندیش اور اقتدار کے پجاری قوم پرست اور دیگر رجعت پسند عناصر نے سامراج کے ساتھ خلقی حکومت کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرلیا ہے اور ایک جانے پہچانے رجعت پسند ملک کے اندر بیٹھ کر ہمارے انقلاب کے خلاف جدوجہد کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔

اس پوری جدوجہد کے دوران میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ میں مختصراً اس سازش سے آپ کو آگاہ کردوں جو ہمارے دشمنوں نے تیار کی تھی جس میں سامراج بنیادی رول ادا کر رہا ہے۔

جدوجہد میں مصروف رفیقو! آپ سب کو علم ہے کہ ہمارے ثور انقلاب کی کامیابی کا سہرا ہمارے خلقی عوام کے انقلابی عزم اور خلقی جماعت کی دانشمندانہ قیادت کے سر ہے کہ جیسے ہی یہ اپریل انقلاب اپریل کی ستائیس کو بپا ہوا تو اسی کے ساتھ ہی انقلاب کے خلاف سازشیں بھی شروع ہو گئیں اور سامراج مصروفِ عمل ہو گیا۔

انقلاب کی کامیابی کے بعد کابل میں مقیم سامراجی ذرائع نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے اپنا رابطہ جاری رکھا۔ سیکورٹی کے انچارج لوگوں کو اس کی اطلاع مل گئی لیکن انہوں نے مثبت دستاویزات کو حاصل کرنے کی کوششیں شروع کردیں جوں جوں دن گزرتے گئے اطلاعات و معلومات میں اضافہ ہوتا گیا حتیٰ کہ بعض ایسی دستاویزات سیکورٹی کے عملہ کو ہاتھ لگ گئیں جن سے یہ پتہ چلا کہ بعض پارٹی کامریڈ بھی ببرک کارمل، قادر اور دیگر لوگوں کی زیر قیادت اس سازش میں ملوث ہیں۔

یہ بات بالخصوص قابلِ ذکر ہے کہ قادر پارٹی کے اتحاد سے بھی پہلے ہمارے ساتھ شامل ہوا تھا۔ اس کا ببرک کارمل جیسے بائیں بازو کے انتہاپسندوں اور تنگ نظر قوم پرستوں کے ساتھ رابطہ پہلے ہی سے قائم تھا لیکن اس کے باوجود ان مذکورہ بالا لوگوں کو اپنی اصلاح کا موقعہ دیا گیا چنانچہ ببرک کارمل کو پراگ، نور محمد نور کو واشنگٹن، وکیل کو لندن، اناہیتہ کو بلغراد، نجیب کو تہران اور محمود بریالائی کو پاکستان میں سفیر مقرر کیا گیا لیکن چونکہ سازش کے سلسلے میں جو دستاویزات افغان حکومت کے ہاتھ آئیں ان میں قادر، میر علی اکبر اور شاہ پور

سازش میں براہِ راست ملوث تھے اس لئے اِن تینوں کو گرفتار کر لیا۔ ان ہی دستاویزات سے دو اور اشخاص سلطان علی کشتمند اور رفیع کا کردار بھی منظرِ عام پر آیا چنانچہ ان کو بھی فوری طور پر گرفتار کر لیا گیا۔ علاوہ ازیں طاہر بدخشانی اور دیگر رجعت پسندوں نے بھی سامراجی جاسوسوں کی ہدایات کے مطابق سازش میں حصہ لیا۔ جنہیں معاف کر دینا انقلابِ ثور سے غداری کے مترادف تھا۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ جو لوگ اس سازش میں براہِ راست طور پر ملوث تھے اور جنہوں نے انتہائی فعال کردار ادا کیا تھا انہیں گرفتار کر لیا جائے چنانچہ سب سے پہلے ان تمام مذکورہ بالا سفیروں کو ہدایت کی گئی کہ وہ فوری طور پر اپنے وطن واپس آجائیں وہ نہ صرف وطن واپس نہ آئے بلکہ انہوں نے سفارت خانوں کے مال و اسباب کو لوٹنا شروع کر دیا جناب حفیظ اللہ امین جو ان ہی دنوں خلق پارٹی کے سیکرٹری چنے گئے انہوں نے ان واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ سائنسی اصولوں کے مطابق نئے انقلابی مرحلے پر طبقاتی خصوصیات کا خاتمہ نہیں ہوا بلکہ یہ منظرِ عام پر آگئی ہیں یہی بات چند پارٹی کارکنوں کے بارے میں بھی صحیح ہے جو پارٹی اور ریاست کے خلاف سرگرمِ عمل ہیں اور سازشوں میں ملوث ہیں یہ لوگ پارٹی میں تفرقہ بازی پیدا کر رہے ہیں" افغان حکومت کے خفیہ سراغرساں اداروں کی معلومات کے مطابق ببرک کارمل کی قیادت میں خلق پارٹی کا ایک حصہ پرچم کے نام سے اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔

افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے سیکرٹری جنرل جناب نور محمد ترہ کئی کی طرف سے رپورٹ کے بعد اعلےٰ سطحی اجلاس منعقدہ ۲۷ نومبر ۱۹۷۸ء میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ سنٹرل کمیٹی کے سات ارکان اور انقلابی کونسل کے دو ارکان ببرک کارمل، نور محمد نور، سلطان علی کشتمند، ڈاکٹر انتہہ راتب زاد، محمود بار یالائی، وکیل ڈاکٹر نجیب، قادر اور رفیع جنہوں نے عظیم ثور انقلاب، عوامی جمہوریہ افغانستان اور ہمارے عظیم عوامی جمہوری پارٹی کے خلاف مکارانہ سازش کی تھی۔ ان میں سے چھ اپنے وطن واپس نہ آتے چنانچہ انہیں ان کے اعمال کے بدلے میں افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی سے خارج کیا جاتا ہے۔

سنٹرل کمیٹی کے چار ارکان کامریڈ نظام الدین تہذیب کامریڈ ماجد سربلند کامریڈ سرور عریش اور کامریڈ فدا محمد دل نشین جو غیر قانونی سرگرمیوں کے مرتکب ہوئے ان کی سنٹرل کمیٹی سے تنزلی کر دی گئی ہے اور اب وہ صرف پارٹی کے امکانی رکن رہیں گے تاکہ وہ پارٹی کی پالیسی "تنقید خود تنقیدی" کے تحت اپنی اصلاح کر سکیں زمین کے متعلق انقلابی کونسل کے حکنامہ نمبر ۸ جو حکومت عوامی جمہوریہ افغانستان نے مرتب کیا تھا اس کی منظوری دی گئی اور انقلابی کونسل کی توثیق کے بعد اس پر عملدرآمد کیا جائے گا۔

علاوہ ازیں دو اور ببرک کارمل کے رفقائے کار کامریڈ برق شفائی اور سلیمان لیئق نے سازش بے نقاب ہونے کے بعد رضاکارانہ طور پر سنٹرل کمیٹی کی پولٹ بیورو کی رکنیت سے مستعفی ہونے کی درخواست کی جنہیں منظور کر لیا گیا اور ان کی خواہش کے مطابق انہیں صرف سنٹرل کمیٹی کا رکن بدستور رہنے دیا گیا ::

افغانستان ایک قدیم ملک ہے جس کی تاریخ تقریباً تین ہزار برس پرانی ہے۔ عظیم کشن ریاست کے زوال کے بعد یہاں غلام داری نظام کی جگہ جاگیرداری نظام قائم ہوا جو آج سے تقریباً پندرہ سو برس پہلے کی بات ہے۔ اس طویل دور میں عوام آزاد نہیں تھے کیوں کہ ان کے پاس نہ کوئی پارٹی تھی اور نہ ہی کوئی نظریہ اور تنظیم جو ان کی قسمت بدلنے میں مدد کرتے۔

۱۸۳۸ء میں برطانوی سامراج نے پہلی بار ہمارے ملک پر حملہ کیا لیکن جارحیت کا منہ توڑ جواب دیا گیا اور برطانیہ کو شکستِ فاش ہوئی لیکن چونکہ افغانستان برطانیہ کے نزدیک کافی اہمیت کا حامل تھا وہ انڈین کالونی کو اپنے ماتحت رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ برطانیہ نے (۸۰-۱۸۷۹ء) کے درمیان دوبارہ افغانستان پر حملہ کر دیا حملہ آوروں کو ایک بار پھر شکست فاش ہوئی اور انھیں یقین ہو گیا کہ وہ ہمارے بہادر عوام کو براہِ راست محکوم نہیں بنا سکتے۔

تاہم بادشاہوں اور جاگیرداروں نے مختلف ردِ عمل کا اظہار کیا۔ ۱۸۷۹ء میں برطانوی سامراج نے امیر یعقوب خان کو برطانیہ کے ساتھ ایک مکارانہ معاہدے پر دستخط کرنے کی ترغیب دی جس کے تحت اسے سالانہ چھ لاکھ روپے کی امدادی رقم دی جائے گی۔ اس کے تقریباً چالیس برس سے زائد عرصے تک افغانستان پر افغان بادشاہ حکومت کرتے رہے لیکن یہ برطانیہ کا محتاج ہو گیا۔

جب روسی پرولتاریہ نے عالمی سامراج کے سلسلے کی کمزور کڑی کو توڑ دیا اور کامیاب سوشلسٹ انقلاب بپا کیا تو اس واقعے کا عام ایشیا بالخصوص افغانستان پر خاطر خواہ اثر پڑا۔ ہمارے عوام نے تیسری بار برطانوی سامراج کے خلاف جدوجہد کا آغاز کیا اور ۱۹۱۹ء میں قومی آزادی سے ہمکنار ہوئے۔

اب افغانستان اپنی اقتصادی آزادی اور قومی خود مختاری کو مستحکم بنا سکتا تھا لیکن برطانوی سامراجیوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ اب وہ انڈیا پر قبضہ برقرار نہیں رکھ سکتے۔ انھوں نے بادشاہ امان اللہ خان کو تخت سے اتار کر اس کی جگہ اپنے ایک وفادار غلام نادر خان کو مسندِ بادشاہت پر بٹھا دیا۔ بادشاہ نادر خان نے ان مجاہدین کو چن چن کر قتل کروا دیا جو برطانوی غلبے کے خلاف تھے دہشت و بربریت کی انتہا یہاں تک جا پہنچی کہ بالآخر ایک محبِ وطن نے اسے قتل کر دیا۔ بعد ازاں حکمرانوں نے موقع محل کی مناسبت سے مختلف حیلوں بہانوں سے حکومت کی۔ بعض اوقات جمہوریت کی اجازت دی لیکن "نیشنل ڈسپلن" کے نام پر ہڑتالوں اور مظاہروں کی مذمت کی کیونکہ قومی معیشت کے لیے یہ باتیں "اچھی نہیں تھیں"۔ حقیقت یہ ہے "نیشنل ڈسپلن" سے ان کی مراد "مکمل مطلق العنانی" تھی۔

تاہم مطلق العنانی کا دور بھی افغانستان کو عالمی تبدیلیوں سے الگ تھلگ نہ رکھ سکا نئے نظریات اور اثرات ایک مضبوط سوشلسٹ کیمپ کے معرض وجود میں آنے کے بعد دنیا میں ہر جگہ مستحکم ہو رہے تھے۔ نوآبادیاتی نظام دم توڑ رہا تھا اور درجنوں کی تعداد میں آزاد و خود مختار ریاستیں قائم ہو رہی تھیں لیکن افغانستان میں نوشاہی جاگیردار قوتوں نے بورژوا آئیڈیالوجی اور بورژوا طبقے تک کے ارتقا اور فروغ کی بھی سخت مخالفت کی کیونکہ انھیں ڈر یہ تھا کہ کہیں ان بین الاقوامی تبدیلیوں کے زیر اثر انقلابی اور اپوزیشن موومنٹ زیادہ تیز نہ ہو جائے۔ ان دنوں بورژوا پارٹیوں کے قیام کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نتیجتاً افغانستان میں نہ تو کسی بورژوا تحریک کا وجود عمل میں آیا اور نہ ہی یہاں بورژوا نظریات ہی بنپ سکے لیکن انقلابی اور ترقی پسند دانشور جو دنیا میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا بہ نظر غائر مطالعہ کر رہے تھے وہ محنت کش طبقے کی آئیڈیالوجی کی طرف مائل ہونا شروع ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ افغانستان میں مروجہ جاگیردارانہ آئیڈیالوجی پرولتاریہ کی آئیڈیالوجی کا مقابلہ نہ کر سکی اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں افغان نوجوان اس پرولتاری تحریک سے وابستہ ہونے لگے۔

سائنٹیفک نظریات سے لیس ہو کر انقلابیوں نے آزادی کے بعد کی ملکی صورت حال کا جائزہ لینا شروع کیا، اگرچہ ہمارے ہاں قومی تعطیلات ہوا کرتی تھیں۔ ہمارا قومی پرچم تھا اور ہمیں بین الاقوامی طور پر ایک خود مختار اور آزاد ملک تسلیم کیا جا چکا تھا۔ لیکن پھر بھی ہمارا ملک آزاد نہیں تھا حتیٰ کہ ہماری سیاسی آزادی محدود ثابت ہوئی ہمارے عوام بالواسطہ طور پر نوآبادیاتی نظام کا شکار رہے، انھیں زنجیروں میں جکڑا گیا تھا بلکہ ان کے گلے ریشمی رومال سے بندھے ہوئے تھے۔ اس کے اثرات انتہائی تباہ کن تھے۔ فی کس آمدنی دنیا بھر کے مقابلے میں سب سے کم تھی (تقریباً ۸۰ ڈالر سالانہ) اور عوام کی پیداوار کا زیادہ حصہ سامراجی ہتھیا لیتے تھے۔

اپنے وطن اور عوام پر نازاں چند ایک محب وطن لوگوں نے پس ماندگی اور ظلم و تشدد کے تلخ حقائق پر احتجاج کیا جنہیں نوآبادیاتی حکمران اپنے براہ راست قبضے میں کبھی نہیں لے سکے تھے۔ بالآخر انقلابی اس نتیجے پر پہنچے کہ انھیں اپنے ملک کے مستقبل کے نام پر حب الوطنی کی تحریک چلانی چاہیئے لیکن کسی تنظیم کے بغیر یہ کام پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

ہم نے جنوری ۱۹۶۵ء میں اپنی پارٹی قائم کی۔ اس پارٹی کے قیام کے لیے تقریباً ۱۸ مہینے تک ہماری تیاریاں جاری رہیں۔ ہمارے قائد کامریڈ نور محمد ترہ کئی نے حالات کا گہرا تجزیہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ایک نئی قسم کی پارٹی افغانستان میں قائم کی جا سکتی ہے جو محنت کش طبقے کی سائنٹیفک آئیڈیالوجی سے رہنمائی حاصل کرتی ہو۔ اس کی کانگرس خود ان کے اپنے گھر منعقد ہوئی جہاں افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ پارٹی کے قیام کے ضمن میں ہم نے ظاہر شاہ کے دور میں آئین کی ایک دفعہ سے فائدہ اٹھایا تھا جس کے تحت پارٹیوں کی تشکیل کے لیے اجازت دی گئی تھی لیکن یہ حقیقت ہے کہ حکام نے ہمیں روکنے کی انتہائی کوشش کی۔

پارٹی نے کام کرنا شروع کر دیا۔ ہم بنیادی طور پر مظاہروں اور سیاسی ہڑتالوں کے ذریعے جدوجہد کرتے رہے اور محنت کش طبقے کی آئیڈیالوجی کا پروپیگنڈہ کرتے رہے ہم نے یوم مئی کی طرح تمام قومی اور بین الاقوامی تعطیلات منائیں جن سے رائے عامہ کو ہموار کرنے اور ترقی پسند افکار کو فروغ دینے میں مدد ملی۔

پارٹی کے کام کے لیے حالات انتہائی مشکل تھے، یہ درست ہے کہ ظاہر شاہ نے اپنے آپ کو جمہوریت پسند کے

طور پر اجاگر کیا لیکن جس کی وجہ سے ہم نے بلا روک ٹوک مظاہرے کئے۔ لیکن ہمارے کامریڈوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا، انھیں ملازمت سے نکال دیا گیا انھیں پابند سلاسل کر دیا گیا اور انھیں جیلوں اس طرح قتل کر دیا گیا کہ انکی خبر ملک میں کہیں ہوئی اور نہ ہی باہر کسی کو کچھ معلوم ہوا۔ لوگوں کو بمشکل ہی معلوم ہوگا کہ ان دنوں افغانستان میں عوامی جمہوری پارٹی ان مشکلات کے باوجود اپنا کام کرتی رہی۔

لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا ہماری سرگرمیاں عوام الناس کے علم میں آتی گئیں۔ بالآخر انقلابی محب وطن قوتوں پارٹی کے زیر قیادت جد وجہد نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ اس فرسودہ حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔ یہ بات مد نظر رکھتے ہوئے کہ نہ تو پرانی ڈگر پر آگے بڑھا جا سکتا ہے اور نہ ہی روز افزوں عوامی تحریک کے ساتھ نمٹا جا سکتا ہے۔ حکمران گروہ کے ایک حصے نے سردار داؤد اور اس کے خاندان کی قیادت میں ظاہر شاہ کا تختہ الٹ دیا اور بادشاہت کے خاتمے کا اعلان کر دیا لیکن بعد کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حملہ درحقیقت ترقی پسند قوتوں اور ہماری پارٹی کے خلاف تھا۔

ایک مطلق العنان اور خود سر انسان سردار داؤد نے "انقلابی" زبان استعمال کرنا شروع کر دی اور مقابلتاً ترقی پسند پروگرام کا اعلان کر دیا جس کی ترقی پسند قوتوں نے حمایت کی مثال کے طور پر اس نے متحدہ محاذ کے قیام کی تجویز پیش کی ہم نے اس میں شمولیت کا فوراً اعلان کر دیا لیکن ان میٹھی میٹھی باتوں اور "انقلابی" زبان کے پس پردہ جمہوریت دشمنی کے عزائم پوشیدہ تھے۔ پانچ برس تک داؤد برسر اقتدار رہا لیکن اس نے اقتصادی و سماجی ترقی کے لیے کوئی کام نہ کیا اسے بادشاہت سے ورثے میں ملنے والی مطلق العنانی کا جو نظام ملا وہ ابھی تک بدستور قائم تھا، ماضی کی طرح حکومت سیاسی اقتدار کو ظالموں اور استحصالیوں کے حق میں استعمال کرتی رہی اس کی وجہ بھی سمجھ میں آسکتی ہے کہ سرکاری حکام نے "انقلاب" اور "آزادی" کے متعلق باتیں کرتے ہوئے ان دونوں کو کچلنے کی طرف قدم اٹھانے میں کوئی دیر نہ کی۔

داؤد حکومت نے سیاسی آزادیاں منسوخ کر دیں اور ہر قسم کے مظاہروں اور ہڑتالوں پر پابندی لگا دی، اس نے تمام پارٹیوں کو ماسوائے "نیشنل ریوولوشن پارٹی" کے جو سراسر انقلاب دشمن اور قوم دشمن پارٹی بھی خلاف قانون قرار دے دیا اس صورت حال نے ہمیں احتیاطی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ تقریباً ساڑھے تین برس کے نیم آئینی وجود کے بعد افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی نے پبلک سرگرمیوں سے اجتناب کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ ایک دفعہ پھر ہم نے پمفلٹوں اور ٹائپ شدہ اشتہاروں کے ذریعے اپنی حالیہ پالیسی کو پھیلایا۔

داؤد ۱۹۷۵ء کے بعد ہم نے مسلح افواج میں اپنے کام کو تیز کر دیا، ہماری پارٹی لیڈر شپ نے ہمیشہ ان پر بہت زیادہ توجہ دی۔ پارٹی نے ہمیشہ باوردی کامریڈوں کو تعلیم دی انھیں سیاسی اور نظریاتی طور پر شعور بخشا۔ یہ کام اس معیشت کے پیش نظر اور بھی آسان ہو گیا کہ زیادہ تر افسر طبقاتی لحاظ سے کسانوں یا مزدوروں کے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور ماسوائے چند ایک کے، وہ اپنی سماجی بنیادوں کے باوصف حکمران طبقے کے ساتھ وابستہ نہیں تھے۔ اس طبقے کے ارکان فوجی ڈسپلن قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے جس میں سخت پابندیاں تھیں کسی فیوڈل لارڈ کا بیٹا جرنیل کی زندگی کے بجائے گورنمنٹ یا سرکاری ملازمت کا خواہش مند تھا۔ وہ کابینہ کا وزیر یا سفیر بننے کو ترجیح دیتا تھا تاکہ مغربی یورپ یا امریکہ میں اعلیٰ قسم کی زندگی گزار سکے۔ لیکن معمولی خاندانوں سے تعلق رکھنے والے افسران

کی حالت ایسی نہیں تھی، وہ عوام کی امنگوں کا احترام کرتے ہوئے بخوشی پسند کرتے ہوئے پارٹی میں شامل ہوگئے۔ اس کی آئیڈیالوجی کو سوسائٹی کے ایک منظم حصے کے رکن ہونے کی حیثیت میں پارٹی ڈسپلن کو قبول کرلیا۔ جوں جوں داؤد حکومت اندرون ملک اور بیرون ملک رجعت پسندوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کرتی گئی، فوج اور سوسائٹی میں غم وغصے اور احتجاج کی لہر تیز ہوتی گئی۔

عوام بغاوت پر تیار تھے ان کا معیار زندگی روز بروز گر رہا تھا۔ لوگ اپنے خاندانوں کو چھوڑ کر ملازمت کے لیے باہر چلے جارہے تھے۔ ملازمت کے لیے صرف ایران جانے والے افغانوں کی تعداد ۱۰ لاکھ سے زائد تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم محنت کشوں کی ایک بہت بڑی تعداد سے محروم ہورہے تھے جو قومی معیشت میں رکاوٹ پر منتج ہوئی۔ سرکاری حکام کا وقار عوام کی نظروں میں گر گیا۔ اور دونوں کے درمیان خلیج اتنی وسیع ہوگئی کہ احکامات اور سرکاری ہدایات کی تعمیل نہ ہوتی تھی۔ سماجی، سیاسی اور اقتصادی حالات جو رُخ اختیار کررہے تھے ان میں یہ حقیقت کافی اہمیت کی حامل ہے کہ ہم تیرہ چودہ برس تک عوامی تحریک کی راہنمائی کرتے رہے۔ انقلاب کے موقعے پر ہمارے پچاس ہزار پارٹی ورکر اور ہمدرد ایک بہت بڑی موثر طاقت تھے جس کے خیال سے ہی حکام بالا کو خوف آنے لگتا تھا، چنانچہ حکومت نے ہمارے کارکنوں کے خلاف ظلم وتشدد کا آغاز کردیا، عوام کے نمائندہ رہنما جیلوں میں بند کردیے گئے اور بعض کو موت کی آغوش میں دھکیل دیا گیا۔

ہم نے محسوس کیا کہ اب حکومت پی ڈی پی اے کی لیڈر شپ اور پارٹی لیڈر نور محمد ترہ کئی کے ساتھ بھی برسر پیکار ہونے کو ہے چنانچہ کامریڈ نور محمد ترہ کئی نے ابتدا میں ہی ہمارے کامریڈوں اور مسلح افواج میں موجود دوستوں کو متنبہ کردیا تھا کہ وہ ان کی گرفتاری کو داؤد ٹولے کے خلاف کارروائی کا سگنل سمجھیں۔ جب افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے ارکان اور بنفس نفیس خود کامریڈ نور محمد ترہ کئی کو جیل بھیجا گیا یا اپنے گھروں میں نظر بند کیا گیا تو پارٹی اور ملک کے لیے تباہ کن خطرہ کھل کر سامنے آگیا، گرفتاری ایک واضح اشارہ تھی، پلان اور کامریڈ ترہ کئی کی ہدایات کے مطابق ایک پارٹی لیڈر کامریڈ حفیظ اللہ امین نے افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کے زیر قیادت انقلابی حملے کے آغاز کا حکم دے دیا۔ یہ آپریشن اتنا منظم تھا کہ یہ دن دھاڑے کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ اس میں بہت مختصر عرصہ لگا۔ صرف دس گھنٹے، اور اس میں بہت کم جانی نقصان ہوا۔

سامراجی پریس کی الزام تراشی کہ یہ کوئی فوجی coup نہیں تھا۔ بلکہ یہ ایسا انقلاب تھا۔ جسے عوام کی اور محب وطن اکثریت کی حمایت حاصل تھی۔

ریڈیو پر انقلاب کی خبر سن کر افغانستان بھر سے ہزاروں لاکھ لوگ نئے عوامی اقتدار کے حق میں مظاہرہ کرتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے۔ لوگوں نے حکومت عوامی جمہوریہ افغانستان کے اعلان کو بڑے جوش خروش کے ساتھ قبول کیا، جس کا مقصد قومی جمہوری انقلاب کے ثمرات کو مستحکم کرنا اور اس کے بنیادی فریضوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا۔

ہمارا انقلاب ایک نئی طرح کا انقلاب تھا، اس نے یہ ثابت کردیا ہے کہ اگر عوام ترقی پسند آئیڈیالوجی پر منحصر کسی تنظیم کو قبول کریں جو کسانوں اور مزدوروں کے بہترین سپوتوں پر مشتمل ہو تو آپ صفوں میں دائیں اور بائیں بازو کی مہم جوئی پرستی کا مقابلہ کرنے کیلئے، باقاعدہ مسلح افواج میں ترقی پسند نظریات کو فروغ کی خاطر کام کررہی ہو بشرطیکہ

فوج میں کسانوں اور مزدوروں کے بہترین سپوت موجود ہوں تو عوام کے بہترین سپوتوں کا انقلاب ہمیشہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ افغانستان میں انقلاب صرف ایک ہی پارٹی نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا تھا جو محنت کش طبقے کی ہراول پارٹی تھی۔ افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کی سنٹرل کمیٹی نے انقلابی کونسل کو قومی معاملات اپنے ہاتھ میں لینے کے اختیارات تفویض کیے تھے۔ جہاں تک بذات خود کونسل اور کونسل کی تشکیل کردہ حکومت کا تعلق تھا۔ انھوں نے سول کمیٹی ہدایات کے مطابق کام کیا۔ پارٹی کے بہترین کارکن حکومت میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں مثال کے طور پر صوبائی گورنر افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی اور سنٹرل کمیٹی کے ارکان ہیں، وہ بذات خود کوئی کام کرنے کے مجاز نہیں ہیں بلکہ وہ تمام کام صوبائی پارٹی کمیٹیوں کی حمایت سے کرتے ہیں جو سرکاری انجمنوں کو گورنر کی منظوری سے اپنی تجاویز بھیجتی ہیں کہ فلاں آدمی کو سرکاری عہدے پر فائز کیا جائے پارٹی اپنی پالیسی کو سرکاری اداروں کے ذریعے آگے بڑھاتی ہے سنٹرل کمیٹی مختلف مسائل حکومت کے سامنے پیش کرتی ہے جو غور و فکر کے بعد مناسب فیصلے کرتی ہے۔

ملک کو متعدد مسائل کا سامنا ہے جو زیادہ تر ہمارے انقلاب کی نوعیت سے پیدا ہوئے ہیں یہ حقیقت ہے کہ یہ انقلاب ایک ایسے معاشرے میں رونما ہوا ہے جہاں سماجی اور اقتصادی لحاظ سے جاگیرداری نظام کا غلبہ تھا یوں ہمارا بنیادی مقصد جہاں تک جلدی ہو سکے جاگیرداری نظام کا مکمل خاتمہ کرنا اور جمہوری تبدیلیاں لانا ہے۔ اس مرحلے پر سب سے بڑا مسئلہ زمین کا ہے جس کے لیے ہمارے انقلاب کو زرعی اصلاحات کی اشد ضرورت ہے۔

زرعی تعلقات اور کاشتکاری میں ہمارا ورثہ کافی پریشان کن ہے، ہمارے ملک میں ۱۴ ملین ہیکٹر قابل کاشت اراضی ہے۔ لیکن ماضی میں صرف ۴.۰۳ ملین ہیکٹر اراضی پر کاشت ہوتی تھی، تقریباً نصف زمین جاگیرداروں کے پاس تھی جو کل آبادی کے ۵ فیصد حصہ ہیں یہی طبقہ آبپاشی اور بیج وغیرہ کی سہولتوں سے بہرہ ور تھا، بے زمین کاشت کاروں کی تعداد کل آبادی کا ۳۶ فیصد حصہ ہے لیکن چھوٹے کسان جن کے پاس ۴ ہیکٹر فی کس اراضی سے کم تھی ان کی تعداد ۴۵ فیصد تھی۔ علاوہ ازیں ملک میں بیس تیس لاکھ خانہ بدوش تھے جو بری طرح سے مصائب برداشت کر رہے تھے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان حالات میں زرعی انقلاب حکمت عملی کے لحاظ سے کافی اہمیت کا حامل تھا چنانچہ اصلاحات کیلئے راہ ہموار کرنا بھی بہت ضروری تھا اس میں کسانوں کی تنظیم کا مسئلہ بھی شامل تھا تاکہ کسان آزادی اور پیش رفت کے ساتھ شمولیت اختیار کریں۔ ہمیں اس قسم کے متعدد مسائل کا سامنا تھا چنانچہ ان مسائل کو حل کرنے کی خاطر ہمارا بنیادی فریضہ یہ بنتا تھا کہ جمہوری زرعی اصلاحات کا نفاذ کیا جائے جو کسانوں کے مفادات کے لیے ان کی براہ راست شمولیت پر منتج ہو۔

انقلابی حکومت نے حکمنامہ نمبر ۶ کا اعلان کر کے زرعی تبدیلیوں کی طرف پہلا قدم اٹھایا جس کے تحت بے زمین اور چھوٹے کسانوں کے قرضے اور سود معاف کر دیئے جو انھوں نے جاگیرداروں اور زمینوں کو ادا کرنے تھے۔ چنانچہ دیہاتی محنت کشوں نے گروی شدہ زمینیں دوبارہ حاصل کر لیں۔ تقریباً ۱۱.۵ ملین بے زمین کسانوں اور چھوٹے کسانوں کو سود خوروں کے بوجھ سے نجات مل گئی۔

جس طرح عوام نے اس کلمنامے کی حمایت کی وہ بذاتِ خود اس بات کا ثبوت تھا کہ ہماری پارٹی اور ریاست ان کے مفادات کی خاطر کس طرح کام کر رہی ہے۔ دریں اثنا افغانستان کے دیہاتی علاقوں میں طبقاتی جدوجہد تیز ہو گئی جس سے کسانوں کو منظم کرنے کا راستہ ہموار ہو گیا۔

ہم نے کسانوں کی امدادِ باہمی کی خاطر کوآپریٹو اور فنڈز قائم کیے جہاں سے کسان امداد حاصل کر سکتے تھے اور جو کوآپریٹو کے ممبر ہوئے تھے وہ زرعی بنکوں سے امداد حاصل کر سکتے تھے۔

انقلاب قومی مسئلے کو حل کرنے کے لیے بھی کام کر رہا ہے ہم نے اپنے ملک میں آباد تمام تر عوام پشتون، تاجک، ازبک، ہزارہ اور اس کے دیگر لسانی گروہ وغیرہ کے لیے مساوی حیثیت کا اعلان کیا ہے۔ ہماری پارٹی کی اس سلسلے میں پالیسی پہلے ہی واضح ہے۔ ہم پہلے ہی سے تمام قسم کے قومی جبر و تشدد کے خلاف ہیں، ہر ایک کو اپنی قومی زبان استعمال کرنے اور ثقافت کے فروغ کا حق دیا گیا ہے۔

چنانچہ ہم اس پروگرام پر عملدرآمد کر رہے ہیں۔ قبل ازیں ازبک آبادی کا اپنی زبان میں کوئی اخبار شائع نہیں ہوتا تھا پشتون ہزارہ تاجک، ازبک اور دیگر تمام قومیتیں افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کی سنٹرل کمیٹی اور گورنمنٹ کے دوش بدوش کام کر رہی ہیں وہ حکومت کی پوزیشن کو سب سے اعلیٰ تصور کرتے ہیں۔ افغان عوام کے کلچر کا ذرائع ابلاغِ عامہ کے ذریعے پرچار کیا جاتا ہے۔

ہم نے کہا ہے کہ ہم اسلام کے اصول کا احترام کرتے ہیں اور کسی آدمی کو مذہبی فریضوں کی ادائیگی سے نہیں روکتے ہم کسی آدمی کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے۔ ہمیں تمام ایمان داروں اور مذہبی لوگوں کی پشت پناہی حاصل ہے۔ ان کے راہنماؤں کی طرح وہ کہتے ہیں کہ حکمنامہ نمبر ۶ کسانوں کے قرضے معاف کرنے کے بارے میں درحقیقت ایک مذہبی کارنامہ ہے۔ انھوں نے مسجدوں میں اپنی دعاؤں سے اس کی حمایت کی ہے یہ لوگ امپیریلزم اور رجعت پسندی کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں رکھتے لیکن جو لوگ ایسے ہیں ہماری پارٹی کی پالیسی ان کے خلاف ہے۔ وہ ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے کیونکہ عوام ان کے ساتھ نہیں ہیں۔ اور حکومت کو عوام اور مسلح افواج بے پناہ حمایت حاصل ہے۔ جہاں پارٹی کا اثر و رسوخ ناقابلِ تسخیر ہے۔

الغرض انقلاب کے بعد اقتصادی اور سماجی ترقی کے بارے میں چند الفاظ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں ہمارا پنج سالہ منصوبہ ۱۹۷۹ء کی پہلی سہ ماہی سے نافذ العمل ہے اور صنعتی منصوبوں کے بارے میں کام ہو رہا ہے جب سے عوامی حکومت قائم ہوئی ہے اقتصادی مسائل کو حل کرنے کی خاطر کافی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ دیگر چند ایک امور کے علاوہ کوئلے کی پیداوار میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ اور آئل اور گیس کی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے ہم نے ۱۱۰ نئے سکول قائم کیے ہیں اور دس لاکھ سے زائد نصابی کتابیں چھاپ کر تقسیم کی ہیں تقریباً ۶۰ لاکھ افغان تعلیم بالغاں کے ذریعے علم حاصل کر رہے ہیں۔ ہم نے خوراک اور دیگر اشیائے خوردنی کی قیمتیں کم کر دی ہیں۔ اور چھوٹے درجے کے ملازمین کی تنخواہیں بڑھا دی ہیں، اوقاتِ کار کم کر دیے ہیں اور زیادہ لوگوں کو روزگار مہیا کیے ہیں۔

ہمارا سب سے بڑا مقصد محنت کش انسان کی بہتری ہے کیونکہ اسی کے نام اور اسی کی بھلائی کی خاطر یہ انقلاب برپا کیا گیا تھا۔ ہم نے مسلسل ۱۵ برس تک یہ اعلان کیا تھا کہ ہم محنت کش طبقہ کی ہراول پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں، آج ہم یہ دعویٰ اپنے اعمال سے صحیح ثابت کر رہے ہیں۔

اجمل خٹک پاکستان کی سیاست میں ایک نامور شخصیت کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں ۔ وہ نیشنل عوامی پارٹی کے جنرل سیکرٹری تھے۔ جب لیاقت باغ کا سانحہ پیش آیا اور وہاں بھٹو دورِ حکومت میں ۲۳ مارچ کو منعقد ہونے والے جلسۂ عام کو گولیوں کی زد میں رکھ لیا گیا، اس جلسے میں اجمل خٹک بھی دوسری نیشنل عوامی پارٹی کے لیڈروں کے ہمراہ شریک ہوئے۔ لیکن اس کے بعد وہ افغانستان چلے گئے اور اب تک وہ وہیں مقیم ہیں۔

ان کا مکتوب بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اولاً یہ ان کے چشم دید حالات پر مبنی ہے، دوئم یہ مفتی محمود کے ان تمام بیانات کی نفی کرتا ہے کہ اس انقلاب میں تیس بتیس ہزار افراد مارے گئے اور یہ ایک "سفاک" انقلاب ہے، یہ "اسلام دشمن" انقلاب ہے، سوئم یہ مکتوب یہ بھی سوال کرتا ہے کہ آخر اجمل خٹک کے دوست اور سابق رہنما خان ولی خان انقلابِ افغانستان کے بارے میں "خاموش" کیوں ہیں۔

اجمل خٹک کا یہ مکتوب میرے دوست مولانا اشفاق مدیر "تذکرہ" نے اپنے رسالے میں آج سے آٹھ نو ماہ پہلے شائع کیا تھا، اس مکتوب کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے۔

افغانستان میں ۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء کے انقلاب کے بارے میں اس کے داعیوں کا کہنا ہے کہ یہ عوام کی امنگوں کے مطابق اس کی پارٹی "حزب ڈیموکریٹک خلق" کی قیادت میں فوج کے افسروں اور جوانوں نے اپنے غیور اور محب وطن عوام کے تعاون سے دن دہاڑے شروع کیا اور صرف اٹھارہ گھنٹے میں کامیابی سے ہمکنار کرایا۔ اس انقلاب نے افغانستان میں تاریخی جاگیرداری اور قبائل بادشاہت اور ایک خاندان کے تسلط کا خاتمہ کر دیا اور ملک میں ملک کے اپنے عوام کی مرضی سے عوام کی حکومت کی ابتدا کی۔

۱۹۲۹ء میں نادر شاہ نے فرانس سے آ کر صوبہ سرحد اور ملحقہ قبائل کی مدد سے غازی امان اللہ خاں کے لئے کابل کا تخت واپس حاصل کرنے کے نام پر بچہ سقے کو شکست دے دی۔ اور کابل کو فتح کیا۔ مگر روزِ اوّل ہی سے اپنے اقتدار کے لئے امان اللہ خاں کے ساتھ بے وفائی اور عوام کے ساتھ بدعہدی کر کے لوگوں کی مرضی اور اپنے وعدوں کے خلاف خود تخت پر بیٹھ گیا اور اپنے تین بھائیوں ہاشم خاں، شاہ محمود خان اور شاہ ولی خان کے ساتھ سازش کر کے چاروں بھائیوں کی حکومت کی بنا ڈالی چونکہ یہ بھائی عوام کے ساتھ دھوکہ کر کے مسلط ہوئے تھے اس لئے عوام پر جبر و ستم، کشت و خون اور طرح طرح کے حیلوں حربوں کے ذریعے حکومت کرتے رہے۔

کہتے ہیں کہ نادر شاہ کو حکومت برطانیہ کی آشیرباد حاصل تھی۔ اور یہ خاندان درپردہ اس اڈرک اور اہم جغرافیائی نکتہ پر سامراجی آقاؤں کے کردار کے طور پر خدمات انجام دے رہا تھا۔ چنانچہ ملک کے اندر ہر قسم کی سیاسی بیداری، عوامی شعور اور جمہوری افکار کا سخت مخالف تھا۔ اس طرح یہ خاندان ملک کے عوام کو بیرونی سرپرستوں کی مدد اور مرضی سے جبر و استبداد کے ذریعے قبضہ میں رکھتا تھا۔

افغانستان کے عوام اپنے گرد و پیش کے انقلابات اور نئی دنیا کے حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ لوگوں میں شاہی خاندان سے نفرت و بیزاری بڑھتی رہی۔ قومی اور انسانی حقوق کا احساس بڑھتا رہا۔ محمد داؤد اس خاندان کا سب سے زیرک اور چالاک شہزادہ تھا۔ عوام کی بیداری کا احساس تھا چنانچہ اس نے ایک ترقی پسند اور جمہوریت خواہ لیڈر کا نقاب پہن لیا۔ وہ اس چال میں کامیاب ہوگیا۔ یہاں تک کہ شاہی نظام سے لوگوں کی بیزاری دیکھ کر اس نے شاہ ظاہر شاہ سے مخالفت کا ڈھونگ رچایا اور اس کی وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دے کر گھر میں بیٹھ گیا۔

افغانستان کے سیاست دان اور عوام دوست مفکرین کہتے ہیں کہ اس طرح داؤد خان بارہ سال تک گھر میں بیٹھا رہا اور اس تمام عرصہ عوام کے شاہی خاندان کے خلاف غم و غصہ کے سیلاب کو اپنی مصنوعی شخصیت اور جھوٹی سیاست کے زور سے روکتا رہا۔ بالآخر جب ۱۹۷۳ء میں دریائے ہلمند کے پانی کے سلسلے میں ظاہر شاہ نے ایران کے ساتھ افغان عوام کی مرضی اور مفاد کے خلاف سودا بازی کی اور عوام اس فیصلہ کی بنا پر شاہی خاندان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کے لیے بے چین ہوگئے تو محمد داؤد نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ظاہر شاہ کو سلطنت سے ہٹا کر خود جمہوریت کے دعوؤں کے ساتھ برسر اقتدار آگیا۔ برسر اقتدار آتے ہی اس شہزادہ کے چہرے سے قوم پرستی اور جمہوریت خواہی کا نقاب اترنا شروع ہوا اور اس نے بہت جلد فوجی انقلابی کونسل یا انقلابی مرکزی کمیٹی کو بے اثر اور بے اختیار بنانا شروع کیا۔ یہ کمیٹی فوج کے ان افسروں اور جوانوں پر مشتمل تھی جو ۱۷ جولائی ۱۹۷۳ء کو "بغاوت" کے ہیرو تھے اور جو محب وطن جمہوریت پسند اور باشعور تھے۔ یہ کمیٹی حسن شرق نائب وزیر اعظم (۲) فیض محمد خاں وزیر داخلہ (۳) کیپٹن باچا گل وزیر سرحدات (۴) کیپٹن عبدالحمید محتاط وزیر مواصلات (۵) کیپٹن غوث الدین فائق وزیر فوائد عامہ (۶) کیپٹن محمد ضیا، ملٹری سیکرٹری صدر مملکت (۷) کیپٹن محمد سرور کمانڈنٹ آرمڈ کور ڈویژن نمبر ۶ (۸) کیپٹن یوسف خان آرمڈ کور ڈویژن نمبر ۵ (۹) کیپٹن مولا داد خان (۱۰) کیپٹن خلیل خاں (۱۱) عبدالقدیر نورستانی آئی جی پولیس (۱۲) بریگیڈیئر حیدر خاں رسول (۱۳) عبدالالہ وزیر مالیہ اور خود محمد پر مشتمل تھی۔ بعد میں ان میں سے صرف حیدر خاں رسولی۔ عبدالقدیر نورستانی۔ عبدالالہ۔ محمد داؤد کے چہیتے بن گئے۔ حسن شرف، فیض محمد خان باچا گل خان، عبدالحمید محتاط اور محمد ضیا وغیرہ بہت سے ساتھیوں سمیت معزول ہو گئے۔ خلیل خاں وغیرہ محفوظ رہے۔ باقی کو اپنا دست نگر بنایا۔ اس طرح فوجی انقلابی کونسل یا مرکزی کمیٹی برائے نام رہی اور بالآخر ۱۹۷۷ء میں نئے آئین کا اعلان کر کے اس تکلف (مرکزی کمیٹی) کو برطرف کر دیا اور ملک کے سیاہ و سفید کا تمام اختیار محمد داؤد اور اس کے بھائی محمد نعیم کے ہاتھ میں آگیا۔ یہ دونوں بھائی حیدر خاں رسولی جو اب وزیر دفاع بنائے گئے تھے۔ عبدالقدیر نورستانی جو اب وزیر داخلہ تھے اور عبدالالہ جو وزیر مالیہ اور ڈپٹی چیف منسٹر تھے کو کٹھ پتلیوں کی طرح نچاتے تھے۔ اس طرح یہ پانچ ملک اور عوام کی قسمت، عزت اور دولت سے کھیلتے رہے۔ اس دُور

نے اپنی خدمت کے لئے ملک بھر کے بدنام ترین مفاد پرستوں، ایجنٹوں اور چاپلوسوں کو اپنے گرد جمع کیا۔ ان کو لوٹ مار اور عیش و عشرت میں شریک بنایا۔ اور دوسری طرف فوج اور ملکی انتظامیہ میں جتنے باضمیر اور باشعور لوگ تھے سب کو معزول کیا یا ملک سے باہر نکالا۔ اس طرح ریاست کی پوری مشینری کو اپنی مرضی کے تابع بنا کے چھوڑا۔ صرف یہ نہیں بلکہ جو محب وطن اور بیدار جوان۔ ان کی خواہشات اور پالیسیوں کے سامنے تسلیم نہ ہوا اس کو قید یا قتل کرایا۔ اس طرح عوام کو اس ٹولہ کے اقتدار اور تسلط کی زنجیروں میں جکڑنے کے لئے انہوں نے قومی انقلابی پارٹی بنانے کی کوششیں کیں۔ جس میں ٹاؤٹ دلال قسم کے لوگ سمگلر، ڈاکو اور بدمعاش جمع ہو گئے جن کا کام اس حکومتی ٹولہ کے لئے جاسوسی کرنا اور لوگوں کو ظلم، ہوس اور تشدد کا نشانہ بنا کر ان پر اپنا اور ٹولہ کا رعب بٹھانا تھا۔ چنانچہ اس قسم کے لوگوں نے قتل، اغوا، رہزنی اور ڈاکہ کے واقعات بھی کئے۔ اس کا الزام شریف دیہاتیوں پر لگا کر ان کو ڈرایا دھمکایا بھی اور پھر ان سے رشوتیں بھی لیں۔ دوسری طرف ملک میں سیاسی حرکات پر مکمل اور سخت پابندی تھی۔ یہاں تک کہ گھر کے اندر بیٹھ کر بھی سیاستدان کسی قسم کی سیاسی سرگرمی نہیں کر سکتے تھے۔ خصوصاً حزب دیموکریتک خلق کی کڑی نگرانی ہوتی تھی۔ کیونکہ حکمران ٹولہ کو اس پارٹی کی عددی تنظیم اور نظریاتی قوت سے بہت زیادہ خطرہ تھا اور جب محمد داؤد اور اس کے ٹولہ نے سامراج کی طرف جھکاؤ کا راستہ اختیار کیا تو اسے یہ پارٹی جو سامراج دشمن پارٹی ہے۔ دشمن نمبر ایک نظر آنے لگی۔ اور اس کے کارکن، ممبر تعلیمی اداروں، درسگاہوں، انتظامیہ اور حکومتی محکموں جہاں بھی تھے گردن زدنی قرار پائے اور عوام میں ان کو غدار اور کافر ثابت کرنے کے لیے حکومتی مشینری نے پورا زور لگایا۔ اس دوران ملک کا نظم و نسق بری طرح خراب ہو گیا۔ معیشت تباہ ہوتی گئی۔ بیوروکریسی اور ان کے دلالوں کی فرعونیت بہت زیادہ بڑھتی گئی۔ رشوت اور جھوٹے مقدمات کی بھرمار ہوتی گئی۔ دفتر، قہوہ خانے بلکہ عشرت خانے بنتے گئے۔ حکومت کا کام رکتا گیا اور عوام کی زندگی اجیرن ہوتی گئی۔

اس تمام صورت حال سے نمٹنے کے لئے حکومتی ٹولے نے جبر و تشدد کے پنجے تیز اور مضبوط کرنے کی ٹھانی۔ اس نے سازشی منصوبے اور ان پر عمل کرانے کے لئے پولیس فوج اور اجرتی قاتلوں کی ایک خفیہ فورس بنائی۔ اس کام کے لئے مغربی ممالک سے جبر و تشدد اور جاسوسی کے جدید ترین آلات منگوائے۔ محمد داؤد اور اس کے ٹولے نے فیصلہ کر لیا کہ محب وطن جمہوریت پسند اور باشعور افراد جو ان کی راہ میں حائل ہو سکتے ہیں کو جھوٹے مقدمات میں پھنسایا جائے ڈرایا دھمکایا جائے۔ ملک چھوڑنے پر مجبور کیا جائے۔ اور بالآخر قید یا قتل کرایا جائے۔ بالخصوص حزب دیموکریتک خلق کو ختم کیا جائے۔ اس سازشی منصوبہ کے تحت لوگوں کے گھروں کے اندر سے باتیں سننا اور ٹیپ کرانا مخالفین کے ٹیلیفون ٹیپ کرانا اور پھر اس سے اپنی مرضی کے مطابق ٹیپ تیار کرانا اور اس طرح جس کو چاہیں اس کو پھانسنے کے لئے شہادت مہیا کرنا اس ٹولے کے کارندوں کا معمول تھا۔ اجرتی، قاتلوں اور ڈاکوؤں کے ذریعے مخالفین کو تسلیم کرانا یا ختم کرانا ان کا شغل تھا۔ یہاں تک کہ تھوڑے دنوں میں سٹیٹ پاکٹ انعام الحق گران۔ میجر ڈاکٹر نیاز محمد مومند۔ میجر ڈاکٹر صالح اور ڈاکٹر دین محمد کو قتل کرایا گیا۔ حکومت کے ایک وزیر پلان مسٹر خرم کو روز روشن اس کے دفتر میں گولی ماردی گئی۔

کہتے ہیں یہ ایک منصوبہ تھا جس کا ایک مقصد مخالفین پر سخت حملہ کرنے کے لئے ایک بہانہ پیدا کرنا تھا اور دوسرا مقصد اس اہم وزیر کو ان بہت سے رازوں سمیت میدان سے ہٹانا تھا جو اس کے پاس تھے۔ ان تمام سازشوں اور حملوں

گو یہ پارٹی برداشت کرتی رہی مگر عوام پر اس کا بہت خراب اثر مرتب ہوتا رہا اور خود حکومت پریشان سے پریشان ہوتی جا رہی تھی۔ چنانچہ، ۱۷ر اپریل ۱۹۷۸ء کو اس پارٹی کے محبوب ترین لیڈر میر اکبر استاد کو قتل کرا کر اس نے ایک طرف اپنے ذہنی دیوالیہ پن اور بوکھلاہٹ کا ثبوت مہیا کیا اور دوسری طرف اس پارٹی کے صبر کا پیمانہ لبریز کرایا نیز اس حرکت سے عوام بھی بہت متاثر ہوئے اس پر مستزاد یہ کہ اس حکومتی ٹولہ نے میر اکبر کے تجہیز و تکفین کے دوران پارٹی کا جوش و خروش دیکھا تو گویا اس کے اوسان خطا ہو گئے باوجودیکہ حکومت کی طرف سے جنازہ اور فاتحہ میں جانے پر سخت پابندی تھی۔ اور اس دن دفتروں اور درسگاہوں میں خصوصی انتظامات کئے گئے تھے۔ تاہم عام اندازے کے مطابق ساٹھ ہزار اشکبار آنکھوں نے اپنے محبوب لیڈر کے جنازہ کو ایک منظم شکل دے دی۔ استاد میر اکبر شہید کی قبر پر پارٹی کے سربراہ نور محمد ترکی اور ببرک کارمل وغیرہ نے تقریریں کیں۔ جن میں حکومت کو متنبہ کیا گیا کہ استاد میر اکبر کے قاتلوں کا اگر سراغ نہ لگایا گیا، حکومتی مشینری کو سازشی عناصر سے پاک نہ کیا گیا اور سیاسی قتلوں کا یہ سلسلہ بند نہ کیا گیا تو اس کے تمام نتائج کی ذمہ داری حکومت پر ہو گی۔ حکومتی ٹولہ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ اس نے پارٹی کو مزید موقع نہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اس نے فوری طور پر ایک منصوبہ بنایا جس کے مطابق اس پارٹی کے تمام کارکنوں اور ممبروں کو کسی نہ کسی طرح ختم کرنا تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ پارٹی کے مرکزی کمیٹی کو گرفتار کیا جائے گا۔ اور غداری کے الزام میں دو تین دن کے اندر پھانسی دی جائے گی۔ پارٹی کے سرکردہ کارکن فوج سول انتظامیہ اور تعلیمی اداروں سے گرفتار کیا جائے گا۔ ان کو ان کی اہمیت اور اثر و نفوذ کے مطابق موت یا قید و بند کی سزا دی جائے گی۔ تقریباً چار سو کارکنوں کو موت کے گھاٹ اتار دینے کا پروگرام تھا۔ باقی کو ملازمتوں سے ہٹانا، دور افتادہ مقامات پر تبدیل کرانا، ان کی مصنوعی فائلیں بنا کر سزاوار گردانا اور لوگوں میں غدار اور کافر کا الزام لگا کر مروانا۔ اس منصوبہ کا سلسلہ وار مقصد تھا۔ اس پورے منصوبے کا اس پارٹی کو اپنے ذرائع سے علم ہو چکا تھا کہ اس پارٹی کے ممبر اور کارکن حکومت کے اعلیٰ اداروں میں بھی مخفی طور پر موجود تھے۔ ۲۵ - ۲۶ر اپریل کی رات کو مرکزی کمیٹی کے ممبروں کی گرفتاری نے یہ ثابت کر دیا کہ اس منصوبہ پر عمل درآمد شروع ہو گیا ہے چنانچہ اس منظم پارٹی نے بھی فیصلہ کر لیا کہ جو بھی ہو اس حکومتی ٹولہ کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ پارٹی عرصہ سے حکومت کے کرتوت اور عوام پر اس کے رد عمل کا مطالعہ کر رہی تھی۔

کہتے ہیں کہ اس کے پاس اس قسم کی صورت حال سے نمٹنے کے لئے خاکہ موجود تھا۔ اس تیاری کے ذمہ دار لیڈر گرفتاری سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے اپنے فوجی ساتھیوں سے رابطہ قائم کیا اور انہیں میدان میں نکل آنے کا حکم دے دیا۔ ۲۷ر اپریل کی رات کو ان افراد نے مختلف یونٹوں میں اپنے ساتھیوں کو جو پہلے سے خصوصی سازشی منصوبہ سے آگاہ تھے اور حکومتی ٹولہ پر حملہ کرنے کے لئے بے چین تھے۔ فیصلہ سے مطلع کر دیا ۲۷ر اپریل کو جب کہ حکومتی ٹولہ ملک بھر میں فوجی یونٹوں، سرکاری دفتروں اور تعلیمی اداروں میں حزب دیموکریتک خلق کے لیڈروں کی گرفتاری پر خوشی کا جشن منا رہا تھا اور جس میں اس پارٹی کے کارکنوں پر کفر کے فتوے صادر کر رہا تھا۔ اس پارٹی کے جوان بظاہر جشن کے ناچ کود میں شامل تھے مگر درپردہ وہ اپنے ساتھیوں کو پارٹی کا فیصلہ سناتے اور مقررہ وقت پر اسلحہ سنبھالنے میں مصروف تھے۔ حکومتی پارٹی کا فیصلہ یہ تھا کہ اسی دن جشن کے بہانے سب کو فوجی یونٹوں میں اکٹھا رکھا جائے۔ اور وہاں کفر کے فتوے لگائے جائیں اور اور یہ پارٹی کے وفادار افسروں کو دوسرے جوانوں کے ذریعے گرفتار کیا جائے۔ مگر ابھی یہ جشن جاری تھے اور دوسرے قدم اٹھانے یعنی گرفتاریاں کرنے کی دیر تھی

کہ آرمرڈ کور روشنگ ڈویژن میں پارٹی کے کمانڈنٹوں میجر اسلم خان اور میجر رفیق وغیرہ نے اپنی دونوں ڈویژنوں کو تسلیم اور ان کے پچاس ٹینک شہر میں شاہی محل صدارت کے دفتر کے بڑے دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ جہاں کابینہ کا اجلاس ہو رہا تھا اور اپنے سازشی منصوبے کو آگے بڑھانے پر غور ہو رہا تھا۔ صدارتی محل کے محافظوں نے میجر اسلم وغیرہ کا مقابلہ شروع کیا اور محمد داؤد کو حالات کی نزاکت کا احساس ہوا تو اس نے اپنے وفادار ایئر فورس کے چیف محمد موسیٰ کو ٹیلیفون پر حکم دیا کہ مگ اور سوخو بمبار (بمبار) فوراً پرواز کریں اور صدارتی محل کے سامنے پشاور روڈ پر کھڑے بے شمار ٹینکوں کو نیست و نابود کریں۔ ایئر ہیڈکوارٹر میں ایئر چیف کے معاون عبدالقادر خان نے ایک طرف اس حکم پر عمل نہ ہونے دیا۔ دوسرے وہ سمجھ گیا کہ اس کے ساتھی شہر میں پہنچ گئے ہیں۔ اس اثنا میں محمد موسیٰ عبدالقادر کے ارادوں اور عمل کو بھانپ گیا اور تھوڑے وقفے کے لیے اسکو حراست میں رکھا مگر بہت جلد عبدالقادر کے ساتھی ایئر ہیڈکوارٹر میں بھی متحرک ہو گئے۔ اس اثنا میں عبدالقادر کو موقع مل گیا۔ وہ ہیلی کاپٹر کے ذریعے تیس ۳۰ میل دور باگرامی کے ہوائی میدان تک پہنچا جہاں مگ اور سوخو طیارے کھڑے تھے۔ جہاں میدان کا انچارج اُن کا ساتھی اور جہاں اکثر پائلیٹ ان کے ہمراز اور ہم کار تھے اور جب ادھر صدارتی محل کے سامنے محل کے محافظوں کے ماڈرن اسلحے اور اسلم خان کے ٹینکوں کی فیصلہ کن جنگ ہو رہی تھی ادھر عبدالقادر کے مگ اور سوخو طیاروں نے صدارتی محل پر حملے شروع کر دیئے اور ابھی شام کا اندھیرا پوری طرح نہیں چھایا تھا کہ صدارتی محل کے محافظوں کا زور ٹوٹ گیا اور محمد داؤد خان کے اقتدار کا مضبوط مورچہ ختم ہو گیا۔ اس تمام دوران صرف صدارتی محل کی چار دیواری کے اندر زیادہ سے زیادہ چار دیواری کے پاس ہی جنگ ہو رہی تھی۔ اس محل کے قریب ہی خیبر ریسٹورنٹ کے پاس دوسری طرف باغ زرنگار کے قریب اور تیسری طرف ایران کے سفارت خانہ کے چوک پر لوگ کھڑے اس تمام کارروائی کو دیکھتے رہے۔

اور تمام شہر میں ٹریفک اور کاروبار حسب معمول تھا۔ محمد داؤد اور اس کی کابینہ محل میں موجود تھی۔ اور حزب دموکریتک خلق کے لیڈروں اور فوج میں ان کے ساتھیوں کو ٹھکانے لگانے کے منصوبہ پر اگلا قدم اٹھانے پر غور کر رہے تھے۔

کہتے ہیں کہ اس کو ۱۱ بجے کے قریب فوج میں خصوصاً پشاور روڈ پر واقع آرمرڈ کور ڈویژن کے ہیڈکوارٹر میں گڑبڑ کی اطلاع ہو گئی تھی مگر اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ چنگاری جنگل کی آگ بننے والی ہے۔ تھوڑی دیر میں اس ہیڈکوارٹر سے پچاس ٹینک شہر کی جانب روانہ ہوئے اور ۱۲ بجے کے قریب وزارت دفاع کے دفاتر پہنچ گیا تھا اور اس نے پہلا گولہ داغ دیا تھا۔ جس نے وزارت دفاع میں کھلبلی مچا دی۔ خود وزیر دفاع دفتر میں موجود تھا اسے بغاوت کی اطلاع مل گئی تھی اس کو خاموش کرنے کے لیے کابینہ کے اجلاس سے دفتر میں چلا آیا تھا۔ ٹینک کے فائر سنتے ہی اسے حالات کی نزاکت کا احساس ہوا۔ چنانچہ وہ وزارت دفاع کو چھوڑنے اور شہر کے نواح میں ایک مضبوط چھاؤنی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ محمد داؤد کو جب معلوم ہوا کہ محل ٹینکوں کے گھیرے میں ہے تو اس نے محل کے محافظین کی کمان خود سنبھال لی۔ مگر بہت جلد اسے اپنی بے چارگی کا احساس ہوا۔ ادھر جب عبدالقادر خان اور میجر اسلم خان نے شہر پر قابو پا لیا اور محل کے محافظین کو بے بس کر دیا تو محمد داؤد خان کو تسلیم کرنے کا پیغام بھیجا۔ کہتے ہیں کہ اس کے وزراء اور خاندان کے ممبروں نے اس کو مشورہ دیا کہ تسلیم ہونے میں عافیت ہے مگر وہ نہ مانا اس نے انقلابیوں کے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں ایک فوجی جنرل ہوں اگر زیر ہوں گا تو کسی چھوٹے افسر کے سامنے نہیں اگر خود اسلم خان اور عبدالقادر میرے پاس آئیں گے تو پستول ان کے حوالے کر دوں گا۔ اس پر انقلابی افسروں نے ایک کیپٹن اور دو جوان اس کے

پاس بھیجے وہ سمجھا کہ اسلم خان وغیرہ آرہے ہیں چنانچہ اس نے دور سے ان پر گولی چلادی۔ کیپٹن کو کہنی کے نیچے اور بغل کے پاس چھاتی میں گولی لگی۔ جس کے جواب میں کیپٹن اور اس کے ساتھیوں نے جوابی فائر کئے۔ اس دوران محمد داؤد نے ایک بیٹی اور ایک بہو کو خود گولی ماردی۔ اور خاندان کی دوسری عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے پر اپنے لڑکے میرویس کو مامور کرایا۔ کیونکہ محمد داؤد یہ نہیں چاہتے تھے کہ اس کے گھر کی عورتیں اور بچے انقلابیوں کے قیدی بن جائیں۔ اگر ہوائی جہازوں کی گولہ باری اور محمد داؤد کی گولی سے زخمی کیپٹن کی فائرنگ سے خود داؤد اور اس کا لڑکا کام نہ آتے تو خاندان کے تمام افراد خود ان کے ہاتھوں قتل ہو جاتے۔ اب ان میں سے اکثر زخمی اور زیر علاج ہیں۔ یا نئی حکومت کی نگرانی میں ہیں۔ محل کی نگران فوج کی تعداد ۲۳ سو تھی جو ہر قسم کے جدید اسلحہ سے لیس بھی تھی۔ محل کے مضبوط دفاعی انتظامات نے تقریباً ۹ گھنٹے مزاحمت کی۔ تقریباً سترہ سو افسر و جوان تسلیم ہوئے۔ کچھ زخمی ہو گئے تیس اور چالیس کے درمیان مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے۔ محل پر تقریباً چار گھنٹے ٹینک اور سو جنگی جہازوں نے گولہ باری کی۔ اس وقفہ میں محل کی حدود سے باہر صرف ایک گولہ گرا۔ باقی تمام محل کے ایک مربع میل علاقے میں گرے اس تمام جنگ کے دوران محل سے باہر صرف کابل ہوٹل کے مغربی حصہ میں آریانہ افغان ایئرویز کا دفتر محل کے محافظوں کے توپ کے گولے سے جل کر تباہ ہو گیا ہے۔

محمد داؤد خاں اور سردار نعیم کے گھروں کے درمیان واقع فرانسیسی سفارت خانہ میں چند گولے گرے ہیں۔ باقی آس پاس کی تمام عمارتیں اور مکانات محفوظ ہیں۔ البتہ دھماکوں سے شیشے ٹوٹ گئے ہیں۔

شہر کے اندر اور باہر شاہی فوج کے مشہور مراکز تھے۔ جن میں قلعہ بالاحصار اور قلعہ شیرپور بہت اہم ہیں۔ ان کے علاوہ شہر کے غرب میں تقریباً پانچ میل کے فاصلہ پر ترغہ میں ایک ڈویژن فوج موجود تھی۔ اس کے پاس جدید میزائل راکٹوں پر مشتمل ہوائی دفاع کا ایک مکمل بریگیڈ بھی تھا۔ جنوب غرب میں شہر سے ملحق مہتاب قلعہ میں انفنٹری ڈویژن کا مرکز تھا۔ شہر کے جنوب میں سنٹرل فورسز کا ہیڈ کوارٹر اور اس کے پاس ہی ریشخور کی چھاؤنی تھی۔ ہیڈ کوارٹر خود وزیر دفاع کی نگرانی میں تھا۔ اور ریشخور کی چھاؤنی میں ملک کا سب سے مضبوط اور جدید اسلحہ سے مکمل ڈویژن موجود تھا۔ اس کے علاوہ بالاحصار اور اس کے قریب چھاپہ ماروں اور کمانڈوز کے دو قلعے مشہور تھے۔ شہر کے اندر دو مقامات پر ہر قسم کے اسلحہ سے مسلح دو قطعات جنہیں قطعات منتظر ——— (STRIKING FORCE) سمجھا جاتا تھا موجود تھے۔ وزیر دفاع بھاگ کر قرغہ پہنچے مگر وہاں آٹھویں ڈویژن اور ہوائی دفاعی فورس کو اپنے حق میں متحرک نہ کر سکے۔ پھر وہاں سے سنٹرل فورسز کے ہیڈ کوارٹر چلے گئے۔ یہاں سے ریشخور اور سنٹرل فورس کو شہر کی جانب روانہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے آرمڈ کور اور ٹینک شہر تک پہنچ گئے اور انہوں نے انقلابیوں کا مقابلہ بھی کیا مگر جب انہیں معلوم ہوا کہ انقلاب کس کی طرف سے ہوا ہے تو ان کی مدافعت برائے نام رہ گئی۔ ہیڈ کوارٹر اور چھاؤنی پر ہوائی جہازوں کی بمباری نے یہ ثابت کر دیا کہ انقلاب روکنے کی کوشش بے سود ہے۔

یہ فورسز ۲۸ اپریل کی صبح کو ۸ بجے تک تسلیم ہو گئیں اور خود وزیر دفاع بھی اسی دوران کام آیا۔ دراصل فوج کے اندر انقلابیوں کے ساتھی موجود تھے اس لئے مدافعت کی تمام کوششیں اور مقابلے برائے نام رہے اس لئے جانی نقصان بہت کم ہوا۔ اس انقلاب کی کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ شاہی خاندان کے تسلط اور خصوصاً

محمد داؤد کی سفاکی، دغابازی اور دو رُخے پن کی وجہ سے ملک کے تمام عوام متنفر اور تنگ ہو چکے تھے۔ مختلف نسلی اور لسانی وحدتوں میں محرومی کا احساس شدید ہو چکا تھا اور جس غرض کے لئے ظاہر شاہ کو ہٹایا گیا تھا وہ پورا نہ ہو سکا بلکہ ملک کا اختیار چند بے اصول اور عیاش افراد کے ہاتھوں میں مرکوز ہو گیا۔ جس نے ملک کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر فساد اور بد عنوانیوں میں بے حد اضافہ کر دیا۔ جمہوریت کے نام پر ایسے استبدادی نظام کو مسلط کرایا گیا تھا۔ جس میں تحریر و تقریر، اجتماع اور جلسے جلوس کی وہ تھوڑی بہت آزادی جو شاہ کے وقت تھی کو بھی سلب کر لیا تھا خصوصاً فوج جس نے محمد داؤد کو گوشہ نشینی سے اُٹھا کر رئیس دولت اور رئیس جمہور بنا دیا تھا۔ سخت غصہ اور خفا بھی۔ محمد داؤد اور اس کے چند حواریوں کو جو غرور کے نشے میں بد مست تھے۔ اس صورت حال کا احساس نہ تھا۔ دوسری طرف عوام کی سیاسی پارٹی، اس کے افسر اور جوان ان حالات کا بغور مطالعہ کر رہے تھے اور اپنے آپ کو انقلابی شعور، قوت تنظیم و ڈسپلن سے آراستہ کرنے میں مصروف تھے اور کسی اچانک چیلنج کے مقابلہ کے لئے مخفی منصوبے تیار کئے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان پر حملہ کیا گیا اور ان کی زندگی اور موت کا فیصلہ کسی مرحلہ سر پہ آن پہنچا تو انہوں نے مجبوراً مستحکم ارادے اور منظم قوت کے ساتھ حرکت کی۔ جس میں وہ نظام کی فرسودگی اور عوام کے ابھار کے پیش نظر اپنے انقلابی شعور، جذبے، ڈسپلن اور پارٹی کی مدبرانہ رہنمائی میں کامیاب ہو گئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انقلاب کی قوتوں کو انقلاب کے بعد ملک و ملت کے تاریخی مرحلہ، سماجی کیفیت اور اقتصادی پسماندگی کا پورا پورا احساس ہے۔ اس لئے روزِ اوّل ہی سے انقلابی فوجی کونسل اور حزب دیموکریتیک خلق کی مرکزی کمیٹی کو ملا کر ایک قومی انقلابی کونسل تشکیل دی گئی۔ تاکہ جس انقلابی ارادے، ڈسپلن اور جذبے سے انقلاب کامیاب ہوا اس کو بروئے کار لا کر ملک کی تعمیر و ترقی اور خوشحالی کے اہم ترین اور نازک ترین مراحل بھی طے کئے جاتے رہیں۔ انقلاب کے بعد نئی حکومت کے بیانات اور پالیسی اعلانات جو آج تک ہمیں موصول ہوتے رہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو افغانستان کے مسلمان اور محب وطن عوام کے جذبات۔ عقائد اور ضروریات کا گہرا احساس ہے اس لئے اس کے صدر نور محمد ترہ کی نے ملکی اور غیر ملکی اخباری نمائندوں کی پہلی پر ہجوم پریس کانفرنس میں اور اس کے بعد اس کی پہلی تقریر میں جو وضاحتیں کیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پارٹی افغانستان کے عوام کو دینی۔ قومی اور سماجی خدمت کے لئے آگے آئی ہے اور قوم کے نام محب وطن جمہوریت پسند اور انقلاب دوست لوگوں کے تعاون سے یہ مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور اس طرح ملک صحیح معنوں میں قومی جمہوری حکومت دینے کی طرف بڑھے گا۔ افغانستان جغرافیائی لحاظ سے نہایت نازک اور اہم نکتہ پر واقع ہے۔ آج کے حالات میں بحر ہند، خلیج فارس اور جنوبی ایشیا میں جو منصوبے اور تحریکات کار فرما ہیں اس کے پیش نظر افغانستان کی اہمیت و نزاکت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ سری لنکا، بنگلہ دیش۔ بھارت اور پاکستان وغیرہ میں حکومتوں کی تبدیلی سے نیز بھارت اور ایران میں تعلقات میں زیادہ قرب پیدا ہونے کی وجہ سے اور پھر ان ممالک کے مغرب کی جانب جھکاؤ کے تعلق سے افغانستان میں دائیں بازو کے عناصر بہت فعال اور خوش نظر آ رہے تھے۔ عام خیال یہ تھا کہ یہ عناصر اس ملک میں گرم یا سرد انقلاب لا کر افغانستان کی روایتی غیر جانبداری کی پالیسی کو بدل دینے والے ہیں بلکہ محسوس یہ ہو رہا تھا کہ محمد داؤد کی موجودگی میں ایک خاموش انقلاب کار فرما ہو چکا ہے اور افغانستان کھلم کھلا مغربی کیمپ میں جا رہا ہے۔ ایسے حالات میں اچانک جمہوری انقلاب آیا جو ان تمام اندازوں کے برعکس ہے اور جو اس علاقہ میں ہوا کے عام رُخ سے مخالف سمت میں نظر

آرہا ہے۔ لہٰذا وہ تمام قوتیں، حلقے اور ادارے جو یہاں معروف تھے جو بھک گئے ہوں گے۔ اور اس انقلاب کو اپنے منصوبوں اور خواہشات کے برعکس سمجھتے ہوں گے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے حلقے اس جمہوری انقلاب کو غلط رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے مسلمان افغان لیڈروں اور جوانوں کو الزامات کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس سوز و روشن عوامی حرکت کو جس میں کم سے کم خون بہا ہے خونریزی اور بربریت کا نام دیتے ہیں۔ برطانوی استعمار کے وقت کے اسلام دشمن اور وطن دشمن پروپگنڈوں سے کام لے رہے ہیں مسلمان کو مسلمان سے لڑانے اور ایک ہی ملک و ملت کے لوگوں کو آپس میں کشت و خون کے لئے آمادہ کرنے کے لئے مذہب کے پاک جذبے کو استعمال کر رہے ہیں۔

انگریزوں نے امان اللہ خاں کے خلاف مذہبی تعصب کو مشتعل کیا تھا۔ آج دنیا جانتی ہے کہ اس طرح افغانستان کے مسلمان عوام کی ترقی۔ تعمیر اور خوش حالی کا راستہ روکا گیا تھا اور انگریزوں کی سازشوں کو کامیاب کرایا گیا تھا آج اس بدلی ہوئی دنیا میں نئے اور پرانے سامراج کے ایجنٹ اس پرانے حربے کو استعمال کرنے کی کوشش کریں گے۔ مگر آج افغانستان ۱۹۲۸ء کا افغانستان نہیں ہے۔ ۱۹۷۰ء کے افغانستان میں بیداری اور شعور موجود ہے۔

پاکستان افغانستان کا قریب ترین ہمسایہ بھائی ملک ہے۔ دونوں ممالک کے عوام نہ صرف تاریخی اور ثقافتی طور پر ہر دوسرے ملک اور ہر دوسری قوم کے آپس میں زیادہ قریب ہیں بلکہ اقتصادی اور سماجی لحاظ سے بھی ایک کا دوسرے پر انحصار موجود ہے۔ اس لئے ان میں سے ایک ملک دوسرے کی سیاسی تبدیلی سے بے اثر نہیں رہ سکتا۔ اور افغانستان کی اپنی نمائندہ جمہوری حکومت جو ایک سیاسی پارٹی کی قیادت میں کام کرے گی۔ افغانستان اور پاکستان کو قریب سے قریب تر لانے کا سبب بنیں گی۔

افغانستان کے گذشتہ حکمرانوں نے اپنے شخصی اور خاندانی اقتدار کو بچانے اور مضبوط بنانے کے افغانستان اور پاکستان کے عوام کو ایک دوسرے سے دور رکھنے اور اس غرض کے لئے دونوں کے درمیان مسائل پیدا کرنے ، ان کو ہوا دینے اور ایسے مسائل کو سودا بازی کے لئے زندہ رکھنے کی مسلسل کوشش کی ہے۔ افغانستان کی انقلابی حکومت ایسا نہیں کرے گی۔ ہمیں خوشی ہے کہ اس حکومت کے سربراہ نے اس کا اظہار بھی کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ افغانستان کی انقلابی حکومت برادری اور برابری کے اصولوں کو پیش نظر رکھ کر انصاف کے تقاضوں کے مطابق پھر امن بقائے باہمی کی بنیادوں پہ دوستی اور برادری استوار کرنے کی راہ نکالیں گے۔

گذشتہ ادوار میں دونوں ممالک کے درمیان مسائل سے ہر دو ممالک کے عوام کے دشمنوں اور اس منطقہ میں امن اور استحکام کے دشمنوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے جس کی وجہ سے دونوں ممالک کے عوام کے لئے ترقی کرنے کی خوشگوار فضا مہیا نہیں ہوئی۔

ہمیں یقین ہے کہ افغانستان کے عوام کی انقلابی جمہوری حکومت اس طرف پوری توجہ دے گی۔ اس لئے شرط اول یہ ہے کہ بہت جلد گفت و شنید اور افہام و تفہیم کا آغاز ہو جس کے قبل ایک دوسرے کے ممالک کے اندر ہر قسم کی اندرونی مخالفت سے قطعی پرہیز ہے۔

تیسرا باب

انقلابِ افغانستان کی بنیادی خصوصیات

خلق پارٹی کے انقلابی نظریات

حفیظ اللہ امین ——— وزیر اعظم افغانستان

فوج اور پارٹی کا کردار

فیروز احمد ——— ایڈیٹر پاکستان فورم

عوامی جمہوریہ افغانستان کے نائب وزیراعظم اور وزیر خارجہ جناب حفیظ اللہ امین نے عوامی جمہوری پارٹی (خلق) کی چودھویں سالگرہ اور پہلی کانگریس کے سلسلہ میں یکم جنوری ۱۹۷۹ء کو کابل ننداری آڈیٹوریم میں منعقد ہونے والی سنٹرل کمیٹی کے اجلاس میں تقریر کی جس کا مکمل متن درج ذیل ہے۔

مسلح کامریڈو، بہادر دوستو! پیارے وطن پرستو! اور مہمان ہائے گرامی قدر!

مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کی اس عظیم الشان تقریب میں شریک ہوں جو محنت کش طبقے کے ہراول دستے کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ تقریب میری قابل فخر پارٹی کی چودھویں سالگرہ منانے کے سلسلہ میں منعقد کی گئی ہے۔ میں بین الاقوامی انقلابی پرولتاری تحریک میں اس تاریخی دن کے موقع پر افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کے بانی جناب نور محمد ترہ کئی کو خلق مبارک باد پیش کرتا ہوں جو سنٹرل کمیٹی کے سیکرٹری جنرل، انقلابی کونسل کے صدر اور عوامی جمہوریہ افغانستان کے صدر ہیں۔ ہماری پارٹی روز اول سے ہی ان پر فخر کرتی رہی ہے۔ انہوں نے پارٹی کے قیام سے لے کر پہلی کانگریس کے بعد آج تک پارٹی کے سیکرٹری جنرل کی حیثیت سے افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کی پولٹ بیورو اور سنٹرل کمیٹی کے ارکان مخلص اور بہادر کارکنوں اور دیگر تمام تر محنت کش عوام کی راہنمائی کی ہے افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی دنیا کی پہلی پرولتاری پارٹی ہے جس نے اپنی زندگی کی انتہائی قلیل مدت میں کامیابی حاصل کی ہے۔ پارٹی کی چودہ سالہ جدوجہد اس عظیم قائد کی تخلیقی قیادت میں جاری رہی اور خلقی تدابیر سے آراستہ سنٹرل کمیٹی کے ارکان نے محنت کشوں کی آئیڈیالوجی اور سائنسی تدابیر کو جو دنیا بھر کے مزدوروں اور عظیم انقلاب اکتوبر کے بعد تمام ترقی پذیر ممالک کے بہادر عوام کے جوش کو مہمیز دیتی ہیں، مالامال کر دیا ان حقائق کی معروضی اور سائنسی تفصیلات پیش کرنے کی خاطر ہم محنت کش طبقہ کی سائنٹیفک تھیوری کی روشنی میں ان کا الگ الگ جائزہ اپنی اوّلین فرصت میں پیش کریں گے۔ فی الحال طبقاتی جدوجہد کے فلسفیانہ اصول و نظریات اور افغانستان میں طبقاتی جدوجہد کے چیدہ چیدہ مرحلوں اور خصوصیات پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے میں افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کے رول اور ثور انقلاب کی فتح کے ضمن میں جناب نور محمد ترہ کئی کے تجزیے کی اثر آفرینی پر کچھ کہنا چاہوں گا۔ میں افغانستان اور بیرونی دنیا کے ماہرین سکالروں اور پولیٹیکل سائنس کے طالب علموں کی توجہ ان مذکورہ بالا امور کی طرف دلاؤں گا تاکہ وہ اسے موضوع بحث بنائیں، اس کی قدر و قیمت کو جانچیں اور یوں محنت کش طبقہ کی سائنٹیفک تھیوری کے

ارتقا میں مناسب طور پر شریک ہوں ۔ یہاں میں مندرجہ ذیل امور پر بحث کروں گا ۔

سیاست

ریاست

پارٹی

انقلاب

سیاست

سیاست طبقاتی جدوجہد کی آئینہ دار ہوتی ہے اور سوسائٹی کو دشمن طبقات میں تقسیم کر کے اسی طرح نمودار ہوتی ہے جس طرح دشمن طبقات پر مبنی سوسائٹی میں مختلف طبقات کے مفادات باہر آجاتے ہیں اور سیاست ظہور پذیر ہوتی ہے ۔ اس لئے سیاست مختلف طبقات کے درمیان رابطے کا نام ہے اور اتنی دیر تک اس کا وجود برقرار رہتا جتنی دیر تک طبقات موجود ہوتے ہیں ، لیکن مختلف طبقات سے منسلک عناصر کے درمیان تعلقات یا مختلف طبقات کے درمیان باہمی تعلقات کبھی سیاست قرار نہیں دیئے جا سکتے ۔ مثال کے طور پر ، ایک کسان اور جاگیردار کے درمیان تعلقات جس کے لئے وہ کام کرنے میں مصروف ہے ، قطعی طور پر سیاست نہیں کہلائیں گے کیونکہ یہ استحصالی تعلقات ہیں ۔ اسی طرح ایک مزدور کی سرمایہ دار کے ہاں ملازمت جس میں وہ پرولتاری کی محنت سے حاصل ہونے والی پیداوار کو سمیٹنے میں مصروف ہے اور اس کا استحصال کرتا ہے ، قطعی طور پر سیاست نہیں کہلائے گی ۔ استحصالی تعلقات اقتصادی نوعیت کے ہوتے ہیں اور ایک طبقاتی سوسائٹی کے پیداواری تعلقات — اقتصادی تعلقات صرف اسی وقت سیاسی تعلقات میں تبدیل ہوتے ہیں جب ایک کسان یا کسانوں کا ایک گروہ جاگیرداروں کے خلاف جدوجہد کرتا ہے ۔ صرف اپنے مالک کے خلاف نہیں بلکہ جاگیرداری کے خلاف — جاگیردارانہ نظام کے خلاف اور تمام جاگیردار طبقے اور جاگیرشاہی کے خلاف ۔ اسی طرح ایک مزدور یا سرمایہ دار دشمن مزدوروں کے ایک گروہ یا سرمایہ داروں کے ایک گروہ کی تنخواہوں میں اضافے کی جدوجہد سیاست قرار نہیں دی جا سکتی ۔ لیکن سرمایہ داری اور سیاست میں سرمایہ دار طبقے کے غلبہ و تسلط کے خلاف جدوجہد کا نام سیاست ہے ۔ چنانچہ مندرجہ ذیل دو مختصر مختلف طبقات کے درمیان تعلقات میں سیاسی شخص کو اجاگر کرنے میں اہم ترین رول ادا کرتے ہیں ۔ اوّل کسی طبقے کا بنیادی مفاد پوری طرح سے اور زیادہ گہرائی کے ساتھ صرف سیاست میں ہی واضح کیا جا سکتا ہے ۔ مثال کے طور پر مزدوروں کے لئے کام کرنے کی صلاحیت زیادہ منافع بخش طور پر فروخت کرنے میں کوئی اہمیت نہیں بلکہ مزدوروں کے لئے بنیادی مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ اجرت کے غلامانہ نظام کو تہس نہس کر دیا جائے ، جس کا اظہار سیاسی جدوجہد میں ہوتا ہے ۔ یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ ہر طبقاتی جدوجہد کا کسی مخصوص طرز پیداوار میں ایک نمایاں پہلو ہوتا ہے جو اپنی ترقی پذیر شکل میں سیاسی جدوجہد کی شکل اختیار کر لیتا ہے ۔ اس لئے سیاسی

جدوجہد محنت کش عوام کی آزادی کی جدوجہد کی اعلیٰ ترین شکل ہوتی ہے، ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ہر طبقے کی سیاست اس کے طبقاتی نقطۂ نظریہ کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ جس میں اس کے بنیادی مفاد پوشیدہ ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب محنت کش طبقہ اقتدار اپنے ہاتھ میں لیتا ہے تو وہ اپنے دوستوں اور دشمنوں کے سلسلے میں اس کے داخلی اور خارجی امور کا تعین کرے گا۔ دوم ـــ سیاست عوام کے ذہنوں میں جنم لینے والے طبقات کے درمیان رابطے کا نام ہے۔ مثال کے طور پر کسانوں کی بغاوتیں اور جنگیں، مظلوم عوام کی قومی آزادی کی تحریکیں اور پرولتاری انقلاب عوام کی ان آرزوؤں کا مظہر ہوتی ہیں کہ ساجی اور قومی جبر و تشدد کا خاتمہ کیا جائے، یہی وجہ ہے سیاست، معیشت کے برعکس سوسائٹی کے بالائی ڈھانچے کا ایک حصہ ہوتی ہے سیاست کسی طبقے یا کسی طبقے کے گروہ، سماجی گروہ۔ ریاست اور سماجی مظاہرات کے شعوری رویے کا نام ہوتی ہے جو بنیادی اور جاری شکل میں پیداواری تعلقات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سیاست نہ صرف اقتصادیات کی آئینہ دار ہوتی ہے بلکہ اس کی فطرت کا بھی مظہر ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں دنیا بھر کے محنت کشوں کے قائد نے بجا طور پر کہا تھا کہ سیاست معاشیات کی مرتکز اور مجتمع اظہار ہوتی ہے" لیکن سیاست اقتصادی مسائل سے بڑھ کر زیادہ اشیاء کا احاطہ کرتی ہے۔ ایک طبقاتی معاشرے میں تمام سماجی تعلقات انقلاب اور اقتدار، جنگ اور امن، عوام اور قومیں، تعلقات۔ نظریاتی ٹکراؤ اور دیگر تمام مظاہر کسی نہ کسی طرح سیاست کے ساتھ منسلک ہوتے ہیں، من حیث مجموعی، سیاست ایک فعال عنصر یا سماجی زندگی کا نام ہوتی ہے۔ طبقات اور مختلف سماجی گروپ مختلف اداروں اور تنظیموں یعنی سیاسی پارٹیوں، پریس، ریڈیو، ٹی وی اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھتے ہیں حکمران طبقے کی پالیسی سرِدست ریاست کے ذریعے نافذالعمل ہوتی ہے اور مخالف طبقات کی مخالفت کی جاتی ہے اور ریاست اور سیاسی پارٹیاں سیاسی جدوجہد کے مرکز میں باہم شیر و شکر ہوتی ہیں چند ایک بورژوا نظریہ ساز انارکسٹ مفکرین اور پیٹی بورژوا انقلابی سیاست کو جبر و تشدد کی حد تک نیچے لے آتے ہیں، جو ایک سنگین غلطی ہے۔ غلبے اور تسلط کے لئے بے شمار سیاسی شکلیں اور طریقہ ہائے کار موجود ہیں بلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ کوئی حکمران طبقہ اپنی آمریت کو برقرار رکھنے کے لئے مکمل طور پر جبر و تشدد سے دستبردار نہیں ہو سکتا لیکن جبر و تشدد ہی واحد شکل نہیں ہے۔ جس کے ذریعے اپنے نصب العین کو حاصل کیا جائے انقلابی طبقات کو نئی سوسائٹی کی تعمیر و تشکیل کے لئے جس قسم کی طاقت و قوت درکار ہوتی ہے وہ رجعت پسند طبقات سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی جو ہر نئی شے کو نیست و نابود کر دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے قوت و طاقت کا تعین اقتصادیات کرتی ہے۔ سیاست اس ضمن میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جب اس کے سوتے اقتصادیات و معیشت کے بطن سے پھوٹیں۔ تاریخی اصولوں سے متصادم سیاست ناکامی سے ہمکنار ہوگی۔ آخر طاقت کا استعمال تو ریاست بھی کرتی ہے۔

ریاست

ریاست سوسائٹی کے اندرونی ارتقاء کی پیداوار ہوتی ہے اور مادی پیداوار میں رونما ہونے والی

تبدیلیوں سے معرض وجود میں آتی ہے۔ جب ایک قسم کا طرز پیداوار دوسرے قسم کے طرز پیداوار کی جگہ لیتا ہے تو ریاستی نظام تبدیل ہو جاتا ہے۔ ریاست ہمیشہ کے لئے قائم و دائم نہیں ہے۔ ابتدائی معاشرے میں جہاں ذاتی ملکیت اور طبقات کا وجود نہیں تھا۔ وہاں ریاست کا نام و نشان نہیں تھا۔ ریاست کی تشکیل اور اس کا مزید ارتقا شدید طبقاتی جدوجہد کے ساتھ مربوط ہے۔ غیر طبقاتی معاشرے کی حتمی شکل میں جب طبقات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ طبقاتی سوسائٹی کی پیداوار ریاست خود بخود دم توڑ جائے گی۔ ایک ایسی سوسائٹی میں جہاں دشمنانہ طبقات موجود ہیں ریاست ایک سیاسی اوزار ہے جیسا کہ دنیا بھر کے مزدوروں کے قائد نے کہا تھا "ریاست ایک طبقے کی دوسرے طبقے کی حاکمیت کا تحفظ کرنے کی ایک مشین کا نام ہے"۔ ریاست مظلوم اور جبر و تشدد کے شکار لوگوں کو کچلنے کے لئے ایک ذریعہ ہے جو ان طبقوں کے ہاتھ میں ہے۔ جنہیں حاکمیت کا شرف حاصل ہے اور تمام ذرائع پیداوار ان کی ملکیت میں ہیں۔ ریاست جو واضح طور پر طبقاتی کردار کی حامل ہوتی ہے۔ بالائی ڈھانچے کا بنیادی حصہ ہوتی ہے۔ جس کی جڑیں اقتصادیات میں پیوست ہوتی ہیں۔ یہ بنیادوں کی حمایت اور استحکام کے لئے تمام ذرائع بروئے کار لاتی ہے، ریاست کی موجودگی میں پبلک پاور کا وجود انتہائی معقول بات ہے۔ یہ تمام تر آبادی کے مفادات کی نمائندگی نہیں کرتی لیکن اس طبقے کے مفادات کی نگہبان ہوتی ہے جو اقتصادی لحاظ سے غالب ہے اور اس کا زیادہ تر انحصار مسلح افواج، آرمی سرانڈوے (پولیس) پر مبنی ہوتا ہے تاکہ یہ عوام کی طاقت (پبلک پاور) کے خلاف مزاحمت کر سکے۔ ریاست استحصال پر مبنی غلامانہ، جاگیرداری اور سرمایہ دارانہ سوسائٹی میں اندرون ملک اور بیرون ملک مخالف طبقات اور ملکوں کے مقابلے میں حکمران طبقے کے مفادات کا تحفظ کرنے کا فریضہ ادا کرتی ہے۔ اس لئے ہر ریاست کے ذمے اندرون ملک اور بیرون ملک دو فریضے ہوتے ہیں۔ اندرون ملک فریضے ریاست کے سب فریضوں سے مقدم ہوتے ہیں۔ جن سے خارجہ پالیسی کے فریضوں کا تعین ہوتا ہے چنانچہ یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ کسی ملک کی خارجہ پالیسی دراصل اس ملک کی داخلی پالیسی کی توسیع ہوتی ہے۔ ریاست اپنے طبقات کے مفاد میں ایک دوسرے سے اختلاف بھی کر سکتی ہے۔ جن کی وہ ملازم ہوتی ہے یا جن اقتصادی بنیادوں کے ساتھ وہ منسلک ہوتی ہے۔ آج تک تاریخ میں چار قسم کی ریاستیں ملتی ہیں مثال کے طور پر غلامانہ جاگیرداری، سرمایہ داری اور سوشلسٹ ریاستیں، پہلی تینوں قسم کی ریاستیں جو استحصال کرنے والوں کے مفادات کی نگہبان ہوتی ہیں کے مقابلے میں سوشلسٹ ریاست حقیقی خلق ریاست کی طرح کی ایک نئی ریاست ہوتی ہے۔ پرولتاری ڈکٹیٹرشپ کی ریاست یا مزدوروں کی ریاست حقیقی معنوں میں ایک ایسی ریاست ہوتی ہے جو سرمایہ داری سے سوشلزم تک کے عبوری دور میں قائم ہوتی ہے۔ پرولتاری ریاست کی خاصیتوں میں سے ایک خوبی یہ ہوتی ہے کہ ایک سے زائد طرز پیداوار معیشت میں کارفرما ہوتے ہیں اور پرولتاری اور بورژوا یا استحصالی اور استحصال زدہ طبقات کے درمیان طبقاتی جنگ شدید ہوتی ہے۔ طبقاتی نظام کی طرف سماجی ارتقا کے بارے میں عظیم لینن نے کہا تھا:-

"پرولتاریہ ڈکٹیٹرشپ کے ذریعے آگے بڑھتا ہے اور اس کے بغیر وہ آگے نہیں بڑھ سکتے

کیونکہ سرمایہ دارانہ استحصال کرنے والوں کی مزاحمت کا خاتمہ کسی اور ذریعے سے کوئی اور لوگ نہیں کر سکتے ۔"

پارٹی

یہ بات بھی واضح ہے کہ پرولتاری ڈکٹیٹر شپ مزدور طبقے کی سائنٹیفک تھیوری سے لیس ورکرز پارٹی کے بغیر ناممکن ہے۔ پارٹی سوسائٹی کے کسی مخصوص طبقے کا ایک ادارہ، عنصر یا حصہ ہوتی ہے جو تمام طبقے کو متحد کرتی ہے، لیکن یہ صرف اس طبقے کے سب سے زیادہ فعال عناصر کو متحد کرتی ہے جو ان کی طبقاتی جدوجہد میں راہنمائی کرتا ہے اور ان کے طبقاتی مفادات کا تحفظ کرتا ہے یہ بات بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ متعدد پارٹیاں ایک استحصالی طبقے کی ترجمانی کرتی ہیں تاکہ محنت کشوں کو یہ دھوکا دیا جائے کہ ان کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں۔ استحصال پر مبنی سوسائٹی میں محنت کشوں کو دھوکا دینے کی خاطر بعض پارٹیاں یہ دعوے کرتی ہیں کہ وہ مزدوروں کے مفادات کا تحفظ کر رہی ہیں لیکن درحقیقت وہ بورژوا کی خدمت کرتی ہیں۔ بعض غیر پرولتاری پارٹیاں یقینی طور پر رجعت پسند دشمن پالیسیوں کے تحت کام کر رہی ہیں اور عوام کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ لیکن محنت کش طبقے اور دیگر محنت کش عوام کے مفادات کا تحفظ صرف ایک ہی پارٹی کر سکتی ہے جو مزدور طبقے کی اپنی پارٹی ہو اور تاریخ ساز آئیڈیالوجی سے بہرہ ور ہو۔ اس قسم کی پارٹی انتہائی مزدور طبقے کے منظم انتہائی اعلیٰ و ارفع حصے پر مشتمل ہوتی ہے جو اس کے اہم ترین مفادات کی علمبردار ہوتی ہے اور سائنٹیفک انقلابی آئیڈیالوجی سے لیس ہوتی ہے، اس قسم کی پارٹی استحصالیوں کی حکومت کا تختہ الٹنے کے مقصد کے لئے محنت کش طبقے کی جدوجہد اور پرولتاری ڈکٹیٹر شپ کے استحکام اور ایک انسان کے ہاتھوں دوسرے انسان کے استحصال سے پاک غیر طبقاتی سماج کی تعمیر کے لئے راہنمائی کرتی ہے

انقلاب

انقلاب کسی سوسائٹی کی زندگی میں بنیادی اور غیر مقداری تبدیلی کا نام ہے۔ لینن کہتے ہیں: "ہر انقلاب وسیع تر عوام کی زندگی میں بے پناہ اور فوری تبدیلی لاتا ہے۔ انقلاب کی فتح مندی کے لئے مروجہ معروضی حالات کا مساوی حالات کے باوجود ہونا ضروری ہے"، معروضی حالات کا مطلب بالائی طبقات میں شدید بحران اور مظلوم عوام کے غیر معمولی مطالبات اور ان کی محرومی میں مسلسل اضافہ جیسے حالات ہیں جو عوام کو ایک خود مختار تاریخی اقدام کی طرف آمادہ کرتے ہیں۔ عظیم لینن نے کہا تھا: "ان تمام معروضی حالات کو انقلابی صورتحال کا نام دیا جا سکتا ہے۔ سماجی انقلاب کے ساتھ ہی کسی معاشرے کی سماجی و اقتصادی ہیئت ترکیبی ایک اور سماجی و اقتصادی ہیئت ترکیبی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ کسی معاشرے کی مخصوص سماجی، اقتصادی اور استحصالی ڈھانچے میں تبدیلی لامحالہ طور پر پیداواری صلاحیتوں کے ارتقا کا نتیجہ ہوتی ہے لیکن ایک سوشلسٹ انقلاب دراصل ایک سماجی اقتصادی اور استحصالی ڈھانچے سے ایک ایسے سماجی اور اقتصادی ڈھانچے میں تبدیلی

ہوتا ہے جہاں انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کا وجود نہ ہو اسے سوشلزم کہا جاتا ہے۔ سوشلسٹ انقلاب اس وقت تک ممکن نہیں ہوگا جب تک کہ انقلابی حالات نہ ہوں اور محنت کش طبقہ کی آئیڈیالوجی سے بہرہ ور پرولتاری پارٹی شعوری طور پر جدوجہد نہ کرے۔ اس لئے سوشلسٹ انقلاب اپنے انقلابی راہنما کی زیر قیادت مزدور طبقے کا تاریخی مشن ہوتا ہے۔"

ان مندرجہ بالا سائنٹیفک اور فلسفیانہ حقائق کی روشنی میں اب ہم افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کے تاریخی واقعات ماقبل از انقلاب شواہد کا جائزہ لیں گے اور سائنٹیفک سوشلزم کے اصول وضوابط کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کو ممتاز سکالروں کے سامنے مطالعہ و تجزیہ کے لئے پیش کریں گے۔ افغانستان کی تاریخ میں یہ بات مرقوم ہے کہ ہمارے بہادر عوام نے امپیریلزم اور نوآبادیاتی نظام کے ظلم و تشدد کے خلاف قربانیوں سے بھرپور جدوجہد کی ہے جس پر ہمارے بہادر بچے فخر کر سکتے ہیں۔ افغانستان کے عوام نے یہ بہادرانہ جدوجہد چوری چھپے کی ہے اور بعض اوقات کھلے بندوں۔ بعض اوقات منظم حملے کئے ہیں۔ بعض اوقات اکا دکا خودرو ہڑتالوں کی صورت میں بعض اوقات باقاعدہ شکل میں جدوجہد کی ہے اور بعض اوقات بے قاعدہ طور پر، لیکن قربانی کے جذبے سے سرشار ہمارے عوام کی جدوجہد کسی ایسی پارٹی کی مرہون منت نہیں رہی جو کسی مخصوص طبقے کی نمائندگی کرتی ہو۔ حتیٰ کہ ۱۹۵۰ء کے بعد بھی یہ حالت تھی کہ پارٹی کا لفظ ان کی جدوجہد کی تاریخ میں کبھی حقیقی معنوں میں استعمال نہیں تھا۔ اس سلسلے میں ہمارے قائد جناب نور محمد ترہ کئی کا رول سب سے زیادہ تھا۔ اس کا بہترین ثبوت "انگار" نامی جریدہ تھا۔ جس کی اشاعت کا بیڑہ "ویش ظلمیان پارٹی WEESH ZALMAYAN PARTI" نے اٹھایا تھا اور جناب نور محمد ترہ کئی اس میں فعال کردار ادا کرتے تھے اور یونہی سیاست کا حقیقی مفہوم اجاگر ہوا کیونکہ ملک کے اندر حکمران ٹولوں اور حکمران طبقوں کی لیڈرشپ کے خلاف جدوجہد بڑھ رہی تھی اور ہمارے عوام جاگیردار حکمرانوں کے جبر و تشدد سے اپنے آپ کو بچانے کی خاطر شعوری طور پر بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ ان ہی دنوں سیاست نے رائے عامہ کو مختلف ملکی طبقات اور معیشت کے درمیان رابطے کے طور پر اپنی طرف متوجہ کیا جس کا سب سے زیادہ کریڈٹ ہمارے محبوب قائد کو جاتا ہے۔ بیسویں صدی کی چھٹی دہائی کے خاتمے اور ساتویں دہائی کے آغاز پر جناب نور محمد ترہ کئی نے افغان سوسائٹی کے مکمل ادراک اور محنت کش طبقہ کی آئیڈیالوجی پر گہرے عبور کے باعث کچھ اس طرح تخلیقی نظریے میں سماجی پہلوؤں کو متعارف کرایا کہ افغانستان میں جاگیرداری شاہی حکومت کر رہی ہے اور پیداواری قوتوں کے اضافے کے مقابلے میں محنت کش طبقے کی تعداد میں کمی کے پیش نظر ان خطوط پر سوچنا شروع کیا کہ محنت کش طبقے کی سائنٹیفک تھیوری کے عمومی اصولوں کا اطلاق ہماری سوسائٹی کے مخصوص حالات پر مناسب غور و فکر کے بعد کیا جائے۔ اس وقت جب کہ سرمایہ داری سے سوشلزم تک کے راستے میں محنت کش طبقے کا کردار موضوع بحث نہیں ہو سکتا تھا کامریڈ نور محمد ترہ کئی مزدوروں کی پارٹی "پیپلز ڈیموکریٹ پارٹی آف افغانستان" کی بنیاد رکھی اور حقیقی معنوں میں سیاست کو پروان چڑھایا جس کا مطلب یہ ہے کہ سیاسی اقتدار کے حصول کے لئے مختلف طبقات کے مفادات کا ٹکراؤ منظر عام پر آیا۔ اگر ہم حقیقت پسندانہ نقطۂ نگاہ سے سوچیں تو نور محمد ترہ کئی کا ادراک

دنیا بھر کے ان عوام کے لئے جذبۂ محرکہ کی حیثیت رکھتا ہے جہاں غالباً افغانستان سے ملتے جلتے حالات ہیں
کیونکہ نور محمد ترہ کئی نے جان لیا تھا کہ جاگیردارانہ ماحول میں استحصالی حکومت کے خلاف جدوجہد ملک
کی ورکرز پارٹی کے باعث ممکن ہے انہوں نے بادشاہت کے دوران جابرانہ حالات کے خلاف کچھ اس
طرح ردعمل اختیار کیا کہ انہوں نے محنت کش طبقے کی نئی طرح کی پارٹی کی پہلی کانگریس کے انعقاد کو ممکن بنا دیا۔
چنانچہ افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کی پہلی کانگریس ان کی اپنی رہائش گاہ کرتہ چار بر جدی دوم ۱۳۴۳ مطابق
یکم جنوری ۱۹۶۵ء کو منعقد ہوئی۔ اس کانگریس میں کامریڈ نور محمد ترہ کئی کو متفقہ طور پر سنٹرل کمیٹی کا رکن چن لیا گیا اور
سنٹرل کمیٹی کے پہلے اعلیٰ اختیاراتی اجلاس میں افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کا سیکرٹری جنرل
چن لیا گیا۔ انہوں نے افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کے تمام ارکان کو آج تک اپنے فرائض کی بجا آوری
کے لئے متحرک رکھا ہے۔

ہمارے اسی کامریڈ نے افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کے نام کا تعین کرنے میں فیصلہ کن کردار
ادا کیا تھا جو پرولتاری نوعیت کی پارٹی ہے کانگریس کی میٹنگ کے بعد نور محمد ترکئی نے
مندرجہ ذیل تین نکات پر بار بار زور دیا۔

طبقاتی جدوجہد میں مزید شدت پیدا کرنا۔ محنت کش طبقے کی سائنٹیفک تھیوری کو مزید استعمال کرنا۔
اور محنت کش طبقے کی سائنٹیفک تھیوری کے فلسفیانہ حصے کو مقبول بنانے پر زور دینا۔ ہماری پارٹی کے
کامیاب تجربات نے ہمارے راہنما کی طرف سے مندرجہ بالا تینوں نکات پر زور دینے کی صداقت کو ثابت کر دیا
ہے اور اسی وجہ سے یہ اصول افغانستان سے ملتے جلتے تمام ممالک کے حالات پر قابل اطلاق ہیں۔ ہماری پارٹی کی جدوجہد
کے دوران ہم سب عوام کے رویے اور ہماری سوسائٹی کی تعمیر و تشکیل کا مطالبہ کرنے میں
مصروف رہتے ہیں۔

نور محمد ترکئی ہمیشہ تمام مسائل کے میزانوں اور معیاروں کو پرکھا کرتے۔ وہ جب تک قائل نہ ہو جاتے کوئی حکم صادر نہیں کرتے تھے۔
مزید براں انہوں نے نادرخاندان ظالم بادشاہت کی سماجی نوعیت اور طبقے کی تشخیص پر بہت زیادہ توجہ دی
اور اس کی فطرت کی پہچان کرنے پر مکمل طور پر عبور حاصل کیا۔ انہوں نے ریاست کے تمام کلاسیک تجزیوں پر غور و
فکر کیا۔ انہوں نے خصوصی طور پر ریاستی قیادت کے امپیریلزم اور رجعت پسندی کے ساتھ رشتے پر توجہ دی۔

چونکہ وہ پورے افغانستان میں طبقاتی جدوجہد کو تیز کرنے پر پوری توجہ دے رہے تھے اس
لئے انہوں نے پارٹی کے اندر طبقاتی نوعیت اور سماجی تعلقات کے اظہار پر نظر رکھی اور انہوں نے پارٹی کے
لئے ایسے حالات پیدا کئے کہ وہ حکمران ٹولوں کی مذمت کر سکے۔ اگرچہ ظالم ریاست نے ملک کی
پرولتاری تحریک کی قیادت درباریوں کے چہیتے لوگوں کے ہاتھوں میں دینے کی ناکام کوشش کی، لیکن
نور محمد ترکئی نے عوام پر مکمل اعتماد کیا اور محنت کشوں کے فرزندوں کی بے پناہ عملاً حمایتوں کے
باعث جاگیرشاہی ریاست کی قیادت کو یہ موقع بہم نہ پہنچ پایا کہ اس سلسلے میں ان کی کوششیں پایۂ تکمیل
تک پہنچ سکیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ حقیقی کامریڈوں کے ذہن میں ہمیشہ طبقاتی نظریات سموتے رہے اور

قابلِ فخر دوروں کے ذریعے طبقاتی جدوجہد کو مزید تیز کرنا چاہتے تھے۔ ہمارے عظیم کامریڈ نے انقلابی طبقاتی جدوجہد میں پارٹی کے ہراول کی قدر و قیمت اور اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا۔ انہوں نے پارٹی کے ہراول کو عوام الناس کی خودرو تحریک تک محدود نہ کیا۔ انہیں یقین تھا کہ پارٹی کی مخصوص طبقاتی جدوجہد کی مدد سے افغانستان کے محنت کش عوام کی حمایت حاصل کی جاسکتی ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ ملک میں خودرو تحریک جنم لے رہی ہے۔ اس لئے اگر پارٹی قیادت کرنے کے لئے ارتقائی حالات کا انتظار کرتی رہی، تو انقلاب پیچھے چلا جائیگا وہ اکثر یہ تجویز کیا کرتے تھے کہ جب بھی کسی محنت کش کے ہاں بچے پیدا ہوں تو اس کے کانوں میں طبقاتی جدوجہد کی مدھم آواز سنائی جانی چاہیئے۔ ہمارے ممتاز کامریڈ نے قابلِ فخر پارٹی کی جدوجہد کے آغاز سے پارٹی کی قیادت کرتے ہوئے محنت کش طبقے کی پرولتاری ڈکٹیٹر شپ کے لئے جدوجہد پر زور دیا۔ ہماری سوسائٹی کے موجودہ حالات پر مناسب توجہ دیتے ہوئے وہ جمہوری تحریک کی قیادت غیر پرولتاری طبقات یا حصوں کے ہاتھوں میں دے دینے پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اس کے برعکس انہیں محنت کش طبقہ کی لیڈر شپ میں دلچسپی تھی، جس کی نمائندگی افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کرتی تھی۔

وہ محنت کش طبقے کی پارٹی پر اعتماد پر بہت زیادہ زور دیا کرتے تھے۔ میں آپ تمام کامریڈوں اور مجاہد دوستوں کی توجہ اس حقیقت کی طرف دلاتا ہوں کہ محنت کش طبقے کی تمام تر جدوجہد میں مزدوروں کی پارٹی عوام کی انقلابی تحریک کی راہنمائی کرتی ہے۔ لیکن ہمارے عظیم انقلابی کامریڈ انقلابی اصولوں کی روشنی میں عوام کی خودرو تحریک کے اس ارتقائی مرحلے تک انتظار کرنے میں یقین نہیں رکھتے تھے کہ اس وقت پارٹی آگے بڑھ کر قیادت کرے، اس کے برعکس انہیں پختہ یقین تھا کہ پارٹی کو عوام کی عملی اور فعال حمایت حاصل کرنی چاہیئے۔ جب پارٹی انقلاب کا آغاز کرے تو عوام بھی اس پر اعتماد کریں گے اور اس صورت میں یہ انقلاب بپا کرے گی تو عوام اس کی حمایت اور دفاع میں حصہ لیں گے۔ ہمارے عظیم قائد کا یہ نظریہ ثور انقلاب میں بھی صحیح ثابت ہوا اور اس جدلیاتی اصول پر چلنے سے دیگر تمام ملکوں کے عوام کی فتح کے لئے بھی ایک واضح ثبوت مل سکتا ہے۔ جہاں افغانستان سے ملتے جلتے حالات ہوں۔ امپریلزم اور رجعت پسندوں نے خلقی تحریک کو کچھ اس انداز سے مسموم کرنے کی کوششیں کیں کہ ایک طویل عرصے تک انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال سے پاک حکومت کا راستہ ناممکن بنا دیا جائے۔ لیکن پارٹی کے انقلابی نقطۂ نظر کی قوت نے جسے عوام کی بے پناہ حمایت حاصل تھی، اس اصول کو عملی جامہ پہنا دیا کہ پارٹی انقلاب کی کامیابی کے لئے وسیع تر عوام کی حمایت حاصل کر سکتی ہے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اس نمونے کو اپنایا جائے گا۔ کیونکہ افغانستان جیسے حالات رکھنے والے ممالک میں اس کی صداقت پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ افغانستان کے عوام کی سماجی زندگی میں ہمارے رفقاء نے اقتدار کا بنیادی نکتہ پہچان لیا تھا، جو ایک جابر ریاست کا تختہ الٹ سکتا تھا۔ قبل ازیں تمام ممالک میں محنت کش طبقے کی انقلابی قوت پرولتاریہ ہوا کرتے تھے اور آج بھی یہی حالات ہیں۔ پرولتاری انقلابی جدوجہد کو اس طرح ہاتھ میں لیا جاتا تھا کہ پرولتاریہ کی توسیع کے لئے حالات سازگار بنائے جائیں۔ اس عمل کو اس انداز کے ساتھ آگے بڑھایا جاسکتا ہے کہ پرولتاری طبقاتی شعور کے ذریعے پرولتاری انقلاب کی فتح حاصل کی جائے۔ ریاست کا تختہ الٹا جائے اور

مسلح افواج کو ملیا میٹ کر کے از سرِ نو تعمیر کی جائے ــــ لیکن ہم نے یہ جان لیا تھا کہ افغانستان کی ترقی پذیر سوسائٹی میں پرولتاری انقلاب فوج کو محنت کش طبقے کی سائنٹیفک آئیڈیالوجی کے ذریعے ذہنی طور پر تیار کر کے اور محنت کش طبقہ کے ساتھ اس کی نئی طرح کی تنظیم کر کے برپا کیا جا سکتا ہے جس میں فوج جابر و ظالم ریاست کا تختہ الٹنے کا بنیادی رول ادا کرے اور پرولتاریہ اس کی امداد کریں۔

فوج کو شکست نہیں دینی چاہیئے۔ لیکن اس کو خلقی اور انقلابی بنانا چاہیے ــــ ہم نے ... یہی کیا اور اسی طرح پارٹی کی راہنمائی کی، جس کی کہ ہمیں عظیم ثور انقلاب میں فتح ہوئی ــــ ہم نے افغانستان سے ملتے جلتے حالات رکھنے والے معاشروں میں انقلابات برپا کرنے کے مروجہ حالات پر خصوصی توجہ دی انہیں یہ معلوم ہوا کہ پرولتاری تحریک کو جلد از جلد طاقتور بنانے کے لئے سب سے زیادہ بنیادی عناصر میں ایک یہ تھا کہ پارٹی سیاسی اور سماجی معاملات میں ایمان داری سے کام لیتی تھی اور لیڈر شپ کے ارکان کی پاک بازی شک و شبہے سے بالا تر تھی۔

ہمارے ممتاز رفقا ء کو افغانستان میں موجودہ سماجی حالات کا بھرپور ادراک تھا اور انہیں یقین تھا کہ ترقی پذیر ممالک کے مروجہ حالات میں عوام کا عدم اطمینان ان کے ناقابلِ چیلنج رویے میں پوشیدہ ہے اور یہ کہ محنت کش طبقے کی نئی طرز کی پارٹی عوام کی جمہوری اقدار اور مثبت روایات کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے عوام کی مکمل حمایت کر سکتی ہے۔ ہمارے   نے مکمل طور پر یہ جان لیا تھا کہ افغانستان کی طرح ترقی پذیر ممالک میں جو ابھی تک سرمایہ دارانہ نظام کے امپیریلسٹ مرحلے میں داخل نہیں ہوئے۔ پرولتاری حکومت کے قیام کیلئے حالات خصوصی کردار کے حامل ہیں، بالخصوص اس حقیقت کو تسلیم کیا جانا چاہیئے کہ ایک پرولتاری ریاست جو ایک جاگیردارانہ سوسائٹی میں نئی طرح کی مزدور پارٹی کے ذریعے قائم کی جاتی ہے۔ وہ ایک ایسی ریاست ہوتی ہے جو جاگیرداری سے سوشلزم کی طرف جانے کا عبوری درجہ رکھتی ہے نہ کہ سرمایہ داری سے سوشلزم کی طرف ــــ یوں مذکورہ سوسائٹی بیک وقت تاریخ کے دو مرحلوں کو پیچھے چھوڑ جاتی ہے اور ہماری خلقی ریاست اس طرح پرولتاری حکومت کی بہترین اور اولین مثال ہے۔ کامریڈ نور محمد ترہ کئی کا ایک اور تخلیقی پہلو یہ تھا کہ وہ پارٹی کے مجاہد ارکان کی اہمیت کو تسلیم کرتے تھے اور ان کے کام کی رفتار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان کے بارے میں اچھا رویہ رکھتے تھے۔ انہوں نے کبھی تخریبی رویہ اختیار نہ کیا اور ہمیشہ تعمیری سرگرمیوں کے امکان کو بہت زیادہ اہمیت دی۔ وہ ہمیشہ انقلابی سرگرمیوں پر پوری توجہ دیتے تھے اور نوجوانوں کی تربیت پر زور دیتے تھے۔ وہ ہر آدمی کی طبقاتی فطرت پر گہری نظر رکھتے تھے اور افغانستان جیسے ممالک میں ان کے سماجی تعلقات کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ وہ پارٹی کی کارروائیوں میں نظریہ پرست نہیں تھے۔ وہ پارٹی کی سرگرمیوں کا راستہ موجودہ حالات کی روشنی میں متعین کیا کرتے تھے۔ یوں پارٹی ثور انقلاب میں فتح مند ہوئی اسلئے آج ہماری پارٹی کو اپنے عظیم قائد کی لیڈر شپ کا اعزاز حاصل ہے۔

کامریڈ نور محمد ترہ کئی ہمیشہ جد و جہد کی مختلف شکلوں کو مدِ نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے پارٹی میں کبھی اطاعت پسندی کے روز افزوں رویے کے امکان کا راستہ کھلا نہ چھوڑا۔ وہ ہمیشہ پارٹی میں انتہا پسندی کی ہر شکل

کو کنٹرول کیا کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ مسائل کو جدلیاتی انداز میں دیکھا کرتے تھے۔ وہ انقلاب برپا کرنے کے لئے گوریلا طرزِ جنگ کے ساتھ اتفاق نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ بات افغانستان جیسے حالات رکھنے والے ممالک میں نئی طرز کی پارٹی کے نظریوں کے خلاف تھے۔

وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ سیاہ فام رجعت پسندوں کی امپریلزم کے ساتھ استحکام کی تاریخی مثال کو مدِنظر رکھتے ہوئے گوریلا طرزِ جنگ میں (پولیٹیکل پاور) سیاسی قوت کہیں راستے میں ہی ضائع ہو جاتی ہے۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ وہ صرف پُرامن جدوجہد میں ہی یقین رکھتے تھے۔ لیکن وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ پارٹی کو اس انداز میں تیار ہو جانا چاہیئے کہ انقلاب دن دہاڑے برپا ہو اور فتح حاصل کرے۔ سیاسی اقتدار براہ راست طور پر پرولتاریہ کی نمائندہ افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کے ہاتھوں میں منتقل ہو جو ملک میں مزدوروں کا ہراول دستہ ہے چنانچہ ثور انقلاب کے درمیان یہی واقعہ رونما ہوا۔

درباریوں اور امراء و شہزادوں کے چہیتے لوگوں نے پارٹی کے اندر نور محمد ترکئی کی اس پالیسی کی مخالفت کی، بادشاہت کی مکمل حمایت کے بل بوتے پر وہ پارٹی سے الگ ہو گئے اور ہمارے عظیم قائد اور قابلِ فخر پارٹی کے خلاف سخت جدوجہد شروع کر دی۔ لیکن چونکہ ان کا تجزیہ افغانستان جیسے حالات رکھنے والے ممالک کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ تھا۔ اسلئے نادر اور داؤد کے درباریوں کے بیٹوں کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ بادشاہت اور سامراجیت نے متحد ہو کر کئی ایک بار عوامی جمہوری پارٹی کو کمزور بنانے کی خاطر اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ معروف ترین عناصر کو ہمارے عظیم قائد کی طرف سے الگ کر دے تاہم ہر موقع پر جب کبھی ایسے لوگوں نے ہماری پارٹی چھوڑنے کا ارادہ کیا، تو افغانستان کے عوام میں ہمارے قائد کی مقبولیت اور بڑھ گئی اور اس کی صفوں میں توسیع ہوئی۔ ہمارے عظیم قائد نے اپنی سوسائٹی کے مکمل شعور سے بہرہ ور ہونے کے باعث تمام ارکان پارٹی اور تنظیموں کو ہر مرحلے پر کامیاب رہنمائی بہم پہنچائی۔ کئی ایک موقعوں پر انہوں نے ظاہر داؤد حکومتوں کے نشانوں سے پارٹی کو دشمنوں کی خواہشات کے برعکس بچایا اور ایک موقع ایسا آیا کہ ہماری پارٹی کا رول مسلح افواج میں اتنا مضبوط ہو گیا کہ وہ داؤد حکومت کا خاتمہ کرنے کے قابل ہو گئی تھی۔ ہمارے محبوب قائد ملک کے مزدور طبقے کی ہراول دستہ عوامی جمہوری پارٹی کے مستحکم ڈسپلن میں گہری دلچسپی لیتے تھے اور جمہوری مرکزیت کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ ہمارے قابل احترام کامریڈ بذات خود عوام میں مقبولیت اور کشش کا باعث بھی تھے اور پارٹی کے ارکان کے درمیان استحکام کی علامت تھے۔ جیسا کہ مایاکوفسکی نے وی آئی لینن کے بارے میں کہا تھا" لینن اور پارٹی جسم اور روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیا روح اور جسم کو ایک دوسرے سے جدا کیا جا سکتا ہے۔ جب ہم پارٹی کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ہم لینن کے بارے میں بات کرتے ہیں۔ جب ہم لینن کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ہم پارٹی کے بارے میں بات کرتے ہیں، یہ تعریفی جملہ کمیونسٹ پارٹی آف سوویت یونین کی انتہائی مرکزیت کو ثابت کرتی ہے جو اپنے عظیم قائد کی ذات میں مجتمع نظر آتی ہے۔ جس کے طاقتور ڈسپلن کے باعث انقلابِ اکتوبر کامیابی سے ہمکنار ہوا اور اپنے ثمرات کا دفاع کیا۔ ہم بھی اپنے عظیم قائد کے سچے مقلد ہونے کی حیثیت سے ہمارے عظیم ثور انقلاب کی فتح اور اس کے ثمرات کا دفاع کرنے میں ہمیشہ متحد رہیں گے اور اپنے قابل احترام قائد کے گرد جمع رہیں گے اور پارٹی ڈسپلن

کے بارے میں ہم یہ کہتے ہیں :۔

"پارٹی اور ترہ کئی جسم اور روح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیا جسم کو روح سے جدا کیا جاسکتا ہے؟
جب ہم پارٹی کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ہم ترہ کئی کے بارے میں بات کرتے ہیں۔ جب ہم
ترہ کئی کے بارے میں بات کرتے ہیں تو ہم پارٹی کے بارے میں بات کرتے ہیں ــــــــ"

یہ کہ ایک دنیا بھر کے پرولتاریہ کا عظیم قائد ہے اور یہ افغانستان کے محنت کش عوام کا عظیم قائد ہے۔

دونوں قائدین نے دو عظیم پرولتاری انقلابات کی راہنمائی کی جو انسانیت کی تاریخ میں پہلے پرولتاری انقلاب
تھے اور اپنی فتح کے بعد سیاسی اقتدار مزدوروں کے ہاتھوں میں منتقل کر دیا۔ ایک کا نام عظیم سوشلسٹ اکتوبر
انقلاب تھا اور دوسرے کا نام عظیم خلقی ثور انقلاب تھا۔ عظیم اکتوبر انقلاب نے دنیا بھر میں ہلچل مچا دی لیکن
عظیم ثور انقلاب نے ایشیا کے اس خطے میں ہنگامہ بپا کر دیا ہے، اکتوبر انقلاب کے بعد دنیا کی چودہ سامراجی
اور رجعت پسند حکومتوں نے مل کر اکتوبر انقلاب کی سرزمین پر اپنی فوجیں اتار دی تھیں۔ لیکن آج بھی بڑی سامراجی
طاقتیں، دائیں اور بائیں بازو کے انتہا پسندوں نے متحد ہو کر ثور انقلاب کے خلاف سازشیں شروع کر دی ہیں
انہوں نے سوویت یونین میں انقلاب اکتوبر کے خلاف مسلح مداخلت کی تھی، کیونکہ سوویت یونین کا اس وقت اپنی
طرح کا کوئی دوست نہیں تھا اور اس کے ہمسائے میں کوئی سوشلسٹ حکومت نہیں تھی۔ لیکن آج
ثور ثور انقلاب کی سرزمین پر کسی جارح کی طرف سے اس قسم کی فوجی مداخلت ناممکن ہے۔ کیونکہ گذشتہ ساٹھ
برس سے سوویتوں کے بڑے ملک سے اس کی دوستی قائم ہے اور اسے پرولتاری حکومتوں، تمام تر دنیا کے
مزدوروں اور محنت کشوں کی حمایت حاصل ہے۔

عظیم اکتوبر انقلاب کو دنیا بھر کے مزدوروں کی حمایت حاصل ہے اور یہ بین الاقوامی پرولتاریہ اور
عالمی محنت کش تحریک کے لئے کامیاب ترین جذبہ محرکہ ہے۔ اس خطے کے محنت کش ثور انقلاب کو سرحدوں کے
امتیاز کے بغیر حمایت کرتے ہیں۔ وہ اپنے ممالک کے سماجی و اقتصادی نظام کو مدنظر رکھتے ہوئے اور فتح یاب
ثور انقلاب کے اصولوں کو درست سمجھتے ہوئے اور طبقاتی اخوت و بھائی چارے کے احساس سے سرشار ہو کر
اس کا دفاع کرتے ہیں۔

سوشلسٹ ملک کے عظیم لیڈر نے جہاں اکتوبر انقلاب رونما ہوا تھا، پہلی دفعہ اس کا اعلان کیا اور
داخلی و خارجی پالیسی کے درمیان منطقی رابطے کو اجاگر کیا۔ ثور انقلاب کے عظیم قائد نے بھی افغانستان اور
سوویت یونین کے درمیان دوستی اور ہمسائیگی کے معاہدے پر دستخط کر کے سو سے زائد غیر ملکی سفارتی نمائندوں
کے سامنے یہ اعلان کیا کہ آج ہم نے ایک ایسے معاہدے پر دستخط کئے ہیں جس کا مقصد کسی اور ملک پر جارحیت
کا مرتکب ہونا ہرگز نہیں ہے، بلکہ اس کا واحد مقصد عالمی امن کا دفاع کرنا ہے۔ صرف امن کے دشمن ہی اس
پر آنسو بہا رہے ہیں۔ یوں عوامی جمہوریہ افغانستان کی خارجہ پالیسی اس کی اندرون ملک داخلی پالیسی کے
سلسلے کی ایک کڑی ہے جو دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں کسی قسم کی جارحیت یا مداخلت کی بھرپور
مخالفت کرتی ہے۔ سوویت یونین کے ساتھ ہماری گہری دوستی اور ہمسائیگی ہے جو باہمی خود مختاری و آزادی

کے احترام اور ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کے اصولوں پر مبنی ہے اور ہمارا باہمی اعتماد ساٹھ برس کی رفاقت کا نتیجہ ہے۔ افغانستان کے محنت کش عوام بھارت کے عوام کے ساتھ مدت مدید سے دوستانہ وابستگی رکھتے ہیں اور ان کی ترقی کے لئے مخلصانہ تمنائیں رکھتے ہیں۔ ہم اس بات میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں کہ پاکستان کے ساتھ صرف پختون اور بلوچوں کے قومی مسئلے پر سیاسی اختلاف کو دوستانہ اور آبرومندانہ بات چیت کے ذریعے دونوں ممالک کے برادر عوام کے مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے مثبت نتیجے کے ساتھ حل کیا جائے تاکہ علاقائی اور عالمی امن کو فائدہ پہنچے۔ ہمارے بہادر اور محنت کش ایرانی بھائیوں نے افغانستان کے تمام تر محنت کش عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی ہے اور ہمیں بین الاقوامی سامراج اور رجعت پسندوں کی ایران کے محنت کش عوام کے اندرونی معاملات میں مداخلت پر گہری تشویش ہے۔ ہم ان نبرد آزما عوام کے اتحاد و استحکام اور فتح و کامرانی کے متمنی ہیں۔ کامیاب ثور انقلاب اور ہماری خلقی ریاست خود بخود اس خطے اور دنیا بھر کے مزدوروں، کسانوں اور محنت کش عوام کی حمایت و تعاون سے فیض یاب ہو رہے ہیں

ہم ایک لمحہ کے لئے بھی ان کی تاریخی جدوجہد کو فراموش نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمارے خطے کی جدوجہد آزادی کو اور بھی تیز کرنے کا سبب سے زیادہ اعزاز خود ان کے لئے بھی باعثِ افتخار ہے۔ عظیم ثور انقلاب ان کے لئے ایک بہترین مثال ہے اور ان کے ساتھ ہم طبقاتی جذبات اور اخوت کا احساس رکھتے ہیں۔ اس خطے کے محنت کش عوام کے حکمرانوں اور استحصالی لوگوں کو یہ بات جاننی چاہیئے کہ ثور انقلاب کی فتح و کامرانی ہمارے لئے اور اس خطے کے محنت کش عوام کی مضبوطی خود ان کے لئے باعث صد افتخار ہے جس پر ہم بھی نازاں ہیں۔ یہ سب حقائق تمام تر عوام دشمنوں کے لئے گہری تشویش کا سبب ہیں۔ چاہے وہ نام نہاد مسلمان ہوں یا شرفائ کے فرزند ہوں۔ پر نیلوں اور درباریوں کے نورِ چشم ہوں، سامراج کے نوکر ہوں یا خواہشوں کے اسیر بائیں بازو کے انتہا پسند ہوں ناعاقبت اندیش نیشنلسٹ ہوں یا فاشزم کی طرف مائل شاونسٹ ہوں۔ یہ تمام امپیریلزم اور رجعت پسندی کے زیر سایہ بیٹھ کر ہماری خلقی ریاست کے خلاف پر فریب پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ وہ متحد ہو کر یک طرفہ پروپیگنڈہ کرنے اور جھوٹے الزام لگانے میں لگے ہوئے ہیں۔

ایک دفعہ پھر یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ہماری خلقی ریاست افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کے مینی فیسٹو اور ثور انقلاب کے اعلیٰ مقاصد کے مطابق عوام کی خدمت کر رہی ہے اور اسے ان کی مکمل حمایت حاصل ہے اگر ہمارے دشمنوں میں حب الوطنی کا ذرا سا بھی شائبہ ہے یا پھر ان میں انسانی ضمیر کی کوئی معمولی سی رمق بھی ہے تو انہیں تنقید کرنی چاہیئے اور ہمارے کردار میں خامیوں کی نشاندہی کرنی چاہیئے چاہے وہ ہمارے اقوال پر ہوں یا ہمارے منصوبوں پر۔ اگر ان میں انسانی یا اخلاقی جرأت ہوتی تو وہ کبھی عوام کو جعلسازی کے ذریعے ہمارے خلاف جدوجہد کی حکمت عملی کا منصوبہ تیار نہ کرتے، وہ عوام کے سامنے جھوٹ ہرگز نہ بولتے اور ہمیں موردِ الزام نہ ٹھہراتے۔ ہم افغانستان میں موجود تمام عزیزوں، ثور انقلاب اور خلقی ریاست ریاست کے تمام دوستوں اور دشمنوں کو یہ اعلانیہ چیلنج پیش کرتے ہیں کہ وہ آگے بڑھ کر ہمارے اقوال و اعمال میں نقائص اور خامیوں کی نشاندہی کریں۔ ہم عوام کی آگہی پر اعتماد کرتے ہیں، نہ کہ انہیں بے وقوف بنانے اور گمراہ کرتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ

ہمارے عوام اپنی منزل مقصود سے زیادہ آگاہ ہوں گے اور اپنے نصب العین کی طرف واضح اور درست رول جاری رکھیں گے۔ یہ صرف نام نہاد مسلمان ہی ہیں جو پاک اسلامی مذہب پر بھی ایمان نہیں رکھتے حالانکہ وہ اس کے دعویدار ہیں۔ وہ اس کے اعلیٰ و ارفع مقاصد کی مخالفت کرتے ہیں اور ہمارے محنت کش عوام کے دشمنوں کی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ ہمارے عوام آجکل اپنے ملک، ماحول، زمین اور آسمان کے مالک ہیں۔ الغرض جو کچھ ہمارے افغانستان میں موجود ہے وہ ہمارے محنت کش عوام کا اپنا ہے، اس لئے ہم کہتے ہیں:-

افغانستان کے بہادر عوام زندہ باد!

افغانستان کے عظیم قائد زندہ باد!

افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی کی فتح ہو۔

دنیا بھر میں امن، جمہوریت اور سماجی ترقی کی فتح ہو۔

افغانستان میں سردار داؤد خان کی حکومت کے خاتمہ اور قومی جمہوری اقتدار کے قیام کو دو مہینے ہو چکے ہیں۔ اس دوران نئے ریاستی اقتدار کو خاصہ مستحکم کر لیا گیا ہے اور متعدد اہم جمہوری اور فلاحی اقدام کا اعلان کیا گیا ہے۔ شاہی خاندان کی ملکیت ضبط کر لی گئی ہے۔ سرکاری مشینری میں سے نادر شاہی عوام دشمن عناصر کی تطہیر کا کام تیزی سے شروع کر دیا گیا ہے۔ پرائمری سطح پر تعلیم مفت اور لازمی قرار دی گئی ہے جبکہ باقی سطحوں پر تعلیم ـــ صرف مفت کر دی گئی ہے۔ مفت علاج معالجہ کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ بعض بنیادی ضرورت کی اشیاء کی قیمت میں کمی کر دی گئی ہے اور باقی اشیاء کی قیمتوں کو بڑھنے سے روک دیا گیا ہے۔ صدر نور محمد ترہ کئی نے ایک نشری تقریر میں تیس نکاتی پروگرام کا اعلان کیا ہے۔ جس سے افغانستان کے انقلاب کے قومی جمہوری کردار کی ترجمانی ہوتی ہے۔

پوری دنیا کی نظریں اس وقت افغانستان پر مرکوز ہیں۔ افغانستان کی حکومت اور افغان عوام اپنے ملک میں انقلابی تعمیر نو کرنے میں کسی حد تک اور کتنا جلدی کامیاب ہوتے ہیں۔ اس کا اثر اس خطہ، عالم اسلام اور تیسری دنیا پر ہوگا۔ چنانچہ افغان انقلاب کے کردار، اس کی حکمت عملی، اس کے محرکات اور نتائج پر سنجیدہ بحث کا آغاز ہو گیا ہے اور یہ بحث کافی عرصہ تک جاری رہے گی۔

افغان انقلاب کے سلسلہ میں جو سب سے اہم سوال اٹھایا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ کیا سردار داؤد کے اقتدار کے خاتمہ اور جمہوری خلق پارٹی کی قیادت میں انقلابی کاؤنسل کے برسر اقتدار آنے کو "انقلاب" کا نام دیا جا سکتا ہے؟ کیا فوج کے بعض انقلابی خیالات رکھنے والے افسروں اور جوانوں کی کامیاب مسلح بغاوت کو "انقلاب" کا درجہ دیا جا سکتا ہے؟ کیا عوام کی ہمہ گیر اور طویل لڑائی کے بغیر بھی کوئی انقلاب ہو سکتا ہے؟

یہ سوالات بہت اہم اور بنیادی ہیں اور ان کا اطمینان بخش جواب فراہم کرنا پیچیدہ اور مشکل ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے "انقلاب" کے متعلق بعض مفروضوں کا تنقیدی جائزہ لیا جائے اور "انقلاب" کی ٹھوس تعریف متعین کر لی جائے تو پھر مسئلہ کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

انقلاب کے بارے میں ایک مفروضہ یہ ہے کہ یہ ایک ڈرامائی واقعہ ہے۔ درحقیقت انقلاب کسی ایک واقعہ کو نہیں کہتے۔ بلکہ یہ ایک مسلسل عمل (PROCESS) ہے جس کے ذریعہ پرانے سماجی رشتوں کو توڑ کر ان کی جگہ نئے سماجی رشتے قائم کئے جاتے ہیں۔ ایک سماجی انقلاب میں بنیادی تبدیلی طریق پیداوار اور پیداواری رشتوں میں لائی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سیاسی، ثقافتی اور اخلاقی بالائی ڈھانچہ میں بھی بنیادی تبدیلیاں برپا کی جاتی ہیں۔ لیکن تاریخ میں ایسی تبدیلیاں ایک طویل اور سست ارتقائی عمل کے ذریعہ ہی عمل میں آئی ہیں۔ اس لئے ایک پیداواری نظام کی جگہ دوسرے پیداواری نظام کا ظہور پذیر ہونا

بذاتِ خود انقلاب نہیں ہے ۔ تیز رفتاری انقلابی تبدیلی کا بنیادی عنصر ہے ۔ لیکن انقلاب سے مراد محض تیزی اور تشدد نہیں ہے ۔ چونکہ معاشرے کے معاشی، سماجی، سیاسی اور ثقافتی اداروں، رشتوں اور اقدار میں تغیر اور بنیادی تبدیلی عوام کی ہمہ گیر شرکت کے بغیر نہیں لائی جا سکتی ۔ اس لئے واضح ہے کہ عوامی کی وسیع شرکت کے بغیر انقلاب نہیں ہو سکتا ۔

کسی بھی ملک میں سماجی انقلاب لانے کی پہلی شرط یہ ہے کہ ریاستی اقتدار پر قبضہ کیا جائے، پرانے ریاستی ڈھانچے کو تہس نہس کر کے ایک نیا ریاستی ڈھانچہ قائم کیا جائے جو سماج میں انقلابی تبدیلیاں لانے کا آلہ کار بنے ۔ اس لئے عام طور پر سماجی انقلاب کی خاطر سیاسی اقتدار پر قبضہ کرنے کے عمل کو بھی انقلاب کہا جاتا ہے ۔ اس محدود معنیٰ میں بھی سیاسی اقتدار میں تبدیلی کو انقلاب اس وقت کہا جا سکتا ہے جب (۱) برسرِ اقتدار آنے والی قوت واضح طور پر سماج کے ایسے طبقہ یا طبقوں کی نمائندگی کرتی ہو، جن کے اپنے مفاد میں بنیادی سماجی تبدیلیاں لانا ہو (۲) سیاسی ہراول دستہ انقلابی نظریہ سے لیس ہو اور ایک انقلابی سیاسی و معاشی پروگرام رکھتا ہو (۳) وہ اپنی گذشتہ جدوجہد کے ذریعہ انقلاب کے ساتھ اپنی وفاداری کا عملی ثبوت دے چکا ہو ۔ چنانچہ جب وہ اقتدار میں آئے تو یہ بات ہر کسی پر واضح ہو جائے کہ یہ محض محلاتی سازش یا کُودِتا نہیں ہے بلکہ ایک انقلاب ہے ۔

چنانچہ اقتدار پر قبضہ کرنے والی قوت کے کردار سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ رونما ہونے والی تبدیلی انقلاب ہے یا محض پرانی شراب نئی بوتل میں ۔

انقلاب کے متعلق ایک اور بات بھی ذہن نشین کرنا ضروری ہے ۔ وہ یہ کہ کسی بھی سماجی تبدیلی کو زمان و مکاں کی نسبت سے انقلابی یا غیر انقلابی قرار دیا جاتا ہے ۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں یورپ میں فیوڈل نظام کے خاتمہ اور تیزی سے سرمایہ دارانہ طریق پیداوار اور بورژوا جمہوری اداروں کے قیام کی نوعیت انقلابی تھی ۔ لیکن آج کے دور میں سرمایہ داری ایک انتہائی رجعتی نظام ہے ۔ اسی طرح موجودہ دور میں دنیا کے مختلف ممالک کے درمیان پیداواری اور تکنیکی غیر ہمواری کے پیشِ نظر مختلف ملکوں کے انقلابی معروضات مختلف ہیں ۔ امریکہ، یورپ، جاپان وغیرہ میں صرف سوشلسٹ تبدیلی ہی انقلابی نوعیت کی تبدیلی ہو سکتی ہے، اس کے برعکس تیسری دنیا کے وہ پسماندہ ممالک جو نوآبادیاتی یا جدید نوآبادیاتی تسلط اور لوٹ کا شکار ہیں، ان ممالک کی تاریخی ضرورت قومی آزادی (NATIONAL LIBERATION) اور قومی جمہوری انقلاب ہے ۔ چونکہ اس دور میں سماجی انقلاب کے بغیر حقیقی قومی آزادی حاصل کرنا اور برقرار رکھنا ناممکن ہے ۔ اس لئے تیسری دنیا میں حقیقی قومی آزادی بھی صرف انقلابی عمل کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی ہے ۔ قومی جمہوری انقلاب کی بنیادی خصوصیات مندرجہ ذیل ہوتی ہیں ۔

(۱) نوآبادیت، جدید نوآبادیت اور سامراجیت سے مکمل سیاسی آزادی اور قومی خود مختاری کی بحالی ۔

(۲) ملک کے اندر سامراج کے گماشتوں کے اقتدار کا خاتمہ اور عوامی جمہوری طبقوں کے راج کا قیام ۔

(۳) عالمی سامراج معاشی نظام سے قطع تعلق اور ایک آزاد قومی معیشت کا نفاذ ۔

(۴) گماشتہ سرمایہ داری، جاگیرداری، ماقبل جاگیردارانہ رشتوں اور فوجی و سول نوکر شاہی کی غیر پیداواری

طفیلی معیشت کا خاتمہ۔
(۵) قومی عوامی پیداواری قوتوں کی آزادی اور ان کے ذریعہ عوام کے مفاد میں تیز معاشی ترقی۔
(۶) سامراجی اور روایتی رجعتی ثقافت کی جگہ نئی عوامی جمہوری ثقافت کی نشوونما۔
(۷) انقلابی ہراول پارٹی کی قیادت میں سوشلزم کی طرف آگے بڑھنے کے لئے واضح راہ تعین اور اس راہ پر شعور اور لگن کے ساتھ سفر۔

انقلاب کا طریقۂ کار

بعض سیاسی حلقوں میں انقلاب کو صرف اقتدار پر قبضہ کرنے کے طریقۂ کار سے عبارت سمجھا جاتا ہے۔ ان میں سے کچھ یہ سمجھتے ہیں کہ تیسری دنیا میں انقلاب صرف طویل گوریلا جنگ کے ذریعہ ہی آسکتا ہے اور اگر کسی اور طریقہ سے طاقت پر قبضہ کر لیا جائے تو وہ انقلاب نہیں ہوگا۔ یہ سوچ انتہائی سادہ اور مشینی ہے۔ اقتدار حاصل کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ نہیں ہے۔ درحقیقت ہر انقلاب میں بیک وقت ایک سے زیادہ طریق ہائے کار استعمال کئے جاتے ہیں جن میں سے ایک کو دوسرے طریقوں کی بہ نسبت زیادہ نمایاں حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ روس کے بالشویک انقلاب میں مسلح بغاوت (ARMED INSURRECTION) کو ہی بنیادی اہمیت دی گئی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ پارلیمانی تکرار، گلی کوچوں میں ایجی ٹیشن اور دیگر ضمنی طریقے بھی استعمال کئے گئے تھے۔ مزدوروں کی بین الاقوامی تنظیم کومنٹرن نے بھی مسلح بغاوت کی تکنیک پر بہت زیادہ زور دیا تھا اور اس موضوع پر ایک قائدہ (MANUAL) بھی شائع کیا تھا۔ لیکن چین اور ویت نام نے اپنے تجربہ سے یہ ثابت کر دیا کہ ان کے حالات میں سب سے مؤثر طریقہ کسانوں کی طاقت کی بنیاد پر پہلے دیہی علاقوں کو آزاد کروا کے اور پھر شہروں کا محاصرہ کر کے اقتدار پر قبضہ کرنا ہے۔ ان دو ملکوں کے علاوہ کیوبا میں بھی کسان فوج کے ذریعہ گوریلا جنگ کی تکنیک پر عمل کرتے ہوئے پہلے دیہی علاقوں کو اور بعد میں شہروں کو آزاد کروایا گیا۔ لیکن ان تینوں ملکوں میں مسلح جدوجہد کے ساتھ ساتھ متعدد دوسرے طریقے بھی اختیار کئے گئے اور یہ واضح کر دیا گیا کہ مسلح جدوجہد، سیاسی جدوجہد کا ایک پہلو ہے۔ اس سے الگ کوئی چیز نہیں۔ جہاں تک کہ گوریلا جنگ کی حکمتِ عملی یا تدبیروں کا سوال ہے تو گوریلا تدبیریں انقلابی فلسفہ سے بہت پرانی ہیں اور انہیں مختلف قبائل، مذہبی گروہوں، طبقوں اور قوموں نے مختلف نظریات کے تحت مختلف مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے۔ چنانچہ گوریلا جنگ اور انقلاب لازم و ملزوم نہیں ہیں۔

چونکہ ہر انقلابی جدوجہد ایک سیاسی جدوجہد ہے، اس لئے مسلح جدوجہد کا مقصد سیاسی طاقت کے توازن کو بدل کر دشمن کے بجائے اپنے حق میں کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی جدوجہد میں مکمل فوجی فتح ضروری نہیں ہوتی ہے۔ اگر جزوی فتح کے ذریعہ دشمن کو فیصلہ کن انداز میں کمزور کر کے اس کے اندرونی تضادات کو شدید کر کے اُسے مذاکرات پر مجبور کیا جاسکتا ہے اور ان مذاکرات کے ذریعے اقتدار حاصل کیا جا سکتا ہے تو پھر مسلح جدوجہد کا مقصد میدان جنگ میں مکمل فتح کے بغیر ہی پورا ہو جاتا ہے۔ جنوبی یمن، موزمبیق اور نومبر ۱۹۷۵ء تک کے انگولا کی یہی صورت تھی۔ لاؤس میں بھی مکمل فوجی فتح حاصل نہیں کی گئی تھی بلکہ ویت نام اور کمبوڈیا میں

امریکی سامراج اور اس کے گماشتوں کی شکست کے بعد، لاؤس میں بھی رفتہ رفتہ سیاسی توازن بہت حد تک انقلابیوں کے حق میں ہوتا گیا۔

مختلف انقلابات کا جائزہ لینے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ریاستی اقتدار پر قبضہ کرنے کا کوئی ایک مخصوص طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ ہر ملک کے اپنے مخصوص تاریخی، سماجی، سیاسی اور جغرافیائی حالات اور مواقع انقلابی حکمتِ عملی متعین کرتے ہیں۔ البتہ یہ بات واضح ہے کہ تیسری دنیا میں جہاں کہیں بھی انقلاب آیا ہے وہاں طویل عوامی جنگ کی حکمتِ عملی اور تدبیروں پر ہی زیادہ انحصار کیا گیا ہے۔ افغانستان کا انقلاب اس لحاظ سے مختلف ہے کیونکہ وہ تقریباً اس کلاسیکی انداز میں آیا ہے جس کی کومنٹرن کافی عرصہ تک تلقین کرتی رہی ہے۔ مسلح بغاوت کے ذریعے اقتدار پر قابض ہونے کی اس کامیاب کوشش کی وجہ سے انقلابی حکمت عملی کے طالب علموں کے درمیان یقیناً ایک نئی بحث کا آغاز ہوگا اور اس بات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ یہ تجزیہ کس حد تک افغانستان کے لئے منفرد ہے اور کس حد تک اس سے عمومی نتائج برآمد کئے جا سکتے ہیں۔ قبل اس کے کہ ہم اس مسئلہ پر اپنا تجزیہ پیش کریں، ہم ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کریں گے جو مضمون کی شروعات میں اٹھائے گئے تھے یعنی افغانستان میں اقتدار کی تبدیلی کو "انقلاب" کیوں یا کیوں نہیں کیا جا سکتا وغیرہ۔

انقلاب کیوں کہا جائے

انقلابی حکومت کے بارے میں اُوپر بحث میں ہم نے بتایا کہ ہر انقلاب کے لئے گوریلا تدبیروں کا استعمال ضروری نہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے یہ بھی بتایا کہ مسلح بغاوت کے ذریعہ انقلابی اقتدار رائج کرنا ایک پرانا طریقہ ہے۔ لہٰذا صرف تکنیک یا حکمت عملی کی بنیاد پر افغانستان کی تبدیلی کو انقلاب کی تعریف سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ تبدیلی ایک ایسی پارٹی کی قیادت میں آئی ہے جو اپنے تاریخی سماجی حالات کے مطابق سماج میں شعوری طور پر اور لگن کے ساتھ انقلابی تبدیلیاں برپا کرنا چاہتی ہے اور اس نے اب سے ایک ٹھوس، مربوط اور حقیقت پسند انقلابی پروگرام پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس نے جن طبقات کا اقتدار ختم کیا ہے وہی سماجی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے اور جن طبقات کی بالادستی قائم کر رہی ہے۔ تاریخی طور پر انقلاب کے محرک ہیں۔ چونکہ انقلاب کا مطلب صرف اقتدار پر قبضہ نہیں بلکہ پورے سماج کو تیزی کے ساتھ اور بنیادی طور پر بدلنا ہے، تو یہ واضح ہے کہ یہ عمل افغانستان میں شروع ہو گیا ہے۔ اور اس مسلسل عمل کی وجہ سے ہی اس تبدیلی کو انقلابی کہنا حق بجانب ہوگا۔

اس ضمن میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہوگا کہ افغانستان کے انقلاب کے پہلے مرحلہ میں عوام کی اتنی ہمہ گیر اور طویل شرکت نہیں تھی، جتنی کہ روس، چین، ویت نام، لاؤس، کمبوڈیا، جنوبی یمن، انگولا، موزمبیق، گنی بساؤ اور کیوبا میں تھی۔ افغانستان کے مخصوص حالات کے تحت اس کمی کو سمجھا جا سکتا ہے اور اس کی وجہ سے افغان تبدیلی کو انقلابی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ لیکن اس سے عمومی نتائج نکالتے وقت بے حد محتاط ہونا پڑے گا۔

افغانستان کے انقلاب کے بارے میں جو حقائق اس وقت تک حاصل ہو سکے ہیں، ان سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ گو انقلابی خیالات رکھنے والے افراد، افواج، افسر شاہی، دانشوروں اور طالب علموں وغیرہ میں کافی عرصہ سے موجود تھے۔ ملک میں ایک انقلابی تنظیم خلق پارٹی کا وجود ۱۹۶۵ء میں عمل میں آیا لیکن یہ پارٹی دو سال کے اندر دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ پارٹی کے رہنما نور محمد ترہ کئی کے ساتھ رہا اور خلق ہی کہلایا جب کہ دوسرا حصہ جس میں ببرک کارمل، انا ہتیا راتب زاد اور سلیمان لائق شامل تھے۔ اپنے ترجمان اخبار کی وجہ سے "پرچم" گروپ کہلایا۔ بظاہر ان دونوں گروہوں کا حلقہ اثر بنیادی طور پر طالب علموں، اساتذہ اور دانشوروں میں تھا۔ ۱۹۷۷ء میں ان دونوں گروہوں کا دوبارہ اتحاد ہو گیا اور پارٹی ایک مرتبہ پھر متحد اور اسے نئی توانائی حاصل ہو گئی۔ حالیہ انقلاب میں فوجی افسروں اور سپاہیوں کی طرف سے انقلابی کارروائی سے یہ اندازہ ہو گیا کہ پارٹی نے فوج کے اندر کافی سیاسی کام ہوا تھا اور وہاں اس کا بہت اثر تھا۔ انقلاب سے چند روز قبل امیر اکبر خیبر کے جنازے میں ہزاروں افراد کی شرکت اور مظاہروں سے اندازہ ہو گیا کہ پارٹی کی جڑیں شہری غریبوں میں گہرے طریقے سے پیوست تھیں۔ مختلف اندازوں کے مطابق کابل کے ان مظاہروں میں ۱۵۰۰۰ سے لے کر ۲۰۰۰۰ افراد نے شرکت کی۔ کراچی شہر کی آبادی کے تناسب سے دیکھا جائے تو ۱۵ ہزار کا مجمع سوا لاکھ کے مجمع کے برابر ہے۔ اس مظاہرے میں سینکڑوں سرکاری اہلکاروں نے حصہ لیا۔ جس کی وجہ سے داؤد نے ان کے خلاف انتقامی کارروائی شروع کر دی تھی۔ سرکاری اہلکاروں کی اس شرکت سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ خلق پارٹی کا افسر شاہی اور ادنیٰ سرکاری ملازمین میں بھی اچھا خاصا اثر تھا۔ کسانوں میں پارٹی کے کام کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہیں۔ لیکن بحث کو جاری رکھنے کے لئے فی الحال یہ فرض کر لیتے ہیں کہ کسانوں میں خلق پارٹی کا کام نہیں تھا یا بہت محدود تھا۔ تاہم افغانستان کے تاریخی اور سیاسی پس منظر میں دیکھا جائے تو شہری غریبوں، فوجیوں، سرکاری ملازمین، طالب علموں اور دانشوروں میں خلق پارٹی کو جو وسیع پیمانہ پر حمایت حاصل تھی وہ نہ صرف افغانستان کے قوائدِ سیاست کے مطابق اقتدار حاصل کرنے کے لئے ایک وسیع بنیاد بنتی ہے۔ بلکہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ افغانستان میں یہ سب سے مقبول پارٹی تھی۔ یاد رہے کہ ہم افغانستان کے اس محدود دائرے کے حوالے سے بات کر رہے ہیں۔ جہاں ایک شخص ایک ووٹ کی بنیاد پر کبھی انتخابات نہیں ہوئے۔ جہاں عوام الناس سیاسی عمل سے کٹے رہے۔ جہاں جلسے جلوس کرنے کی آزادی نہیں تھی۔ جہاں اقتدار ایک شاہی خاندان کے ہاتھ میں تھا۔ جہاں محلاتی سازش اور دھڑن تختہ کے سوا حکومت کو تبدیل کرنے کا کوئی طریقہ موجود نہیں تھا اور جہاں محمد زئی خاندان کی مطلق العنانی کی وجہ سے خود سرکاری اہلکاروں اور فوج کے با اثر حلقوں میں تبدیلی اور انقلاب کی خواہش موجود تھی۔

ان حالات میں ایک انقلابی پارٹی جس کے پاس قومی تعمیرِ نو کا ایک ٹھوس پروگرام اور اقتدار پر قبضہ کرنے کے ذرائع موجود ہوں۔ اگر سیاسی بحران سے فائدہ لے کر انقلاب لا سکتی ہے تو وہ اپنے اس تاریخی فرض سے اس لئے کوتاہی نہیں کرے گی کہ "انقلابی فارمولا" میں سے ایک آدھ عنصر غیر موجود ہے۔ خصوصاً جبکہ انقلاب ایک مسلسل عمل ہے، تو یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ عوام کے وہ وسیع حلقے جو اب تک پارٹی سے نا آشنا تھے یا از خود انقلاب کے لئے تیار نہیں تھے، جب یہ دیکھیں گے کہ سیاسی اور سماجی تبدیلیاں ان کے حق میں ہو رہی

ہیں تو وہ بھی اس انقلابی عمل میں شریک ہو جائیں گے۔ البتہ ایسی صورت میں نئے سیاسی و سماجی ادارے پیدا کرنے، معیشت کو از سر نو تشکیل دینے اور نئی اقدار کو فروغ دینے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا ان ممالک میں جہاں مرکزی ریاستی اقتدار طویل مسلح جد وجہد کے بعد حاصل ہوتا ہے، وہاں انقلابی ڈھانچے جد وجہد کے ساتھ ساتھ ہی کھڑے کئے جاتے ہیں اور مکمل اقتدار حاصل ہونے تک پارٹی کے کارکن اور عوام ریاستی امور کو چلانے اور بنیادی سماجی تبدیلیاں لانے کے کام میں کافی منجھ جاتے ہیں۔ ینان اور دیگر آزاد علاقوں میں چینی انقلابیوں نے جو تجربہ حاصل کیا تھا، اس کی بنیاد پر انہیں پورے چین میں انقلابی اصلاحات لانے میں بہت مدد ملی۔ خصوصاً "عوامی راہ عمل" (MASS LINE) کا اطلاق پہلے ینان میں ہی ہوا تھا۔ تاہم جزوی طور پر کامیاب تبدیلیاں لانے کے باوجود انقلابی کام کو پھیلانے میں دقت پیش آتی ہے۔ جنوبی یمن میں یہ صورتحال ہو گئی تھی کہ عدن میں مرکزی اقتدار تو انقلابی محاذ کے ہاتھوں میں تھا، لیکن اس کے باوجود اس کی نافذ کردہ زرعی اصلاحات پر بہت سے علاقوں میں عملدرآمد نہیں ہو رہا تھا کیونکہ سرزمین پر شیخوں کا پرانا اقتدار ابھی نہیں ٹوٹا تھا۔ چنانچہ حکومت نے خود کسانوں اور ماہی گیروں کو بغاوت پر اکسایا تاکہ وہ مقامی طور پر عوامی اقتدار قائم کریں اور پرانے نظام کو بدلیں۔

افغانستان میں جہاں انقلابی اقتدار طویل عوامی جنگ کے ذریعہ قائم نہیں ہوا ہے وہاں انقلابی پارٹی اور حکومت کو وہ سارا کام انقلاب کے موجودہ مرحلہ میں کرنا پڑے گا جو تیسری دنیا کے دوسرے انقلابی ملکوں میں جزوی طور پر اقتدار حاصل کرنے سے پہلے ہی کر لیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں افغانستان کی صورتحال سوویت روس کے مقابلہ میں بھی ناسازگار ہے۔ کیونکہ روس میں بھی اقتدار کے لئے کشمکش بہت شدت (بلکہ تشدد) سے اور بہت لمبے عرصے تک چلتی رہی۔ جس کے دوران عوام کے سیاسی شعور میں بہت زیادہ اضافہ ہوا اور انہیں سوویتوں کی شکل میں متبادل ریاستی ڈھانچے قائم کرنے اور چلانے کا تجربہ بھی حاصل ہوا۔ اس کے برعکس افغانستان ایک پسماندہ ملک ہے۔ جہاں سماجی اور سیاسی شعور کی سطح پہلے ہی بہت بلند نہیں ہے۔ ایسے ملک میں اقتدار کے لئے لڑائی کا عرصہ بہت مختصر ہونے کی وجہ سے عوام اس گہرے شعور اور شرکت کے تجربہ سے محروم ہو جاتے ہیں جو اقتدار حاصل کرنے کے بعد انقلاب کی بقاء اور نشو و نما کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ عوام الناس کو وسیع پیمانہ پر اور گہرے طریقے سے انقلابی عمل میں شریک کرنے کا کام موجودہ افغان حکومت کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہوگا۔

فوج کا کردار

انقلابی نظریہ کا ایک اٹل اصول یہ ہے کہ لٹیرے طبقے کبھی بھی پُرامن طریقہ سے اپنے اقتدار سے دستبردار نہیں ہوتے۔ وہ مکمل طور پر حاکمیت کرنے کا جواز کھو بیٹھنے کے بعد بھی اقتدار سے چمٹے رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور عوام پر تشدد میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ محنت کش طبقوں اور عوام الناس کو بھی جوابی تشدد کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے محنت کشوں کی بین الاقوامی تنظیم نے عوامی فوج بنانے اور

حکمراں طبقوں کی فوج میں سیاسی کام کرنے پر بہت توجہ دی ہے۔ روس کے بالشویک انقلاب میں زار کی فوج کے سپاہیوں اور بعض افسروں نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ چین انقلابی جنگ لڑنے کا کام بنیادی طور پر اس عوامی فوج نے کیا۔ جسے کمیونسٹ پارٹی نے کسانوں میں سے منظم کیا تھا۔ لیکن پھر بھی کومنتانگ کی فوج میں سیاسی کام کرنے کی وجہ سے اس فوج کے بہت سارے افسر اور سپاہی سُرخ فوج میں شامل ہو گئے۔ البتہ تیسری دنیا کے باقی ممالک میں جہاں انقلاب کامیاب ہوا ہے وہاں حکمران طبقے کی فوج کے عوام دوست عناصر کا انقلاب میں بہت محدود رول رہا ہے۔ افغانستان کا انقلاب اس لحاظ سے منفرد ہے کیونکہ یہاں انقلابی اقتدار قائم کرنے کے لئے فوجی کارروائی حکمران طبقوں کی فوج کے انقلابی عناصر کی طرف سے ہی ہوئی ہے۔ یہاں نہ کوئی کسان فوج تھی اور نہ شہروں میں متبادل سُرخ فوج۔

افغانستان میں فوج کے انقلابی کارنامے کی وجہ سے بھی تیسری دنیا میں انقلابی حکمتِ عملی کے بارے میں اور فوج کے کردار کے بارے میں از سرِ نو بحث کا آغاز ہو گیا ہے۔ اس سلسلہ میں کسی بھی قطعی فیصلہ پر پہنچنے سے قبل افغانستان کے مخصوص حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

۱:- پورے ایشیا میں میں تھائی لینڈ اور افغانستان ایسے ممالک ہیں، جہاں براہِ راست نوآبادیاتی اور نیم نوآبادیاتی تسلط قائم نہیں ہوا۔ افغانستان اپنے مخصوص سماجی، تاریخی اور جغرافیائی حالات کی وجہ انتہائی خود مختار ذہنیت کا حامل رہا۔ قبائلی سماج میں ویسے بھی خود مختاری کا جذبہ بہت شدید ہوتا ہے۔ لیکن افغانستان پر مسلسل حملہ آوروں کے ساتھ نبرد آزما ہونے کی وجہ سے اس ملک کے عوام اور خواص دونوں ہی میں، اس جذبہ نے شدت اختیار کر لی۔ زار شاہی روس اور برطانوی سامراج کے حملوں اور توسیع پسندی کی وجہ سے افغانستان میں سامراج دشمن خیالات اور جذبات کو بہت فروغ ملا۔ افغانستان کی فوج نے اسی آزادی اور خود مختاری کے ماحول میں جنم لیا۔ یہ کسی سامراجی طاقت کی پیدا کردہ فوج نہیں تھی، نہ اس نے سامراجی حکمرانوں کی طرف سے اپنے عوام پر گولیاں برسائیں اور نہ ہی اس نے استعماریوں کی خاطر دور دراز کے ملکوں میں جنگیں لڑیں۔

۲:- دوسری جنگ عظیم کے بعد جب براہ راست نوآبادیاتی راج کا نظام ختم ہونے لگا اور امریکی سامراج کی سرکردگی میں جدید نوآبادیاتی سامراجیت کا جال پھیلنے لگا تو اکثر نوآزاد ملک جدید سامراج کے جنگل میں پھنس گئے۔ امریکہ نے سب سے زیادہ توجہ ایسے ملکوں کے فوجی افسروں پر دی۔ فوجی امداد، فوجی مشاورتی پروگرام اور امریکہ میں افسروں کے تربیتی پروگراموں کے ذریعہ اور دوسری قسم کی رشوتوں اور لالچوں کے ذریعہ ان فوجی افسروں کو اپنا ہم خیال بنانے اور سامراجی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی منظم کوشش کی گئی۔ مختلف ملکوں میں سیاسی ڈھانچوں کو کمزور کر کے فوج کو اقتدار پر قبضہ کرنے کی تلقین کی گئی۔ سی آئی اے کی طرف سے خاص خاص جنرلوں کو باقاعدہ معاوضہ ادا کیا جانے لگا اور ان سے غداری کروائی گئی۔ تھائی لینڈ جیسا ملک جو کبھی نوآبادیاتی تسلط کے تحت نہیں آیا تھا، اب "کمیونزم" کے خوف کی وجہ سے مکمل طور پر امریکہ کا دست نگر بن گیا اور اس کی فوج مکمل طور پر امریکی سامراج کی لونڈی بن گئی۔

افغانستان کی صورتحال اس کے برعکس تھی۔ اس ملک کا حکمران طبقہ اپنی جغرافیائی پوزیشن کی وجہ

سے سوویت روس کے ساتھ قریبی تعلقات رکھنے پر مجبور تھا۔ اس نے فوجی امداد اور فوجی تربیت کے لئے روس کی طرف رجوع کیا۔ روس نے نہ صرف افغانستان کے فوجی افسروں کو کرپٹ (بدعنوان) نہیں کیا بلکہ بہت سے افسر وہاں کے نظام سے متاثر بھی ہوئے اور ان میں اپنے ملک کے اندر سماجی انصاف رائج کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔

۳:۔ ایک نوآبادیاتی فوج نہ ہونے کی وجہ سے اور پشتون روایت کی وجہ سے افغان فوج میں کھلی سیاسی بحث ہوتی رہتی تھی اور مختلف سیاسی نظریات زیر بحث آتے رہتے تھے۔ اس روایت کی وجہ سے فوجی افسروں اور سپاہیوں میں سیاسی شعور پیدا ہوا اور انقلابی پارٹی کو سیاسی کام کرنے کا سازگار ماحول دستیاب ہوا۔

۴:۔ افغانستان کی انتہائی پسماندگی، سیاسی آزادیوں کی عدم موجودگی، حکومتی تشدد اور ملک کی کل دولت پر مٹھی بھر لوگوں کے قبضہ کی وجہ سے عوام الناس کے علاوہ پڑھے لکھے لوگوں میں بھی بے چینی اور تبدیلی کی خواہش بہت شدید تھی۔ پارلیمانی نظام کی عدم موجودگی اور کھلی سیاست پر پابندی کی وجہ سے پرانے نظام کی حدود کے اندر ایک نیم جمہوری نعم البدل منظم کرنے کے امکانات بھی موجود نہیں تھے اگر ایسا نعم البدل موجود ہوتا تو شاید فوج سول نوکر شاہی اور دانشوروں

اگر ایسا نعم البدل موجود ہوتا، تو شاید فوج، سول نوکر شاہی اور دانشوروں

کے بہت سے روشن خیال عناصر اس کی طرف مائل ہوتے۔ لیکن اوّل تو ایسی پارٹی کے لئے مادی بنیاد بہت محدود تھی اور دوئم ایسی "روشن خیال" پارٹیاں تشدد کے ماحول میں خفیہ یا نیم خفیہ طریقے سے کام کرنے کی اہل نہیں ہوتیں چنانچہ جب خلق پارٹی نے ایک حقیقت پسند قومی جمہوری پروگرام اور مسلسل تنظیمی کام کے ذریعہ اس خلاء کو پُر کرنے کی کوشش کی تو محب وطن فوجی افسروں، سول اہل کاروں اور دانشوروں کی ایک بڑی تعداد نے اسے قبول کیا۔ ممکن ہے کہ بعض فوجی افسروں نے اس کی صرف اس لئے حمایت کی ہو کہ وہ ہر قیمت پر نادر شاہی حکومت کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے اور انہیں خلق پارٹی ہی وہ واحد تنظیم نظر آئی جو اس کی جگہ لے سکتی تھی۔

انتہائی ظالمانہ اور گھٹے ہوئے سیاسی نظاموں کی یہ جدلیات ہے کہ وہاں صرف ٹھوس انقلابی تنظیمیں ہی محب وطن لوگوں کی رہنمائی کر سکتی ہیں۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے کہ افریقہ میں قومی آزادی کی سب سے زیادہ انقلابی تحریکیں پرتگال کی نوآبادیوں میں ہی پیدا ہوئیں۔ یہاں کسی درمیانی چیز کا مؤثر وجود ممکن ہی نہیں تھا

مذکورہ بالا نکات پر بحث سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ افغانستان تیسری دنیا میں ایک منفرد حیثیت کا حامل تھا اور اس کی فوج کی تاریخ اور حالات تیسری دنیا کے اکثر ملکوں کی فوج کے کردار و حالات سے مختلف تھے۔ تاہم اس سے یہ نتیجہ نہیں اخذ کیا جا سکتا کہ جدید نوآبادیاتی ملکوں میں فوج مکمل طور پر رجعتی ہے اور ان میں محب وطن عناصر کا وجود ممکن نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب فوج کو ایک مرتبہ سیاست میں ملوث کر لیا جاتا ہے تو اس کی ضمانت باقی نہیں رہتی کہ یہ سیاست صرف ایک ہی سمت کی ہو گی۔ سامراج نواز، رجعت پسند اور راشی فوجی افسر جتنا اپنی سامراج نوازی، عوام دشمنی اور لوٹ مار میں شدت اختیار کریں گے اتنا ہی فوج کے محب وطن عوام دوست اور دیانتدار عناصر میں ان کے خلاف مزاحمت بڑھے گی۔ لیکن اس بے اطمینانی اور مزاحمت کا مثبت

سیاسی شعور میں تبدیل ہونا ضروری ہے ۔ یہ عناصر اس وقت تک حرکت میں نہیں آ سکتے اور مُوثر نہیں ہو سکتے جب تک وہ کسی نہ کسی طرح منظم ہوں اور ان کی سیاسی راہ متعین کی گئی ہو۔ یہ کام ایک سیاسی پارٹی ہی کر سکتی ہے۔ جب انہیں یہ نظر آتا ہے کہ ایک ایسی وطن دوست اور عوام دوست پارٹی موجود ہے جو منظم ہے۔ جس کے پاس ایک قومی عوامی جمہوری پروگرام موجود ہے اور جو جدوجہد میں آزمائی ہوئی ہے تو پھر وہ رہنمائی کے لئے وہ اس پارٹی کی طرف دیکھتے ہیں اور خطرہ مول لینے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ چاہے معروضی حالات کتنے ہی سازگار کیوں نہ ہوں۔ بغیر سیاسی قیادت کے فوج کے اندر انقلابی حلقہ پیدا کرنا ناممکن ہے۔

تیسری دنیا کے وہ ممالک جہاں سیاسی پارٹیوں، انتخابات، اسمبلیوں، جلسے جلوسوں اور مظاہروں کی روایت رہی ہے اور عوام کو سیاسی عمل میں شرکت کا کم از کم احساس دیا گیا ہے۔ ان ملکوں میں انقلابی تبدیلی کے لئے بہت وسیع اور ہمہ گیر عوامی شرکت کی ضرورت ہوگی۔

بعض عمومی خصوصیات کو چھوڑ کر ہر ملک کا انقلاب منفرد ہوتا ہے۔ کسی بھی ملک کا انقلاب کسی دوسرے ملک کا چربہ نہیں ہو سکتا۔ ہر ملک کے عوام کو اپنے ملک کے مخصوص جغرافیائی، تاریخی، سماجی، معاشی، سیاسی اور ثقافتی حالات کے تحت اپنے انقلاب کی حکمت عملی متعین کرنی ہوتی ہے۔ افغان عوام نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور ایک انتہائی منفرد ملک ہونے کی حیثیت سے اس کا انقلابی تجربہ بھی انتہائی منفرد ہے۔

چوتھا باب

کیا انقلاب افغانستان اسلام دشمن ہے؟

اسلام اور افغانستان

افغانستان میں عید میلاد النبیؐ کی تقریبات کی روئیداد

نور محمد ترکئی

افغانستان کے انگریزی روزنامے

کابل ٹائمز کے تراشے

نور محمد ترکئی - انقلاب کے قائد

افغانستان کے انقلابی رہنما نور محمد ترکئی، انقلاب روس کے سال ۱۹۱۷ء میں صوبہ غزنی کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے ان کے والد انتہائی غریب کسان تھے اور مویشی چرا کر اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ نور محمد ابھی پانچ سال کے تھے کہ انہیں ایک بیوہ کے مویشی چرانے کی نوکری مل گئی۔ لیکن ان کے والد چاہتے تھے کہ وہ تعلیم حاصل کریں انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے ضلع کے اسکول میں اپنے والد کی زیر نگرانی حاصل کی ۱۹۳۲ء میں قندھار کی ایک کمپنی میں بحیثیت چپڑاسی ملازم ہوئے اور جلد ہی کلرک بنا کر اس کی بمبئی شاخ میں کام کرنے کیلئے بھیج دیئے گئے۔ بمبئی میں ایک نائٹ سکول سے انہوں نے میٹرک کا امتحان پاس کر لیا اور اپنے طور پر انگریزی میں دسترس حاصل کی۔ ۱۹۳۷ء میں واپس افغانستان آئے تو ایک ادیب کی حیثیت سے اپنے کیریئر کی ابتدا کی، اور ملکی سیاست میں بھی دلچسپی لینے لگے۔

جلد ہی ایک ترقی پسند دانشور کے طور پر وہ عوام میں مقبول ہو گئے۔ ۴۸-۱۹۴۳ء کے دوران ان کی ادبی اور سیاسی سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں۔ اب وہ ایک ایسی سیاسی جماعت کے بارے میں سوچنے لگے جو بادشاہت اور اشرافیہ کا تختہ الٹ سکے۔ چنانچہ "بیدار نوجوان" نامی تنظیم کا قیام عمل میں آیا جس میں افغانستان کے ترقی پسند دانشوروں نے بڑی تعداد میں شمولیت اختیار کی۔ اس تنظیم کی زیر نگرانی انہوں نے "انگار" نامی اخبار کا اجرا کیا۔ جس کے پہلے شمارے میں تنظیم کا منشور چھاپا گیا حکومت نے اخبار کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے ڈر کر اس کی اشاعت پر پابندی لگا دی اور "بیدار نوجوان" پر حملوں کا آغاز کر دیا۔ اس تنظیم نے ۵۳-۱۹۴۸ء کے درمیانی برسوں میں عوام کی رہنمائی کی نور محمد ترکئی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے حکومت نے انہیں پریس اتاشی بنا کر واشنگٹن بھیج دیا۔ انہیں دنوں شاہ محمد کی جگہ اس کے چچازاد بھائی داؤد کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ اس تبدیلی پر انہوں نے امریکی پریس کانفرنس بلائی اور کہا کہ افغانستان کا حکمران ٹولہ مکمل طور پر دیوالیہ ہو چکا ہے۔ مستعفی ہونے والا وزیر اعظم شاہ کا چچا تھا نیا وزیر اعظم داؤد اس کا چچازاد بھائی اور سالا ہے۔ جہاں تک افغان عوام کا تعلق ہے وہ دنیا کے غریب ترین عوام میں سے ہیں۔ اور ہر طرح کے سیاسی حقوق سے محروم ہیں۔

اس پریس کانفرنس کے نتیجے میں انہیں واپس بلا لیا گیا۔ کابل پہنچنے پر انہوں نے داؤد کو ایک سینما سے ٹیلیفون کیا "میں کابل پہنچ گیا ہوں۔ گھر جاؤں یا جیل" معاملے کی

بین الاقوامی نوعیت کے باعث حکومت انہیں گرفتار کرنے کی جرأت نہ کرسکی۔ ۱۹۵۳ - ۶۳ء
کے دوران انہوں نے ایک ٹرانسلیشن بیورو قائم کیا تاکہ روزگار کا مسئلہ حل کیا جاسکے۔ انہوں
نے محنت کشوں کے انقلابی فلسفے سے وابستہ افراد سے بھی رابطہ بڑھایا۔ اس عرصے میں ان
کی بیشتر انقلابی تصانیف اور سیاسی مضامین سامنے آئے داؤد کی وزارت عظمٰی سے علیحدگی
کے بعد نئے وزیر اعظم محمد یوسف نے نئے آئین اور سیاسی آزادیوں کا وعدہ کیا۔ اس موقع سے
فائدہ اٹھاتے ہوئے نور محمد ترکئی نے اپنے نظریاتی دوستوں کے ساتھ مل کر پرولتاریہ کے فلسفے
پر مشتمل انقلابی پارٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا یکم جنوری ۶۵ء کو جناب نور محمد ترکئی کی رہائش گاہ پر
پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کے قیام کا فیصلہ ہوا اور انہیں پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا سیکرٹری جنرل چن
لیا گیا۔ اپریل ۶۶ء میں ہفت روزہ "خلق" کا اجراء ہوا لیکن صرف چھ شماروں کے بعد ظاہر شاہ
نے اس پر پابندی لگادی جلد ہی حکومت کے چند پسندیدہ افراد پارٹی میں شامل ہوگئے
جنہوں نے اختلافات پیدا کرکے پارٹی کو دو حصوں میں تقسیم کردیا اور بہت سے مخلص کارکن
ببرک کارمل کے بہکاوے میں آکر انقلابی دھارے سے کٹ گئے۔ ببرک کارمل کو "پرچم" نامی
اخبار نکالنے کی بھی اجازت مل گئی۔ جبکہ حکومت نے "خلق" پر سے پابندی اٹھانے سے انکار
کردیا۔ ۱۷ جولائی ۷۳ء کو شاہ ظاہر شاہ نے داؤد کے لئے جگہ خالی کی۔ داؤد نے افغانستان کو
جمہوریہ قرار دیکر صدارت کا عہدہ سنبھالا۔ پرچم گروپ نے اس کی حمایت شروع کردی۔ جبکہ کامریڈ
ترہ کی نے داؤد حکومت کے بارے میں اپنی رائے محفوظ رکھی اور ایک وسیع تر قومی جمہوری محاذ
کی تشکیل کا مطالبہ کیا۔ اس سے حکومت مضطرب ہوئی لیکن "خلقی" گروپ کے سیاسی وقار میں
بہت اضافہ ہوا۔ کامریڈ ترہ کی نے سائنسی بنیادوں پر افغان معاشرے کا تجزیہ کرتے
ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ فوج جو عوام کے خلاف حکمران طبقوں کا ایک ادارہ ہے کو مزدوروں
کے انقلابی فلسفے سے لیس کیا جائے۔ یہ مشن جناب حفیظ اللہ امین کے سپرد ہوا ۷۶ء میں کامریڈ
امین نے اپنی مفصل رپورٹ میں بتایا کہ مسلح افواج انقلاب کے لئے تیار ہیں لیکن نور محمد ترکئی نے
مزید انتظار کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے پارٹی کے دونوں گروپوں کو متحد کرنے کیلئے پیشقدمی کی
اور جولائی ۷۷ء میں انہیں متحد کرلیا گیا۔ تاہم اتحاد کے بھی دو حصے تھے (۱) سویلین کے درمیان
اتحاد (۲) فوج کے درمیان اتحاد۔ فوج میں پرچم گروپ کا کام برائے نام تھا اس لئے انہیں
بتادیا گیا کہ داؤد شاہی کے خاتمے پر اقتدار ڈیموکریٹک پارٹی کو منتقل کردیا جائے
گا۔ ۲۷ اپریل ۷۸ء کو ملک میں انقلاب برپا کردیا۔

افغانستان کے انقلاب کے خلاف سب سے زیادہ شورش مذہب کے حوالے سے برپا کی جارہی ہے۔ لیکن مذہب سے متعلق افغانستان کی صورت حال پر حال ہی میں نور محمد ترکئی جو افغانستان کی حکمران جماعت خلق پارٹی کے جنرل سیکرٹری اور مملکت افغانستان کے سربراہ ہیں نے ایک حالیہ تقریر میں قدرے وضاحت سے اس صورت حال پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"افغانستان کی حکومت اور محنت کش عوام اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے وسیع تر اقدامات کر رہے ہیں۔ لیکن ہمارے دشمن ہم پر الزامات لگار ہے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ علماء اور دوسرے محب وطنوں کو یہ کہہ کر ڈرا رہے ہیں کہ ان کے لئے افغانستان میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ وہ تمام علماء اور دوسرے افراد جو ہمارے انقلاب کے خلاف اسلام کے پردے میں سازشیں نہیں کرتے وہ ہمارے بھائی ہیں۔ ہم نے ان کے خلاف نہ تو پہلے ہی کچھ کہا ہے اور نہ آئندہ کچھ کہنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہم ایک بار پھر یہ یقین دہانی کراتے ہیں کہ کوئی بھی شخص جو بیرونی سرمائے کا سہارا لے کر ہمارے انقلاب کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا اسے کسی قسم کا کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص مذہب کا لبادہ اوڑھ کر انقلاب کے مفادات کے خلاف اقدامات کرتا ہے تو سامراج کا ساتھی ہے اور اسے ہم نے نہ تو پہلے ہی معاف کیا ہے اور نہ ہی اب کریں گے۔

ہمارے دل میں اسلام کے لئے بے پناہ عقیدت موجود ہے اور ہم لوگوں کو ہر طرح کی سہولتیں مہیا کریں گے۔ تاکہ وہ بہتر طریقے سے اپنے مذہبی فرائض ادا کریں ، تاکہ وہ بہتر طریقے سے اپنے مذہبی فرائض ادا کر سکیں۔ یہاں مساجد موجود ہیں جن میں لوگ اذانیں دیتے اور نمازیں ادا کرتے ہیں۔ لوگ روزے رکھتے ہیں اور دوسرے تمام مذہبی فرائض ادا کرتے ہیں لیکن سامراج کا کہنا ہے کہ جب تک ہم اس کے ساتھی نہیں بن جاتے اس وقت تک ہم لادین اور کافر ہیں۔ سامراجیوں کا کہنا ہے کہ افغانستان میں نہ تو مساجد ہیں اور نہ ہی لوگ نمازیں پڑھتے ہیں کیونکہ ہم فرنگی کے ساتھی اور پیروکار نہیں ہیں۔ ہمارا جواب ان کو یہ ہے کہ افغانستان کے محنت کش عوام ماضی کی طرح کسی کو بھی اپنے ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دیں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ سامراج نے انہیں بہت زیادہ تکلیفیں پہنچائی ہیں۔ ہم سامراجیوں اور ان کے ایجنٹوں کے الزامات کا جواب عملی اقدامات کر کے دیں گے۔ اس کے باوجود کہ افغانستان میں شرعی عدالتیں موجود ہیں اور ان کے جج شرعی احکامات کے مطابق مقدمات کے فیصلے کرتے ہیں۔ لیکن سامراجی ابھی تک ہمارے خلاف الزامات لگانے سے نہیں چوکتے۔ لیکن میں دوبارہ کہتا ہوں کہ ان کے یہ الزامات ان کے کسی مقصد کو پورا نہیں کریں گے۔ ہماری حکومت پہلی حکومت

سے مکمل طور پر مختلف ہے۔ اپریل انقلاب سے پہلے جو حکومت افغانستان میں برسرِ اقتدار تھی وہ ملک کے اندر استحصالیوں، خون چوسنے والوں اور جاگیرداروں کے مفادات کی نمائندہ تھی اور وہ اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے سامراج کے کہنے پر چلتی تھی لیکن ہماری حکومت افغانستان کے محنت کشوں اور مزدوروں کی نمائندہ ہے جو کہ ملک کی آبادی کا ۹۸ فی صد ہیں ہم ان محنت کشوں کے بیٹے اور خادم ہیں۔ ہم ان ہی محنت کشوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے برسرِ عمل ہیں ہم ماضی میں ان کے لئے کام کر چکے ہیں اور مستقبل میں بھی ان کے لئے کام کریں گے۔

سابقہ فیوڈل حکومت کے ادارے لوگوں کو بھوکا ننگا اور غریب رکھنے میں دلچسپی رکھتے تھے تاکہ وہ مصیبتوں اور مشکلات میں گھرے رہیں اور سیاست یا معاشرتی مسائل کے بارے میں غور و فکر کرنے کی انہیں فرصت ہی نہ ملے لیکن ہماری حکومت کی تمام تر کوششیں اسی ایک نقطہ پر مرکوز ہیں کہ افغانستان کے عوام کو خوراک بہم پہنچائی جائے انہیں تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور رہنے کے لئے مکان مہیا کئے جائیں اور وہ اچھی صحت کے مالک ہوں اور سیاسی معاملات میں وہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور ہمارے ساتھ تعاون بھی وہ سیاسی حوالے سے کریں۔ مثال کے طور پر انہیں اپنے اپنے اداروں میں یونینیں بنانی چاہئیں۔ اپنے مسائل اور مشکلات پر ہمارے اور سابقہ حکومت کے درمیان یہی فرق ہے۔ سابقہ حکومت بھوک، احتیاج، جہالت پر یقین رکھتی تھی جبکہ ہم خوشحالی، ترقی اور آزادی پر یقین رکھتے ہیں۔ نور محمد ترکئی نے مزید کہا کہ خلقی حکومت اس وقت بہت زیادہ کامیاب ہوگی جبکہ افغانستان میں سیاسی طور پر باشعور افراد کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا اور وہ آزاد ماحول میں حکومت کے ساتھ تعاون کریں گے۔ ہم اور عوام مختلف نہیں ہیں بلکہ ہم باہم ایک دوسرے سے پیوست ہیں۔ ہماری سیاسی پالیسی ہمیشہ اس حقیقت پر مبنی رہی ہے کہ ہم نے عوام کو سیاسی شعور دیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم نے اسی سلسلے میں ہر ممکن کوشش کی ہے ہم نے عوام کے سیاسی شعور کو بلند کرنے کے لئے ذرائع ابلاغ کو ہر ممکن طریقے سے استعمال کیا ہے۔ ماضی میں کسی کو اس بات کی اجازت نہ تھی۔ اس وقت ہماری فوج کو اخبارات آزاد ماحول میں پڑھنے کی آزادی نہ تھی۔ اب آپ جانتے ہیں کہ ہم نے ہر رجمنٹ کو ایک ایک ٹیلی ویژن سیٹ دیا اور ان کو مزید ٹیلی ویژن سیٹ دینے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ ہمارے افسر شعوری طور پر اور خوشی کے ساتھ اپنی عوامی حکومت کی حمایت کریں۔

نور محمد ترکئی نے کہا افغانستان میں فرمان نمبر ۶ اور فرمان نمبر ۸ نے جاگیرداری کو تباہ و برباد کر دیا ہے اور فرمان نمبر ۷ نے خواتین کو آزاد کرانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اب افغانستان میں ماضی کی طرح عورتوں اور لڑکیوں کو تجارتی مال نہیں سمجھا جاتا۔ اب زبردستی ماضی کی اس فرسودہ رسم کو مکمل طور پر ختم کر دیا ہے۔ فرمان نمبر ۷ نے ہمارے ادب کو بھی بے حد متاثر کیا ہے۔ جس میں پہلے صرف دو دلوں کے بھڑکنے کے نوحے ہی ہوتے تھے۔ ہجر اور جدائی کے گیتوں سے ہمارا ادب پُر تھا۔ لیکن فرمان نمبر ۷ نے عورتوں کو آزادی دے کر شاعری کی بنیاد ہی بدل ڈالی ہے۔ ماضی میں ہم نے دیکھا کہ ہماری نوجوان نسل وقت سے پہلے بوڑھی ہو جاتی تھی۔ ان کے چہرے پر جھریاں اور ان کے بال وقت سے پہلے ہی سفید ہو جاتے تھے بے شمار لڑکیاں اپنے والدین کے گھر پر ہی بوڑھی ہو جاتی تھیں کیونکہ ان کے والدین کے لئے جہیز کا بندوبست کرنے سے قاصر تھے۔ "میں یہاں بوڑھی ہوگئی ہوں اور وہ

وہاں اپنے والدین کے گھر بوڑھا ہو گیا ہے " یہ ہوتا تھا جواب جو اکثر ہمارے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس وقت دیتے تھے۔ جب ان سے ان کی شادی کے بارے میں سوال کیا جاتا تھا کیونکہ ان کے والدین جہیز کا انتظام نہیں کر سکتے تھے لیکن فرمان نمبر ۷ کے اجرا نے جو کہ موجودہ عوامی حکومت نے جاری کیا ہے۔ اس جہیز کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اب ہمارے چالیس لاکھ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مکمل طور پر آزاد ہیں اور یہ سب کچھ اسلامی شریعت کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ شریعت کہتی ہے کہ نوجوان آزادانہ طور پر اپنی مرضی سے ایک دوسرے کے ساتھ شادی کر سکتے ہیں۔

ماضی میں ہر کوئی ہمارے عوام کو دھوکہ دیتا تھا۔ مثال کے طور پر کئی سال پہلے کا ذکر ہے کہ کچھ لوگوں نے یہاں اجارہ دارانہ تجارت کا آغاز کیا۔ اس وقت کی حکومت کی حمایت انہیں حاصل تھی۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ سرمایہ اکٹھا کرنے کے بعد یہاں افغانستان میں بھاری اور ہلکی صنعتیں لگائیں گے۔ وہ اس قسم کی بہت سی اور باتیں بناتے رہے۔ ان کی اجارہ دارانہ تجارت کی وجہ سے کوئی دوسرا شخص باہر سے کچھ نہیں منگوا سکتا تھا۔ انہوں نے درآمد شدہ مال کو اپنی من مانی قیمتوں پر بیچا اور اپنے مذکورہ بالا وعدے پر بے پناہ دولت سمیٹی اور اس وقت کی ظاہر اور داؤد کی حکومت نے بھی اپنا حصہ اس دولت سے وصول کر لیا اور صنعتیں لگانے کا منصوبہ اور اور وعدہ تشنۂ تکمیل ہی رہا۔ ہم نے تمام ایسی باتوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ ہم افغانستان کے عوام سے عہد کرتے ہیں کہ اب اس قسم کی سازشیں نہیں ہو سکیں گی اور ماضی میں جو کچھ نقصان ہو چکا ہے۔ اس کی تلافی کی جائیگی

اپریل انقلاب نے افغانستان میں بسنے والی قومیتوں کو حقیقی آزادی بخشی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اپریل انقلاب سے پہلے چھوٹی قومیتوں کے کوئی حقوق نہ تھے اور حکمرانوں نے دوسری قومیتوں کے حقوق پر بھی ڈاکہ ڈالا ہوا تھا لیکن موجودہ حکومت نے افغانستان کی تمام قومیتوں (بلوچی، نورستانی، ترکمانی، افغانی تاجک، ہزارہ وغیرہ) کو ان کے تمام حقوق دے دیئے ہیں۔ انہیں اپنا کلچر، ادب اور آرٹ کی ترقی دینے کی مکمل آزادی ہے اور ہم ان کی ترقی کے لئے تمام کوششیں کریں گے۔ ہم نے ان کی زبانوں میں کتابیں اور لٹریچر چھاپنے کے لئے ہر ممکن سہولتیں فراہم کی ہیں تاکہ سب قومیتوں کے عوام تک سائنس اور علم جا سکے اور ان کا طبقاتی اور سیاسی شعور بلند ہو سکے۔"

کابل ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء پیغمبرِ اسلام، رسولِ اکرم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یومِ پیدائش افغانستان کے طول و عرض میں نہایت تزک و احتشام سے منایا گیا اور ان تقریبات میں لاکھوں مسلمانوں نے شرکت کی۔

سب سے اہم تقریب دلکشا محل جو عوام میں تبدیل کر دیا گیا ہے میں کل شام منعقد ہوئی، اس میں وزیرِ اوقاف، اثارنی جنرل افغانستان خلق پارٹی کی مرکزی کمیٹی اور انقلابی کونسل کے اراکین نے شرکت کی، ان کے علاوہ خلق پارٹی کے عام اراکین، میونسپل کمیٹی کابل کے اہلکار اعلیٰ سرکاری افسران اور ملازمین بھی موجود تھے، جمعیتہ العلماء کے نائب صدر، عدالتِ عالیہ کے جج صاحبان، محکمہ اوقاف کے سربراہ، دار العلوم عربیہ اور دار الحفظ کے سربراہ اور اساتذہ، کابل یونیورسٹی کے محکمہ اسلامیات کا عملہ، مدرسہ ابو حنیفہ کے سربراہ اور اساتذہ نے بھی بڑی تعداد میں شرکت کی، دوست ممالک کے سفیر بھی اس تقریب میں موجود تھے۔

تقریب کا آغاز تلاوتِ قرآنِ پاک سے کیا گیا۔ اس کے بعد وزیرِ اطلاعات و ثقافت جناب برق شافعی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے یوم پیدائش کی اہمیت اور حضورؐ کے اسوۂ حسنہ پہ روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا۔

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے یوم پیدائش کی ان تقریبات کا آغاز کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں یہ تقریبات افغان عوام کے عظیم قائد نور محمد ترکئی جنرل سیکرٹری خلق پارٹی اور انقلابی کونسل کے صدر اور وزیرِ اعظم کی ہدایت پہ منعقد کی جا رہی ہے۔ اور آج کا یہ عظیم یوم اور یہ تقریبات ہمارے ملک میں ایسے موقع پہ منائی جا رہی ہیں جب تاریخ میں پہلی مرتبہ افغانستان کے مسلمان محنت کش آزادی محسوس کر رہے ہیں، وہ اپنے عمل اور اپنے افکار میں آزاد ہیں، انہوں نے اپنے عظیم قائد کی رہنمائی میں لوٹ کھسوٹ سے نجات حاصل کر لی ہے۔ اور لوٹنے والے طبقوں کی پہنائی ہوئی تمام زنجیروں کو کاٹ ڈالا ہے اور آج پہلی بار اپریل انقلاب کی کامیابی کی وجہ سے وہ آزادی اور پوری روحانی مسرتوں کے ساتھ رسول اللہؐ کے حضور میں عقیدت کا نذرانہ پیش کر رہے ہیں۔

برق شافعی نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا آج ہمارے عوام اس مبارک یوم پیدائش کے موقع پہ محسوس کر رہے ہیں کہ اگر انسان آزاد ہو، انسان کے ہاتھوں انسان کا استحصال ختم ہو گیا ہو ظلم اور

غلامی سے نجات حاصل ہوگئی ہو تو عبادت خداوندی میں کتنا لطف حاصل ہوتا ہے کیونکہ بھوک اور غلامی کا ستایا ہوا انسان صحیح طور پر کبھی خدا کے حضور میں صحیح اور سچے جذبات کے ساتھ عبادت نہیں کر سکتا۔ اس لئے آج افغانستان کے انقلابی مسلمانوں نے اپنے تجربے سے یہ سیکھا ہے کہ مسلمان نما مفت خوروں نے انسانوں کو جبر و ظلم سہنے اور غلامی کے بندھنوں کو برداشت کرنے کے سلسلے میں جو نظریات پڑھائے اور جن نظریات سے ان کے دماغوں کو مسموم کیا تھا وہ کس حد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تعلیمات کے منافی تھے۔ یہ مفت خورے مسلسل ان عام افغان مسلمانوں کو یہی تعلیم دیتے رہے کہ ظلم سہتے رہو، غلامی کی زنجیریں پہنے رہو، نعوذ باللہ یہی اسلام ہے۔ لیکن ہمارے عظیم انقلاب اور اس کے قائد افغان مسلمانوں کو اسلام کی صحیح اور سچی تعلیمات سمجھنے کے مواقع پیدا کئے ہیں اور انہوں نے اس ضمن میں متعدد تقریریں کی ہیں، انٹرویو دیئے ہیں، مضامین لکھے ہیں۔ چنانچہ افغانستان کے مسلمانوں نے محسوس کیا ہے کہ حکومتِ افغانستان کی انقلابی اصلاحات سے اسلام کی تعلیمات کو نہ تو کوئی نقصان پہنچا ہے اور نہ ان پر عملدرآمد میں کوئی رکاوٹ پیدا ہوئی ہے۔ اگر آج سود پر پابندی کے بارے میں ہمارے حکمنامہ نمبر ۶ نے افغانستان کے ایک کروڑ دس لاکھ انسانوں کے نحیف و نزار جسموں کو سود کے جوئے، اور مذہب کے تاجروں اور سامراج کے مظالم سے نجات دلائی ہے تو یہ انقلاب نہیں تو کیا ہے، اس لئے مذہب کے یہ تاجر جو اصل میں "اخوان الشیاطین" ہیں واویلا مچا رہے ہیں۔ کیا یہ واویلا اس لئے ہے کہ سود وصول کرنے پر پابندی کیوں لگا دی ہے؟ کیا یہ اسلام کے احکام کے منافی ہے۔

ہمارے حکمنامہ نمبر ۷، جس کی رو سے غلامی پر، بیگار پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ میں اسلام کے کیا منافی ہے؟ کیا مرد اور عورت کی برابری اسلام کے منافی ہے؟ جس کو اس حکم میں تسلیم کیا گیا ہے۔ ہمارے صحیح اور دیانتدار عالموں نے اس حکمنامے کی حمایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس سے مردوں اور عورتوں کے تعلقات بہتر ہوں گے۔ جس طرح سے ایک پرندے کے دو پر ہوتے ہیں اسی طرح یہ اب فضاؤں میں پرواز کر سکیں گے۔

وزیر اطلاعات و ثقافت نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ہماری حکومت کا حکمنامہ نمبر ۸ ہر قسم کی معاشرتی برائیوں، سماجی ثقافت اور اقتصادی لوٹ کھسوٹ کے خلاف فیصلہ کن وار ہے۔ کیونکہ اس کی رو سے جاگیردارانہ نظام کے تمام مظالم اور زیادتیوں کے خاتمے کا اعلان کیا گیا ہے، کیا یہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے؟ کیا یہ اسوۂ حسنہ کے خلاف ہے؟ کیا یہ اس رسولؐ کی تعلیمات کے خلاف ہے جو انسانوں کے لئے فرشتۂ رحمت بن کر آیا تھا۔ بہر حال ایک ایسے سماج کا قیام جو ہر قسم کے ظلم اور لوٹ کھسوٹ کو ختم کرنے اور انسان کے ہاتھوں انسان کے استحصال کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرفِ غلط کی طرح مٹانے کا عزم ہی اس خلق پارٹی کی حکومت کے تمام اقدام اور تمام اعمال کی قوت متحرک ہے۔ اور اس موقعے پر ہم اس انقلاب کے قائد نور محمد ترکئی کے یہ الفاظ یاد رکھنے کے قابل ہیں۔

"ہمارا سب سے بڑا مقصد کل عالم کے لئے پائیدار امن کا حصول ہے۔ کیونکہ اگر اس جہان رنگ و بو کو امن میسر نہیں ہے تو اچھی اور بہتر زندگی کا خواب بھی کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔ ہم اس

عالم سے کٹ کر نہیں رہ سکتے کیونکہ جہاں بھی شعلے بلند ہوں گے وہ بالآخر ہماری طرف بڑھیں گے۔
وزیر اطلاعات نے کہا یقینی طور پر اگر سامراجی امن عالم کو تباہ کرتے ہیں، جنگ کے شعلوں کو ہوا دیتے ہیں تو کوئی بھی ملک اس سے نہ تو اپنا دامن بچا سکتا ہے اور نہ ہی وہ اپنے مستقبل کو سنوار سکتا ہے۔ اس لئے یہ قدرتی بات ہے کہ یہ سامراجی جو جنگ چاہتے ہیں اور جنگی سامان تیار کرنے میں دن رات ایک کئے ہوئے ہیں وہ ہمارے انقلاب کے خلاف پروپیگنڈہ کریں اور ہمیں امن سے نہ رہنے دیں اور ان کے جھوٹے پراپیگنڈے کے ترکش میں سب سے مہلک اور زہر سے بجھا ہوا تیر یہی ہے کہ وہ ہمیں "کافر" کا لقب دیں، ہمیں "اسلام دشمن" کہہ کر پکاریں، کیونکہ افغانستان کی سامراج اور نوآبادیاتی نظام کے خلاف جدوجہد کرنے والوں کو ہمیشہ یہ الزامات برداشت کرنے پڑے ہیں اور ہماری تاریخ جاننے والوں کو اس بات کا پورا پورا علم ہے۔
وزیر اطلاعات و ثقافت نے کہا کہ آج افغانستان میں جو انقلاب برپا ہوا ہے یہ اسلام کی درخشاں تعلیمات کے عین مطابق ہے اور ہماری پارٹی نے اب تک جو جو اقدام کئے ہیں اور جو بھی اصلاحات نافذ کی ہیں وہ اسلام کی روح کے عین مطابق ہیں اور اس کا سب سے بڑا ثبوت آج کی تقریب ہے، کیا اس سے پہلے کب یہ تقریب ان محلات میں ایسے تزک و احتشام سے منائی گئی تھی اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوم پیدائش کب ایسی شان اور اہتمام سے منایا گیا تھا۔ جو اسلام کا نام لیا کرتے تھے وہ کہاں تھے ان کا کام صرف لوگوں کو دھوکہ اور فریب دینا ہے، ہم اس دن کو کیوں منا رہے ہیں، اس لئے کہ ہم دیانتداری سے رسول اللہؐ کی تعلیمات کو انسانیت کے لئے بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں اس لئے ہم آج یہاں ان کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں۔
بختر نیوز ایجنسی کے مطابق اس عظیم تقریب میں جمعیتہ العلماء کے نائب صدر مولانا عبدالعزیز، پل خشتی جامع مسجد کے خطیب مولوی گل محمد، عدالت عالیہ کے سربراہ ڈاکٹر سید افغانی، محکمہ اوقاف کے سربراہ زین اللہ مالغلائی، دارالعلوم اور دارالحفظ کے سربراہ ساحر پٹیال اور مدرسہ ابو حنیفہ کے سربراہ حلیم حیات نے بھی تقاریر کیں اور اسوۂ حسنہ پر روشنی ڈالی۔
تقریب کے اختتام پر اسی خانہ عوام میں ایک شاندار دعوت طعام کا انتظام کیا گیا اور تمام شرکاء نے کھانا کھایا۔
بختر نیوز ایجنسی کے مطابق افغانستان کے تمام شہروں اور دیہات میں بھی حکومت کی طرف سے یہ تقریب نہایت شاندار طریقے سے منائی گئی، جگہ جگہ جلسے اور مذاکرے ہوئے جہاں اسوۂ حسنہ کے بارے میں تقریریں ہوئیں، مقالے پڑھے گئے اور انقلاب کی کامیابی اور افغانستان کی ترقی کے لئے دعائیں مانگی گئیں۔

THE KABUL TIMES

AFGHAN IDIOMS

Live together like brothers and do business like strangers.

Birthday of Prophet Mohammad

This year the birth day anniversary of Prophet Mohammad, the greatest guide of the islamic world, has been celebrated at a time when fortunately the true spirit of the teaching of Islam is realised in our social and economic conditions.

First and foremostly, the leadership of this country, which for years has been at the hand of the enemies of social justice, fell at the hand of the true friends and devoteys of the downtrodden Muslims of this country.

Today we have a government of the people, the government that is totally at the service and for the wellbeing of the oppressed people and not for the tyrants who are not only the enemies of our people but also the enemies of all human beings.

The despots and tyrants, the anti-religious elements and Ikhwanushayteen and feudals and the exploiters along with their supporters which were monarchical system and the treacherous Nader—Daoud family have been eliminated from this land.

It was on this day, more than fourteen hundreds years ago, that Prophet Mohammad the deliverer of millions of oppressed peoples from various kinds of oppression came into existence.

Prophet Mohammad with his spiritual revolution delivered the downtroddens from the tyranny and despotism of the tyrants and oppressors. Proper Mohammad repeatedly asked the people not to perform tyrannical actions against the oppressed people because God does not like those who are committing tyranny and oppression. We are so fortunate that now our Khalqi and progressive regime is doing away with the tyrannies that Muslims' Prophet had been ordering their elimination.

The revolutionary regime and the revolutionary people of the Democratic Republic of Afghanistan are pretty convinced and are very proud to have done away with the exploitation of man by man and paved the way for the development of such a society in which no enmity and fraude exist. We are happy and proud that no more usury and mortgaging exist in this land and it is obvious to our foes and friends both and they are watching the implementation of this great gift of our Khalqi revolution. While usury is totally forbidden in islam mortgaging has not been common in Islam the way the exploiters are practicing it here and in other parts of the world. At any rate they have been eliminated in this land on the basis of the decree no. 6 of the RC of DRA.

Other decrees of the RC is doing away with the feudal and pre-feudal relations in this land in view of economic and social problems.

These are all in line with the orders of the sacred religion of Islam of which all true Muslims and the religious leaders throughout the world are convinced.

However, there are still some elements in the guise of Islam who want the oppressed people of the world and especially the Islamic world to continue under oppressions of the tyrants and oppressors. These elements who are called Ikhwanul Muslimeen or Ikhwanush Shayateen, are the vested interests of themselves and their lords, the imperialists and colonialists, in danger thus bringing about all sorts of wrong propaganda against us.

They one time call us as infidel, other time against religion and another time under influence of this country or that country.

While it is clear enough that we have full respect for Islam exemplified in the splendid celebation of the birth day of Prophet Mohammad throughout the country especially in the House of People in which a great number of our religious leaders and a great number of the diplomats of the friendly and brotner Muslim countries took part.

This in effect was the first time that, unlike the previous deceitful regimes, such a splendid celebration was held. This means that we are not against Islam at all and neither there are any infidels nor our regime is under the influence of this or that country.

At this moment while we are praying for the soul of the great prophet of Islam we do carry our great tasks toward further development of social justice under the directives of our great leader Noor Mohammad Taraki, General Secretary of PDPA CC, President of the RC and Prime Minister who have delivered with his initiations our downtroddens from the tyranny and despotism.

Holy Prophet's birth anniversary marked in Afghanistan

THE
KABUL TIMES

Vol. XVII, No. 265, Sunday, Feb. 11, 1979, Dalwa 22, 1357, S.H. PRICE AF. 6

HOLY PROPHET BIRTH ANNIVERSARY MARKED ALLOVER AFGHANISTAN

KABUL, Feb. 11, (Bakhtar).—The auspicious birth anniversary of the great Prophet of Islam Hazrati Rasul Akram Mohammad Mustafa was celebrated in grand functions throughout the country by millions of industrious Muslim people of Afghanistan.

The grand function held on this occasion at Dilkusha Palace of the House of People yesterday afternoon, was attended by the Minister of Justice and Attorney General, some members of the Central Committee of the People's Democratic Party of Afghanistan and the Revolutionary Council and some of the cadres and members of the People's Democratic Party, Kabul Municipality and a number of high ranking state officials, vice-president of the Jamiatul Ulama, President of the Court of Cassation, chiefs of the courts of Cassation, Court Department, President of Auqaf, Presidents of the Courts of the Ministry of Justice, President of Darul Uloom Arabi and Darul Haffaz and its teaching staff, dean and professors of the Faculty of Theology of the Kabul University, principal and teaching staff of the Abu Hanifa Madrasa and some scholars and ambassadors of the friendly countries in Kabul.

At the outset a few verses from the Holy Qoran were recited and then the Minister of Information and Culture Bareq Shafiee spoke on the virtue of the anniversary of birthday of the great leader of the Islam Hazrat Mohammad Mustafa, (peace be upon him), and said: I have the honour to open this grand function on the occasion of the anniversary of the birthday of Prophet Mohammad which is held on the instruction of the Great Leader of the People of Afghanistan Noor Mohammad Taraki, General Secretary of the Central Committee of the People's Democratic Party of Afghanistan, President of the Revolutionary Council and Prime Minister.

The Minister of Information and Culture said:

It is a matter of pleasure, that this year this great day is celebrated in our country at a time when for the first time in the course of several centuries millions of industrious Muslim people of Afghanistan while enjoying complete freedom of will and action see the heavy shackles of the parasitic non-Muslim exploiters broken from their hands and feet in the bright light of the glorious Saur Revolution under the leadership of the great leader of the people of Afghanistan Noor Mohammad Taraki, President of the Revolutionary Council and Prime Minister and for the first time they offered their prayers to the soul of their great religious leader Hazrat Mohammad (peace be upon him), the Prophet of Islam under the soul-giving atmosphere of their revolution.

Bareq Shafiee said: The toiling Muslims of Afghanistan are marking the anniversary of the birthday of Prophet Mohammad with all enthusiasm and hope for a glorious life void of exploitation of man by man because today they have realised more than any other time that man in the bonds of slavery and oppression and exploitation cannot worship God without freedom and will. Therefore the revolutionary Muslims of Afghanistan have understood that the belief diffused by a number of Muslim-looking parasites in man's slavery, in encouragement of tolerance towards oppression and exploitation of man by man is a great sin and is profoundly contrary to the teachings of the great Prophet of Islam.

The Minister of Information and Culture said: Our Khalqi state under the leadership of the People's Democratic Party of Afghanistan and the guidance of the strong teacher of the people Noor Mohammad Taraki, President of the Revolutionary Council and Prime Minister in the Basic Lines of Revolutionary Duties has mentioned the principle of respect to the sacred religion of Islam and it has been conformed in the numerous speeches, and interviews of the great teacher of the people of Afghanistan.

The Muslim people of Afghanistan are all sure that the progressive course of the movement of revolutionary Afghanistan has no smallest disturbing effect on the respectable beliefs of our Muslim people and that all the religious rules are seriously observed and the Muslim people of Afghanistan freely perform their religious services.

The Minister of Information and Culture said: Today if the chain-breaking Decree no. 6 is freeing the thin and bony bodies of eleven million people from the heavy burden of usury, imperialism and traders of religion that is Ikhwanush Shayateen have no other way except to proclaim that the cancellation of usury is against religion. What was profane in the Decree no. 7 to which the Muslim-looking traitors resort to. This decree was in effect forbad slavery which is hundred percent in conformity with the sacred religion of Islam. Equality of inseparable rights between woman and man are not contrary to the principles of religion. This decree according to our scholarly teacher brings woman and man close as two wings of a bird.

Bareq Shafiee said: The Decree no. 8 is in effect the turn on the great personality of the world Muslims's leader Prophet Mohammad, peace be upon him, and the virtue of the anniversary of birth day of the Prophet of the Islamic world. Their speeches were broadcast live over radio Afghanistan.

At the end of the function the audience attended a luncheon prepared at the House of the People in honour of the anniversary of the birthday of Prophet Mohammad, (peace be upon him).

Bakhtar reporters report from provinces of the country that millions of our toiling Muslims held grand functions all over the country to celebrate the anniversary of the birthday of the Great Leader of Islam in which speeches were delivered and articles were read by the speakers on this auspicious day and prayed for the progress and advancement of Afghanistan, welfare and prosperity of the toiling people of Afghanistan under the leadership of the People's Democratic Party of Afghanistan.

The College of Theology also held a function on Holy Prophet's birth anniversary the news on which will be carried in tomorrow's issue.

Minister of Information and Culture Bareq Shafiee delivering his speech at the function held on the occasion of auspicious birthday of Prophet Mohammad (peace be upon him).

افغانستان کے مسلمانوں سے خطاب

وسطی ایشیا اور رگزاخستان کے مسلم بورڈ کے وائس چیئرمین اور سوویت یونین کے مسلمانوں کے نمائندے شیخ یوسف خاں شاکروف نے افغانستان کے مسلمانوں سے خطاب کیا۔ اس تقریر کا متن مندرجہ ذیل ہے۔

افغانستان کے واجب الاحترام مسلمانوں اور دینی بھائیو اور بہنو! آپ کے بھائی اور بہن یعنی ہم سوویت یونین کے وفادار مسلمان گذشتہ سال اس خوشگوار مدوجزر کو سن کر بہت خوش ہوئے تھے کہ افغانستان کی قدیم اور آزادی سے محبت کرنے والی سرزمین پر انقلاب اپریل برپا ہوا ہے۔ اس وقت سے ہم پوری توجہ اور گہری محبت کے ساتھ آپ کی سرزمین پر ہونے والی مبارک تبدیلیوں کو دیکھ رہے ہیں اور اللہ سے اپنے افغان بھائیوں اور بہنوں کی خوشحالی کیلئے دعا کر رہے ہیں۔ ایک سال قبل سے کچھ پہلے آپ کی سرزمین میں جو کچھ ہو رہا ہے اور وہ طرز زندگی جو آپکی پوری نسل گذارتی رہی ہے قرآن کے اصولوں کے مطابق نہیں تھی! اسلام ایک ایسا مذہب جو تمام لوگوں اور تمام معاشروں کی خوشحالی کے لئے نیز سچائی، آزادی انصاف اور فلاح وبہبود کے لئے جدوجہد کر رہا ہے۔ لیکن جو لوگ اپریل کے مبارک مہینے سے قبل آپ کی زندگیوں پر حکومت کرتے رہے ہیں وہ لوگ قرآن کے اصولوں کو بے رحمی کے ساتھ مسخ کرتے رہے ہیں۔ وہ لوگ سچائی کی جگہ جھوٹ وفریب، علم کی جگہ جہالت اور آزادی کی جگہ غلامی کو دیتے رہے ہیں۔ انہوں نے عوام کو فاقہ کشی، عزت اور ناخواندگی سے دوچار کر دیا تھا۔ انہوں نے افغان بھائیوں اور بہنوں کے درمیان مذہبی منافرت کا بیج بوکر انہیں ایک دوسرے کے خلاف کر دیا تھا۔ اور اب آپ کے بہترین فرزندوں کی بدولت آپ کی سرزمین پر ایک نئی زندگی جنم لے چکی ہے۔ وہ فرزند جنہوں نے آپ کی تقدیروں اور آپ کی سرزمین کے مستقبل کی عظیم ذمے داریاں سنبھال لیں ہیں اور یہ سب تمام دیانتدار افغانوں کی کوششوں کی بدولت حاصل ہوا ہے۔ محنت کش عوام اب وہ سب کچھ حاصل کر چکے ہیں جن کے حصول کے لئے وہ صدیوں سے خواب دیکھ رہے تھے۔ یعنی زمین، آزادی اور قید وبند سے نجات۔ اب وہ پورے سیاسی حقوق، آزادی، ضمیر، امن اور خوشحالی حاصل کر چکے ہیں۔

آپ اس وقت کو یاد کریں کہ انقلاب سے قبل آپ کس طرح رہتے تھے۔ آپ کو صبح تڑکے سے رات کے دھندلکے تک اس زمین پر کام کرنا پڑتا تھا۔ جو جاگیردار کی ملکیت تھی۔ ہر گاہ کہ آپ نے خود ہی ایک بدنصیب طرز زندگی کو طول دیا تھا۔ نئے اقتدار کے قیام کے بعد ابتدائی دنوں کے دوران ہی آپ کو زمین مل گئی۔ قرآن پاک نے تعلیم دی ہے کہ زمین ان لوگوں کی ملکیت ہے جو اس پر کاشت کرتے ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد، بیٹوں اور بیٹیوں پر غربت اور بیماریاں صدیوں تک کے لئے مسلط کر دی گئی تھیں۔ نئی زندگی کے ابتدائی دنوں کے دوران حکومت نے لوگوں

کو مفت جیسی سہولتیں فراہم کیں قرضے، مشینری اور اناج دے کر غریب ترین خاندانوں کی امداد کی اور انہیں سر چھپانے کے لئے جگہ فراہم کی۔ صدیوں سے لوگوں کو علم و تعلیم کے نور سے محروم رکھا گیا تھا۔ حکومت نے اپنے قیام کے ابتدائی دنوں میں تمام اسکولوں، اداروں اور دیگر درس گاہوں کو عوام کے تصرف میں دے دیا ان سب تبدیلیوں نے آپ کے حقیقی دوستوں کو خوشی اور آپ کے دشمنوں کو نفرت سے بھر دیا ہے۔ ان میں اور تو وہ لوگ ہیں جو زمینوں کے مالک تھے اور انہوں نے قومی دولت کو غبن کیا۔ وہ لوگ جنہیں تمام مراعات حاصل تھیں اور وہ انہیں ہر حال میں دوبارہ حاصل کرنا چاہیں گے وہ لوگ اسلام کی تعلیمات کی آڑ میں اس کی صحیح روح کو مسخ کر کے اپنا صحیح چہرہ چھپا رہے ہیں جو افغان عوام کے دشمنوں کا چہرہ ہے۔ یہ لوگ آپ کو اپنی جیبوں میں رکھنا چاہتے ہیں۔ آپ کو انسانی وقار سے محروم کرنا اور آپ اور آپ کے خاندانوں اور آپ کے بچوں کو غلام بنانا چاہتے ہیں۔ آپ کی ناواقفیت اور تعصبات کے پس ماندہ نظریات سے فائدہ اٹھا کر اسلامی طور طریقوں اور روایات کے بارے میں اسلام کی صحیح تعلیمات کو مسخ کر کے وہ آپ کو فریب دینے اور آپ کو اپنے ناپاک منصوبوں کے لئے آلہ کار بنا کر آپ کو فریب دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کے ذلیل افعال میں ان کی امداد آپ کے ملک سے باہر رہنے والے وہ لوگ کر رہے ہیں جنہیں آپ کی زندگیوں کا قطعی کوئی خیال نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور پھوٹ کا بیج بوتے ہیں۔ کیونکہ انہیں قرآن پاک کا کوئی خیال نہیں ہے۔ جو کہ درحقیقت یہ کہتا ہے کہ تمام اہل عقیدہ بھائی بھائی ہیں۔

افغانستان کے واجب الاحترام مسلمانو!

قرآن پاک کا حکم ہے کہ اگر آپ کے پاس کوئی شخص پیغام لاتا ہے تو آپ کو اس خبر کی صداقت کے بارے میں بار بار تصدیق کرتی ہے۔ ورنہ ایک آفت آپ کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ اور بے گناہ انسانوں کا خون بہہ سکتا ہے۔ آپ اشتعال انگیزیوں پر کان نہ دھریں اور اپنی حکومت کے تمام اعلیٰ سچے اقدامات پر اس کی حمایت کریں یہ آپ کے مفادات اور عقیدے کی ضامن ہے اور تمام مسلمانوں کی اخوت کو مضبوط بنانے کے لئے حتی الامکان کوشش کر رہی ہے ماضی کو غربت اور جہالت جیسی مصیبتوں کے ساتھ واپس نہ آنے دیجئے۔

ہم سوویت یونین کے مسلمان کئی عشروں سے افغان عوام کے ساتھ برادرانہ تعلقات برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ اور گذشتہ برسوں کی طرح آج بھی ہم ایک نئی زندگی کے لئے آپ کی جدوجہد میں آپ کے ساتھ ہیں۔ اپنے گھر کے مالک بننے کے لئے آپ کی جدوجہد کی ہم بھرپور حمایت کرتے ہیں اور دعاگو ہیں کہ آپ کی خدمات کا ثمرہ افغان عوام کی خوشحالی کی ضرورت کو پورا کرے۔

عزیز ہمسایو، واجب الاحترام دینی بھائیو! آپ کی خوشحالی کے لئے دعا کرتے ہوئے

ہم یہ اعتماد کرتے ہیں کہ عقل و دانش کو دیوانگی پر فتح حاصل ہوگی اور آپ کی سرزمین میں بحال ہو جائے گا۔ خدا آپ کی مدد کرے

پانچواں باب

بنیادی تبدیلیاں

نئی زندگی ——— نئے اسلوب

اصلاحات سے متعلق حکمنامے

انقلاب کی کامیابیاں

نور محمد ترکئی

زرعی اصلاحات

لطیف چوہدری

"افغانستان کے انقلاب نے عوام کو کتنی سہولتیں اور آسانیاں بہم پہنچائی ہیں اس کا اندازہ افغانستان کی حکمران جماعت خلق پارٹی کے اجلاسوں میں پیش کی جانے والی مختلف رپورٹوں سے ہو سکتا ہے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جن ممالک میں حقیقی جمہوری قومی انقلاب بپا ہوتا ہے وہاں انقلاب کو کامیاب بنانے اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی پوری ذمہ داری اس جماعت پر ہی عائد ہوتی ہے جس نے انقلاب بپا کیا ہے۔ چنانچہ انقلاب کے بعد اپنی جماعت کی مرکزی کمیٹی کے روبرو پارٹی کے سیکرٹری جنرل نور محمد ترکئی نے اکتوبر ۱۹۷۸ء میں یہ رپورٹ پیش کی تھی، اس وقت انقلاب کو بپا ہوئے پانچ ماہ کا قلیل عرصہ گذرا تھا۔

عوامی انقلاب کا صحیح اندازہ انقلابی حکومتوں کے عمل سے ہوتا ہے اور اسی عمل سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ انقلاب بھی ہے یا نہیں۔ کیونکہ جب تک سماجی رشتے تبدیل نہیں ہوتے، جب تک استحصالی طبقوں کی من مانی کارروائیوں پر پابندیاں عائد نہیں ہوتیں۔ جب تک کہ محروم طبقوں کو ذرائع پیداوار پر تصرف حاصل نہیں ہوتا۔ اس وقت تک کوئی تبدیلی صحیح معنوں میں انقلاب نہیں کہلا سکتی۔ یہ جاننا اور سمجھنا اس لیے ضروری ہے کہ آج کی دنیا میں بہت سے ممالک میں استحصالی طبقے صرف چہرے بدل کر اس تبدیلی کو انقلاب کا نام دے دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ملک فیروز خاں نون ۱۹۵۸ء میں پاکستان کے وزیر اعظم تھے اور جنرل ایوب نے ان کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کر لیا اور اس کو انقلاب کا نام دے دیا گیا، یا پھر ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جنرل ضیاء نے اقتدار پر قبضہ کر کے اس کو انقلاب کا نام دے دیا گیا۔ حقیقتاً یہ انقلاب نہیں ہے۔ اور ان تبدیلیوں نے نہ سماجی رشتوں میں کسی قسم کی تبدیلی پیدا کی اور نہ ہی عوام کی زندگیوں میں ہی کوئی آسانیاں پیدا ہوئیں بلکہ تھوڑی بہت جو جمہوری آزادیاں حاصل تھیں وہ بھی چھین گئیں اور مارشل لا نافذ ہو گیا۔ اب یہ انقلاب نہیں کہلا سکتا، اس صورتِ حال میں افغانستان میں داؤد نے ظاہر شاہ کا جو پانسہ پلٹا تھا۔ وہ انقلاب نہیں تھا۔ لیکن جب داؤد کا تختہ الٹ گیا تو اس کو ہم انقلاب کہہ سکتے ہیں۔ اس انقلاب کے کردار پر افغانستان کی حکمران جماعت خلق پارٹی کے ایک قائد اور افغانستان کے وزیر اعظم حفیظ اللہ امین کا ہم سیر حاصل تبصرہ انہی صفحات میں شائع کر رہے ہیں۔ لیکن اس وقت انقلاب کے ایک دوسرے پہلو پر روشنی ڈالنا مقصود ہے اور وہ ہے انقلابی حکومت کا عمل۔ اس عمل کے جاننے کے لئے افغانستان کی انقلابی کونسل کے ان حکمناموں کو جاننا ضروری ہے۔ جن کی رو سے، سود پر پابندی عائد کی گئی، زرعی اصلاحات نافذ کی گئیں، رہن شدہ اراضی کو واگذار کر دیا گیا۔ جہیز کی لعنت کو ختم کیا گیا۔ مختلف قومیتوں کی زبانوں اور تہذیب و تمدن کے تحفظ کی ضمانت دی گئی۔ شروع کے دو حکمناموں کے ذریعے افغانستان کی حکومت کے قیام اور نور محمد ترکئی کی صدارت کا اعلان کیا گیا باقی کے حکمناموں میں سود پر پابندی، جہیز کا خاتمہ اور زرعی اصلاحات کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہ حکمنامے تفصیل سے ہم نے دے دیئے ہیں۔

حکمنامہ نمبر ۳

اللہ تعالےٰ کے نام پر جو رحم کرنیوالا اور بخشنے والا ہے۔

۴ مئی ۱۹۷۸ء!

۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء کے ثور انقلاب کی کامیابی کے موقع پر ہم نے اہلِ وطن کو مطلع کر دیا تھا کہ محمد داؤد کا وضع کیا ہوا آئین منسوخ کر دیا گیا ہے۔

جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل نے محکمہ اوقاف اور عدلیہ کو از سرِ نو منظم کرنے کے لئے تاکہ مملکت، حکومت اور عوام کے قانونی حقوق کا تعین ہو سکے یہ حکمنامہ جاری کیا۔

دفعہ نمبر ۱ آئین کی منسوخی کے باوجود وہ تمام قوانین جو جمہوریہ افغانستان کے مقاصد کے منافی نہیں ہیں وہ پہلے کی طرح برقرار رہیں گے اور ان کا روزمرہ زندگی پر بدستور اطلاق ہوتا رہے گا۔

دفعہ نمبر ۲ پہلے قانون کے تحت جو اختیارات سپریم کورٹ کو حاصل ہیں اب اس حکمنامے کے بعد وہ تمام اختیارات جمہوریہ افغانستان کی اعلےٰ جوڈیشل کونسل کو تفویض کر دیئے گئے ہیں۔ یہ اعلےٰ جوڈیشل کونسل جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل کو جوابدہ ہو گی۔

یہ جوڈیشل کونسل مشتمل ہو گی۔

۱۔ وزیر عدل۔ جو اس کونسل کے صدر بھی ہوں گے۔
۲۔ عدالتی امور کے نائب وزیر۔ رکن
۳۔ عدالت اپیل کے صدر۔ رکن
۴۔ اوقاف اور انتظامی امور کے نائب وزیر۔ رکن
۵۔ ڈپٹی اٹارنی جنرل۔ رکن
۶۔ ان کے علاوہ وزیر اوقاف انقلابی کونسل کی منظوری سے جن دوسرے افراد کو اس کونسل میں شامل کرنا چاہیں کر سکیں گے۔

جوڈیشل کونسل الگ سے شہریوں کے جمہوری حقوق اور مفادات کے بارے میں وقتاً فوقتاً احکام جاری کرتی رہے گی۔ یہ تمام احکام جو جوڈیشل کونسل جاری کرے گی یہ افغان عوام کی بنیادی انقلابی خواہشات جن کا اظہار جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل کے فیصلوں میں کیا جائے گا۔ کے مطابق ہوں گے۔

دفعہ نمبر ۳ جوڈیشل کونسل کے اختیارات ان تمام دیوانی مقدمات پر بھی ہوں گے جن میں دعوے دار یا اپیل کنندگان نے دعوے دائر کر رکھے ہیں اور ان کے فیصلے قانون کے مطابق کئے جائیں گے۔

دفعہ نمبر ۴ عدالتوں کے تمام فیصلوں پر فوری عملدرآمد کیا جائے گا۔ سوائے ان فیصلوں کے جہاں موت کی سزا دی گئی ہے۔ کیونکہ موت کی سزا کی توثیق کے لئے جمہوریہ افغانستان کے صدر کی منظوری ضروری ہے۔

دفعہ نمبر ۵ قانون میں جو اختیارات صدرِ مملکت کو تفویض کئے گئے ہیں وہ اب سے انقلابی کونسل کے صدر کو بھی حاصل ہوں گے۔

دفعہ نمبر ۶ قانون میں جو اختیارات چیف جسٹس کو تفویض کئے گئے ہیں وہ اب وزیرِ انصاف کے پاس ہوں گے۔

دفعہ نمبر ۷ عدالت جو انقلابی فوجی عدالت کہلائے گی قائم کی جائے گی اور یہ اس وقت تک کام کرتی رہے گی جب تک جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل اس کو توڑنے کے احکام صادر نہیں کرتی اور یہ عدالت صرف جمہوریہ کی انقلابی کونسل کو ہی جوابدہ ہوگی۔

ان فوجی عدالتوں پر انہی قواعد کا اطلاق ہوگا جو کورٹ مارشل پر لاگو ہوتے ہیں۔

یہ عدالتیں ایک جگہ پر بھی لگائی جا سکتی ہیں اور گھوم پھر کر بھی مقدمات کا فیصلہ کر سکتی ہیں۔

دفعہ نمبر ۸ انقلابی فوجی عدالتوں کے ججوں کا تقرر انقلابی کونسل کی طرف سے عمل میں آئے گا۔ سول اور فوجی حکام یا اشخاص جنہوں نے انقلاب ثور کے مفادات کے خلاف کوئی اقدام کیا ہوگا یا جن سے جمہوریہ افغانستان کے داخلی یا خارجی استحکام کے خلاف کوئی جرم سرزد ہوا ہوگا ان کے خلاف مقدمات کا فیصلہ فوجداری قانون اور انقلابی کونسل کے احکام کے مطابق کیا جائے گا۔

دفعہ نمبر ۹ جمہوریہ افغانستان کے تمام دوسرے شعبے اپنے فرائض قانون اور مروجہ احکام کے تحت ادا کریں گے۔

دفعہ نمبر ۱۰ سول سروس کے متعلق قانون کی دفعہ ۱۳ میں ایک جیسے کام کے لئے ایک جیسی تنخواہ کے سلسلے میں یہ ترامیم کی گئی ہیں۔

۱۔ ''انتظامیہ جب بھی ضروری سمجھے کسی بھی سرکاری ملازم جو قابل اور موزوں ہو کو قانون کی دفعہ نمبر ۱۱ کے تحت اس کے اپنے عہدے سے اعلیٰ عہدے پر مقرر کر سکتی ہے۔''

۲۔ انتظامیہ جب بھی مناسب سمجھے جمہوریہ افغانستان کے کسی بھی شہری کو جو قابل اور موزوں ہو کو دفعہ نمبر ۱۱ کے اختیارات کے تحت کسی بھی عہدے پر مقرر کر سکتی ہے اور اس ضمن میں دفعہ نمبر ۵ آڑے نہیں آئے گی اور اس کو اس کے عہدے کے مطابق تنخواہ اس وقت سے ادا کی جائے گی جب اس کا تقرر عمل میں آئے گا۔

۳۔ سول ملازمین کی ترقیوں اور ریٹائر کئے جانے کے متعلق قانون کی دفعہ ۲ کے تحت قواعد از سرِ نو مرتب دیئے جا رہے ہیں جن کا جلد ہی اعلان کر دیا جائے گا۔

دفعہ نمبر ۱۱ تھرڈ لیفٹیننٹ، استاد یا دوسرے ملازمین جن کی ترقیاں رکی ہوئی تھیں ان کو کامیاب انقلاب کے دن سے ترقی دی جائے گی اور جن ملازمین کی ترقیاں اس نہ ملنے میں ہونے والی تھیں ان کو ایک مزید گریڈ کی ترقی دی جا رہی ہے۔

حکمنامہ نمبر ۴

۵ مئی ۱۹۷۸ء! داؤد حکومت جو قوم دشمنی، عوام دشمن اور غیر جمہوری حکومت تھی نے تمام کارروائیاں اپنی آمریت اور نادر شاہی خاندان کی لوٹ کھسوٹ کی حفاظت کے لئے جاری رکھی تھیں، ان مستمہ عوام دشمنوں نے افغان عوام کے تمام جمہوری حقوق اور شہری آزادیوں کو پامال کر رکھا تھا اور ظلم و جبر روزمرہ کا معمول تھا، یہ ظالم نادری خاندان جو نصف صدی تک افغانستان پر حاکم رہا نے پوری انتظامیہ کو نوآبادی انتظامیہ میں تبدیل کر دیا اور ان کی حکومت کی پالیسیوں کی اساس "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" پر تھی۔ ان کا مقصد عوام کے اتحاد کو کمزور کرنا، قبائل کو آپس میں لڑانا اور ایک قومیت کو دوسری قومیت سے متصادم کرانا تھا۔ اس خاندان کی حکومتوں نے تمام قومیتوں کی زبانوں اور ثقافت کو فسطائی اور غیر جمہوری طریقوں سے دبا رکھا تھا اور مختلف قومیتوں کو ظلم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ انہوں نے مختلف قومیتوں کی ثقافت اور زبانوں کے نشوونما کے سلسلے میں رتی بھر کوشش نہیں کی بلکہ ان کی ترقی اور نشوونما کو روکنے کی مسلسل کوشش کی۔

اپریل کا کامیاب انقلاب جو ایک حیاتِ نو کا پیغامبر بن کر آیا ہے نے ہر قسم کے ظلم و جبر اور قومیتوں کے ساتھ امتیازی سلوک کو ختم کر دیا ہے اور عوام کو سرداروں کے ظلم و جبر سے نجات دلا دی ہے اور جمہوریہ افغانستان کے انقلابی مقاصد کے مطابق تمام قومیتوں کی نشوونما کے لئے موافق ماحول پیدا کرنے کا عزم کر رکھا ہے ان مقاصد کے مطابق تمام قومیتوں کی زبان، ادب اور مطبوعات کا اہتمام کیا جائے گا۔ تمام قومیتوں اور قبائل کی مادری زبان کی نشوونما کی جائے گی۔ تاکہ افغانستان کی ترقی پسند اور قومی ثقافت وجود میں آسکے اور قومی مسائل کا جمہوری حل ڈھونڈا جا سکے۔ اس لئے جمہوریہ افغانستان کی حکومت نے ان مقاصد کے حصول کے لئے عملی اقدام کرنے کا فیصلہ کیا ہے اس لئے فوری طور پر فیصلہ کیا گیا ہے کہ۔

وزارتِ اطلاعات و ثقافت، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر تمام پروگراموں کو ازبکی، ترکمانی، بلوچی اور نورستانی زبانوں میں بھی پیش کیا جایا کرے گا۔ اور ان تمام قومیتوں اور قبائل کی تہذیب و ثقافت کا اظہار ان پروگراموں میں بھرپور انداز میں کیا جایا کرے گا۔ تاکہ ہمارے عظیم پیارے افغانستان کی تہذیب و ثقافت مجموعی طور پر نشوونما پا سکے۔

حکمنامہ نمبر ۵

جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل نے یہ حکمنامہ افغانستان کے شہریوں کی شہریت اور ملک دشمنوں اور غداروں کی شہریت کے حقوق کی منسوخی سے متعلق ہے اس حکمنامے میں درج ۔۔

افغانستان کے کسی شہری کو شہری حقوق تفویض کرنا اور کسی کو شہری حقوق سے [illegible]روم کرنے کی ذمہ داری

جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل کے دائرۂ اختیار میں ہے۔

افغانستان کے ہر شہری کو جہاں کچھ حقوق اور آزادیاں حاصل ہیں وہاں اس پر کچھ فرائض بھی عائد ہیں ملک کی آزادی کی تائید اور حفاظت کرنا۔ علاقائی سالمیت اور قومی آزادی کا تحفظ کرنا اور انقلاب افغانستان کی تکمیل یا انقلابی کونسل کے احکام اور حکومت کے قوانین کی پابندی کرنا۔ عوام کی ملکیت کی حفاظت کرنا۔ خود یا کسی کو سرکاری املاک کو ناجائز تصرف میں لانے یا غلط استعمال کرنے سے روکنا اس کو ذاتی یا خاندانی تصرف میں لانے سے باز رکھنا۔ یہ تمام شہریوں کے فرائض میں شامل ہیں۔

شہریوں کے یہ بنیادی فرائض ہیں۔ ان فرائض سے کوتاہی یا انحراف ملک و قوم اور عوام سے غداری کے مترادف تصور ہوگا اور اس کے لئے کڑی سے کڑی سزا دی جا سکتی ہے اور اسے ناقابل معافی جرم تصور کیا جائے گا۔ اس بنیاد پر یہ صاف ظاہر ہے کہ نادر خاں اور ان کے بھائیوں کے خاندان کے تمام بالغ اراکین جن میں محمد ظاہر شاہ، اس کے لڑکے اس کے داماد عبدالولی اور عزیز نعیم شامل ہیں اور جو آجکل ترک وطن کر کے باہر مقیم ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ ملک کے بیرونی دشمنوں سے سازباز کی ہے اور قومی سالمیت، عوامی مفاد اور ملکی آزادی کو شدید نقصان پہنچایا ہے اور انہوں نے ملک کی املاک کو لوٹا ہے اور ذاتی استعمال میں لائے ہیں۔ لہٰذا

جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل ان کو قومی غدار قرار دیتی ہے، ان کو تمام حقوق سے محروم کرتی ہے اور ان کے جمہوریہ افغانستان کے حقوق شہریت منسوخ کرتی ہے۔ اور تمام بین الاقوامی ذرائع کو مطلع کرتی ہے کہ ذیل کے ۲۳ افراد جمہوریہ افغانستان کے شہری نہیں رہے ہیں۔

۱۔ عبدالولی ولد شاہ ولی
۲۔ بیگم بلقیس، دختر ظاہر شاہ اور زوجہ عبدالولی
۳۔ احمد شاہ پسر ظاہر شاہ
۴۔ بیگم خاتون زوجہ احمد شاہ
۵۔ محمد نادر پسر ظاہر شاہ
۶۔ بیگم سہیل ہما زوجہ محمد نادر
۷۔ ولی شاہ ولی پسر شاہ ولی
۸۔ بیگم مرغلی زوجہ ولی شاہ ولی
۹۔ مصطفیٰ ولی شاہ ولی پسر ولی شاہ ولی
۱۰۔ سلطان محمود غازی
۱۱۔ بیگم عالیہ محمود زوجہ سلطان محمود غازی
۱۲۔ محمد عزیز نعیم پسر محمد نعیم
۱۳۔ بیگم مریم عزیز نعیم زوجہ عزیز نعیم

۱۴- محمد داؤد پسر ظاہر شاہ

۱۵- بیگم فاطمہ داؤد زوجہ محمد داؤد پسر ظاہر شاہ

۱۶- محمود غازی

۱۷- محمد ظاہر شاہ

۱۸- بیگم حمیرا ظاہر شاہ

۱۹- میرداعنظ ظاہر پسر ظاہر شاہ

۲۰- بیگم ثوریا پائی کائی محمود غازی دختر محمد داؤد پسر ظاہر شاہ

۲۱- بیگم ثمارالسراج زوجہ شاہ ولی

۲- طارق عارف پسر جنرل محمد عارف داماد عبدالولی

۲۲- حمیرا ولی زوجہ طارق عارف

حکمنامہ نمبر ۶

۲ جولائی ۱۹۷۸ء

ثور انقلاب کی کامیابی نے استحصال کرنے والے طبقوں کی محروم طبقوں پر سیاسی برتری کو ختم کر دیا ہے اور اب افغانستان کی خلق پارٹی کی رہنمائی میں ایک نئے جمہوری معاشرے کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔

افغانستان کے پسماندہ اور پسے ہوئے عوام کی خوشحالی کے لئے اقدام جمہوریہ افغانستان اپنا بنیادی فرض تصور کرتی ہے اور ان انقلابی فرائض اور ذمہ داریوں سے وہ عہدہ برآ ہونے کے لئے سب سے زیادہ ترجیح کسانوں کی بہبود کو دیتی ہے جن کی زمینداروں نے صدیوں سے سود اور رہن شدہ اراضی کے ذریعے کمر توڑ رکھی ہے اور یہ آج تک زمینداروں اور سود خوروں کے چنگل سے آزاد نہیں ہو سکے ہیں۔ اس لئے جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل نے یہ حکمنامہ جاری کیا ہے تاکہ لاکھوں محنت کش کسان خاندان استحصالی طبقوں کے چنگل سے آزاد ہو سکیں۔

آرٹیکل نمبر ۱ مرتہن کو جس نے کسی ایسے شخص کی اراضی گروی لی ہوئی ہے جس کے پاس ۱۹۷۲ء میں پانچ ایکڑ اراضی درجہ اول یا اس سے کم اراضی تھی اب یہ اراضی بغیر اصل رقم لئے مالک کو واپس کرنی ہوگی اب مرتہن کو موجودہ فصل اٹھانے کا فقط حق ہوگا۔

آرٹیکل نمبر ۲ اگر راہن نے کسی ایسے شخص کی اراضی حاصل کی ہے جس کی ۱۹۷۳ء میں کل ملکیت ۵ ایکڑ اراضی درجہ اول یا اس سے کم تھی تو اسے اب کھڑی فصل حاصل کرنے کا حق ہوگا اور اس کو اراضی واپس کر کے اپنا روپیہ راہن سے ذیل کے طریقوں میں واپس لینے کا حق ہوگا۔

۱- اگر اراضی کو ۱۹۷۳ء میں رہن رکھا گیا ہے تو پھر صرف ۲۰ فیصد قرضہ ایک سال کے اندر اندر واپس کرنا ہوگا۔

۲۔ اگر اراضی ۴، ۱۹۷۶ء میں رہن رکھی گئی ہے تو پھر ۴۰ فیصد قرضہ ایک سال کے بعد دو سال کے اندر اندر ادا کرنا ہوگا۔

۳۔ اگر اراضی ۵، ۱۹۷۶ء میں رہن رکھی گئی ہے تو اس صورت میں ۶۰ فیصد قرضہ ایک سال بعد تین سال کے اندر اندر ادا کرنا ہوگا۔

۴۔ اگر اراضی ۶، ۱۹۷۶ء میں رہن رکھی گئی تو اس صورت میں ۸۰ فیصد قرضہ ایک سال بعد چار سال کے اندر اندر ادا کرنا ہوگا۔

۵۔ اگر اراضی ۷، ۱۹۷۶ء میں رہن رکھی گئی ہے تو ۹۰ فیصد قرضہ ایک سال بعد ۵ سال کے اندر اندر ادا کرنا ہوگا۔

آرٹیکل نمبر ۳ جو کسان دوسروں کی اراضی میں بحیثیت کھیت مزدور کام کر رہے ہیں ان کے تمام قرضے اور سود معاف کر دیئے گئے ہیں اور ان کو اب نہ تو قرضہ جو انہوں نے زمیندار یا بنئیے سے لیا ہے ادا کرنا ہوگا اور نہ ہی کسی قسم کا سود ادا کرنا ہوگا۔

آرٹیکل نمبر ۴ بے زمین کسان یا وہ کسان جن کے پاس کل ملکیت ۵ ایکڑ اراضی یا اس کے برابر ہے ان کو بھی ایسے قرضوں کی ادئیگی سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے جو قرضے ۱۹۷۳ء سے پہلے انہوں نے کسی ایک یا ایک سے زیادہ اشخاص سے حاصل کیا ہو، اس کے ساتھ ہی سود بھی معاف کر دیا گیا ہے۔

آرٹیکل نمبر ۵ ۵ ایکڑ اراضی کے مالک کسانوں کو ۱۹۷۳ء کے بعد حاصل کئے گئے قرضوں اور گروی شدہ اراضی کی واگذاری آرٹیکل ۲ کے تحت کی جائے گی بشرطیکہ تحریری قانونی دستاویزات موجود ہوں۔

آرٹیکل نمبر ۶ رہن نامہ اور قرضوں کی تمام تمسکات آرٹیکل ایک سے پانچ تک عملدرآمد کے بعد کالعدم تصور ہوں گے۔

آرٹیکل نمبر ۷ یہ حکمنامہ اسی وقت سے نافذ العمل ہوگا جیسے ہی یہ سرکاری گزٹ میں شائع ہو جائے گا۔ ان حکمناموں کے ساتھ ایک تتمہ بھی لگایا گیا ہے جس میں درج ہے۔

حکمنامہ نمبر ۶ کے نفاذ کا مقصد افغانستان کے عوام کی بہبود اور خوشحالی کی ضمانت دینا ہے بالخصوص محنت شاقہ کرنے والے باعزت کسانوں کی خوشحالی اس حکومت کو سب سے زیادہ عزیز ہے چنانچہ اس مقصد کے لئے مقامی اہلکاروں پر زبردست ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس لئے جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل اس حکمنامہ نمبر ۶ کے نفاذ کے سلسلے میں کسان جن مسائل سے دوچار ہوں گے ان کے حل کے لئے کمیٹیاں قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اور ان کمیٹیوں کے فرائض ذیل میں تفصیلی طور پر دیئے جا رہے ہیں۔

پہلا باب

آرٹیکل نمبر ۱ کسانوں کو جو مسائل درپیش ہیں اس کے لئے WOLOSWALI ضلع کی سطح پر کمیٹی قائم کی جائے گی۔

آرٹیکل نمبر ۲ ہر کمیٹی کو آگے اپنے علاقوں میں نچلی سطح پر کمیٹیاں قائم کرنے کا اختیار ہوگا اور ان سے وقتاً فوقتاً مشورہ کیا جاتا رہے گا۔

آرٹیکل نمبر ۳ | WOLOSWALI ضلع کمیٹی صوبائی کمیٹی کی اجازت سے اپنے اختیارات نچلی کمیٹیوں کو تفویض کر سکتی ہے۔ یہ اختیارات نزدیکی WOLOSWALI ضلعی کمیٹی کے علاقوں کی کمیٹیوں کو بھی تفویض کیے جا سکتے ہیں۔

آرٹیکل نمبر ۴ | WOLOSWALI ضلع کمیٹی صوبائی کمیٹی کے سامنے جوابدہ ہوگی اور اس کے ماتحت ہی یہ کمیٹی کام کرے گی۔

آرٹیکل نمبر ۵ | یہ WOLOSWALI (ضلع کمیٹی) مندرجہ ذیل اراکین پر مشتمل ہوگی۔

۱۔ ضلع (WOLOSWALI) کا سربراہ اس کمیٹی کا صدر ہوگا۔
۲۔ سرکاری اراضی کا انچارج افسر کمیٹی کا رکن۔
۳۔ اٹارنی جنرل کا نمائندہ۔
۴۔ کسانوں کے دو نمائندے بحیثیت رکن۔
۵۔ تعلیمی افسر بحیثیت رکن۔
۶۔ زرعی افسر بحیثیت رکن۔

دوسرا باب

WOLOWALI (ضلع کمیٹی) جو کسانوں کے مسائل حل کرنے کے لئے قائم کی گئی ہے اس کے فرائض۔

آرٹیکل نمبر ۶ | اس کمیٹی کے مندرجہ ذیل فرائض اور ذمہ داریاں ہیں۔

۱۔ زمیندار اور مزارع کے درمیان جھگڑوں کا منصفانہ تصفیہ اور گروی شدہ اراضی کو ان کے جائز مالکوں کو واپس دلوانا۔
۲۔ مالیہ کے رجسٹروں اور دوسری قانونی دستاویزات کی بنیاد پہ مالکانہ حقوق کا تعین اور زیر کاشت رقبے کا از سر نو تعین۔
۳۔ کھڑی فصل کا تعین اور حکمنامہ نمبر ۸ کے آرٹیکل ایک اور دو کے تحت گروی شدہ اراضی کی واپسی کا فیصلہ۔
۴۔ رہن اور سود کے بارے میں دستاویزات کی چھان بین ان کی صحت کے متعلق فیصلہ اور ان کی صحیح تاریخوں کا تعین۔
۵۔ بے زمین کسانوں اور کھیت مزدوروں کی تشخیص۔
۶۔ قرضوں کے بارے میں دستاویزات کی چھان بین اور ان قرضوں اور رہن ناموں میں امتیاز کرنا اور ان کے بارے میں کسی فیصلے پہ پہنچنا۔

آرٹیکل نمبر ۷ | یہی کمیٹیاں اس امر کا بھی تعین کریں گی کہ کسانوں کی کن تنظیموں اور کن افراد کو زرعی بنک سے کھاد، بیج، فصلوں پر چھڑکنے کے لئے ادویات وغیرہ کے لئے قرضے دیئے جانے چاہئیں،

ان کے علاوہ یہی کمیٹیاں زرعی آلات اور مشینری اور دوسری سہولتیں مہیا کرنے کا کام بھی کریں گی۔

تیسرا باب

آرٹیکل نمبر ۸ جہاں تک صوبائی کمیٹیوں کا تعلق ہے وہ مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل ہوں گی۔
۱۔ صوبائی گورنر اس صوبائی کمیٹی کا صدر ہوگا۔
۲۔ صوبائی آڈیٹر جنرل بحیثیت رکن۔
۳۔ سرکاری اراضی کا ڈائریکٹر جنرل۔
۴۔ ڈائریکٹر جنرل زراعت۔
۵۔ اٹارنی جنرل کا نمائندہ۔
۶۔ تعلیم کا ڈائریکٹر جنرل۔
۷۔ کسانوں کے تین نمائندے۔

آرٹیکل نمبر ۹ یہ صوبائی کمیٹیاں ضلع کمیٹیوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت کرے گی اور یہ ان فیصلوں کو نامنظور یا منظور کر سکتی اور نئے احکام بھی صادر کرنے کی مجاز ہے۔

آرٹیکل نمبر ۱۰ ضلع کمیٹی اگر کسی جھگڑے کا فیصلہ نہیں کرپاتی اور وہ معاملہ صوبائی کمیٹی کو بھیج سکتی ہے۔

آرٹیکل نمبر ۱۱ ہر صوبائی مرکز ضلع کمیٹی کی سفارش پر اپنی کمیٹی قائم کر سکتا ہے لیکن اس کمیٹی کی منظوری صوبائی کمیٹی سے حاصل کرنا ہوگی۔

آرٹیکل نمبر ۱۲ صوبائی کمیٹیوں کے فیصلے آخری اور حتمی ہوں گے۔

آرٹیکل نمبر ۱۳ یہ جیسے ہی سرکاری گزٹ میں شائع ہوگا اُسی دن سے اس پر عمل درآمد شروع ہو جائے گا۔

اسی طرح سے حکمنامے نمبر ۳ کے ساتھ بھی تتمہ دیا گیا ہے اس کی رو سے جمہوریہ افغانستان کی انقلابی کونسل نے معمولی نوعیت کے مقدمات کو نمٹانے کے لئے لائحہ عمل تجویز کیا ہے تاکہ فیصل طلب مقدمات جمع نہ ہونے شروع ہو جائیں اور عوام کو حصولِ انصاف میں دشواریاں نہ پیش آئیں۔ اس لئے ابتدائی اپیل کی سماعت کرنے والی عدالتوں کو ہدایت کی گئی ہے۔

آرٹیکل نمبر ۱ دیوانی مقدمات میں جہاں مقدمہ ۲سو افغانی کی مالیت تک ہو اس میں ابتدائی عدالت کا فیصلہ حتمی تصور ہوگا۔

آرٹیکل نمبر ۲ اسی طرح عدالت اپیل کا جہاں دیوانی مقدمہ ۲ ہزار افغانی مالیت تک ہو اور کمرشل مقدمہ ۴ ہزار افغانی مالیت تک ہو فیصلہ حتمی تصور ہوگا۔

حکمنامہ ۷

جہیز

یہ حکمنامہ انقلاب کے بنیادی اغراض و مقاصد کی مشق نمبر ۱۲ کے اطلاق کے لئے جاری کیا جا رہا ہے۔ اس کا مقصد

۱۔ عورت اور مرد کی مساویانہ حیثیت کی ضمانت دینا اور قانون کی رو سے ان کو برابر تسلیم کرنا ہے۔

۲۔ غیر منصفانہ جاگیردارانہ انداز جو خاوند اور بیوی کے رشتے میں رائج ہے اس کو ختم کرنا ہے۔

۳۔ خاندانوں کے مابین خوشگوار اور پُرامن تعلقات کی بنیاد رکھنا۔

آرٹیکل ۱

۱۔ کوئی شخص بھی کسی لڑکی کو معاوضہ، نقدی یا جنسی کے عوض میں نکاح میں نہیں دے گا۔

۲۔ کوئی شخص دولہا کو شادی کے موقع پر کسی قسم کی رقم یا معاوضہ جس کو افغانستان میں (HALLWARONTOYANA) کہا جاتا ہے نہیں دے سکے گا

آرٹیکل ۲

کوئی شخص دولہا یا اس کے والدین اور سرپرستوں کو لڑکی یا لڑکی کے والدین کے لئے کپڑے اور تحفے دینے کے لئے مجبور نہیں کرے گا نہ ہی کسی قسم کی عیدی، نوروزی یا بارات کے تحائف ہی دینے پر مجبور کیا جائے گا۔

آرٹیکل ۳

لڑکی یا اس کے والدین مہر کے نام پر کوئی نقدی یا جنس وصول کرنے کے مجاز نہیں ہوں گے۔ مہر صرف ۱۰ درہم تک ہوگا۔ جس کی شریعت میں اجازت ہے جو ۳ سو افغانی بنتے ہیں۔

آرٹیکل ۴

منگنی اور شادی جانبین کی مکمل اور آزادانہ مرضی سے طے پائے گی۔ چنانچہ

۱۔ کسی کو شادی پر مجبور نہیں کیا جائے۔

۲۔ کسی بیوہ کو نہ تو شادی سے روکا جائے گا اور نہ ہی اس کو شادی پر مجبور کیا جائے گا کہ قبائلی رشتوں کو محفوظ و برقرار رکھا جا سکے۔

۳۔ کسی قانونی شادی کو اس بنا پر کہ منگنی کہیں ہو چکی ہے یا روپیہ دیا جا چکا ہے۔ نہیں روکا جا سکے گا۔ اس میں کسی قسم کی زبردستی کی اجازت نہیں ہوگی۔

آرٹیکل ۵

لڑکی کی عمر جب تک سولہ برس نہ ہو جائے اور لڑکا جب تک ۱۸ برس کو نہ پہنچ جائے۔ اس وقت تک منگنی یا شادی کی اجازت نہیں ہوگی۔

آرٹیکل ۶

۱۔ اس حکمنامے کے کسی بھی آرٹیکل یا اس کی کسی بھی شق کی خلاف ورزی پر ۶ ماہ سے ۳ سال تک قید کی سزا دی جا سکے گی۔

۲۔ حکمنامے کی خلاف ورزی میں جو بھی رقم یا معاوضہ دیا جائے گا۔ اس کو بحق سرکار ضبط کر لیا جائے گا۔

آرٹیکل ۷

یہ حکمنامہ جیسے ہی سرکاری گزٹ میں شائع ہوگا۔ اس پر عملدرآمد شروع ہو جائے گا۔

۱۰ر نومبر ۱۹۷۸ء

ابتدائیہ

حکمنامہ ۸

باب اوّل

آرٹیکل ۱ یہ حکمنامہ خلق پارٹی کے اغراض و مقاصد اور اپریل انقلاب کے بنیادی تقاضوں کی تکمیل کے لئے جاری کیا جارہا ہے۔ جمہوریہ افغانستان کے بنیادی انقلابی مقاصد میں کیا گیا تھا۔

۱۔ افغانستان کی سماجی اور اقتصادی زندگی سے جاگیری اور قبل از جاگیرداری رشتوں کا خاتمہ۔

۲۔ مزدوروں اور کسانوں کے اتحاد اور یکجہتی کو پختہ کرنا۔ ان میں گہرائی پیدا کرنا اور اس تصور کو مقبول بنانا تاکہ افغانستان میں ایک عدم طبقاتی اور استحصال سے پاک معاشرہ وجود میں لایا جاسکے۔

۳۔ زرعی پیداوار میں اضافہ کرنا تاکہ عوام کو وافر اور مختلف اقسام کی غذا حاصل ہوسکے، صنعتوں کے لئے خام مال مہیا کیا جاسکے اور ساتھ ہی زرعی اجناس کو بیرون ملک برآمد بھی کیا جاسکے۔

آرٹیکل ۲ اس حکمنامے میں جو "مخصوص الفاظ" استعمال کئے گئے ہیں ان سے مراد یہ ہے۔

۱۔ __خاندان:__ اس حکمنامے میں خاندان سے مراد۔ میاں، بیوی اور ۱۸ سال سے کم عمر کے بچے جو خاندان کے سربراہ کے براہ راست دست نگر ہیں اور ایک ہی گھر میں رہتے ہیں۔

ایک شخص جس کی عمر ۱۸ برس ہوگئی ہے۔ اس کو اراضی کی تقسیم کے سلسلے میں ایک الگ خاندان تصور کیا جائے گا

۲۔ __بے زمین کسان:__ جس کے پاس اپنی کوئی زرعی اراضی نہ ہو اور وہ دوسروں کی اراضی پٹے پر یا کسی اور شرط کے تحت کاشت کرتا ہو۔

۳۔ __چھوٹا زمیندار:__ جو لازمی کاشت کرتا ہے اور جس کے پاس درجہ اوّل کی پانچ جریب اراضی سے بھی کم ہے۔

۴۔ __زرعی مزدور:__ جس کے پاس اپنی اراضی نہیں اور وہ دوسروں کی اراضی پر مختلف کام کرتا ہے۔ اور اس کے عوض شرائط کے مطابق اجرت وصول کرتا ہے۔

۵۔ __مالک:__ وہ ہے جس کے پاس قانونی دستاویزات کی رو سے اپنی اراضی ہے اور اس پر اس کا قبضہ ہے

۶۔ __بے سہارا کوچی:__ وہ شخص ہے جو محنت مزدوری اور بھیڑیں چرا کر روزی کماتا ہے۔

۷۔ __قطعہ اراضی:__ وہ خطہ ہے جو کسی ایک یا ایک سے زیادہ اشخاص ملکیت ہو اور اس کے اردگرد دوسروں کی اراضی یا سرکاری املاک ہو یا دریا، کھائی، پہاڑی وغیرہ سے اس کی حدبندی ہوتی ہو۔

۸۔ __ملکیتی رقبہ:__ وہ رقبہ ہے جو کسی ایک ایک شخص کی قانونی ملکیت ہے خواہ یہ ایک قطعہ اراضی پر مشتمل یا کئی ایک قطعات پر اور یہ ایک علاقے میں بھی ہو سکتے ہیں اور مختلف علاقوں اور صوبوں میں بھی ہو سکتے ہیں۔

۹۔ زائد رقبہ ! اس سے مراد وہ رقبہ ہے جو کسی شخص کے تصرف اور قبضہ میں ہے لیکن قانونی دستاویزات کی رو سے یہ رقبہ اس کی ملکیت نہیں ہو سکتا۔

آرٹیکل ۳ کوئی خاندان ۳۰ جریب درجہ اول یا اس کے برابر اراضی سے زائد اراضی کا مالک نہیں ہو سکتا۔

آرٹیکل ۴ کوئی شخص ۳۰ جریب سے زائد اراضی کو نہ فروخت کر سکتا ہے اور نہ گروی ڈال سکتا ہے۔ ۳۰ جریب سے زائد اراضی کو اس حکمنامے کی رو سے چھان بین کے بعد تقسیم کر دیا جائے گا۔

دوسرا باب

آب پاشی کا انتظام

آرٹیکل ۵ آب پاشی کے تمام ذرائع کو مؤثر طور پر زراعت کے لئے استعمال میں لانے کے لئے ان کی تقسیم منصفانہ طور پر عمل میں آئی تھی۔

آرٹیکل ۶ پانی کی سالانہ ضروریات اور کتنا پانی حاصل ہوتا ہے ان تمام امور کا جائزہ اور تعین وزارت زراعت اور زرعی اصلاحات کی ذمہ داری ہوگی اور یہ بھی کہیں ان کے ذمہ ہوگا کہ فی جریب کتنا پانی درکار ہے اور اس کے مطابق پانی مہیا ہو رہا ہے یا نہیں۔

آرٹیکل ۷ آبپاشی کے ذرائع یا ہیڈورکس کی مرمت اور تعمیر کا کام متعلقہ محکموں اور علاقے کے کسانوں کی تنظیموں اور کواپریٹو سوسائٹیوں کی مشترکہ ذمہ داری ہوگی اور اس مقصد کے لئے ان کے درمیان معاہدہ عمل میں آئیں گے اور ان کے اخراجات کسانوں کی تنظیم کی درخواست پر زرعی ترقیاتی بنک قرض جاری کیا کرے گا۔

تیسرا باب

تقسیم اراضی

آرٹیکل ۸ اس حکمنامے کے تحت اراضی کی تقسیم کا کام اس طرح کیا جائے گا۔
۱۔ مقررہ حد سے زیادہ اراضی
۲۔ سرکاری اراضی
۳۔ یحییٰ خاندان اور شاہی خاندان کی اراضی اور آبپاشی کے وہ منصوبے جہاں ریاستی فارم نہیں ہو سکتے۔

آرٹیکل ۹ مقررہ حد سے زائد تمام اراضی حکومت اپنی تحویل میں لے لی گی۔ اور اس کا کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔ یہ اراضی زرعی اصلاحات کا شعبہ اپنی تحویل میں لے گا۔

آرٹیکل ۱۰ اراضی کو تین اقسام اور ۷ درجوں میں تقسیم کیا جائے گا۔
پہلی قسم اراضی ۔ باغات، پھلدار پودوں اور جس اراضی پر دو فصلیں سالانہ ہوتی ہیں

پر مبنی ہے۔ اس اراضی کے دو درجے ہیں ایک درجہ تو باغات اور پھل دار پودوں والی اراضی کا ہے۔

دوسری قسم اراضی یک فصلی اراضی پر مشتمل ہے۔ یہ اراضی آگے ۵ درجوں میں منقسم کی گئی ہے اور جس تناسب میں اس اراضی کو پانی میسر آتا ہے اور کاشت ہوتی ہے۔ اسی تناسب سے اس کی درجہ بندی کی گئی ہے۔

آرٹیکل ۱۱ اراضی کا تعین جریب پر مبنی ہو گا۔ یہ جریب جو ۲ ہزار میٹر پر مشتمل ہوتی ہے اور ایک ہیکٹر کا پانچواں حصہ ہوتا ہے۔ نصف جریب یا اس سے کم رقبے کو شمار میں نہیں لایا جائے گا اور نصف سے زیادہ جریب کو ایک جریب ہی شمار کیا جائے گا۔

آرٹیکل ۱۲ ہر مستحق فرد کو اراضی بغیر کسی معاوضے کے دی جائے گی۔ کسی کو درجہ اوّل کی اراضی کی پانچ جریب سے زائد اراضی نہیں دی جائے گی۔ جو کم درجے کی اراضی ہو گی اس میں ۶ جریب، ۵۰ جریب تک تقسیم کی جا سکتی ہے۔

انقلاب کی کامیابیاں

۲۰ مارچ ۱۹۷۹ء کو افغانستان کے صدر اور انقلابی کمیٹی کے چیئرمین جناب نور محمد ترہ کی نے ریڈیو کابل پر قوم سے پشتو زبان میں خطاب کیا۔ جس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے

میرے محبوب ہم وطنو!

میں نئے سال (افغانستان میں نیا سال مارچ سے شروع ہوتا ہے) کے موقع پر خلوص دل سے آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں قبل اس کے آئندہ خوش قسمت سال کے بارے میں کچھ کہوں پہلے گذشتہ سال کے بارے میں کچھ کہوں گا کہ اس عظیم تاریخی سال میں ثور کی ساتویں تاریخ (مراد ۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء) افغانستان کی تاریخ میں نہایت۔ بلند اور فخر کا مقام رکھتی ہے۔ اور اس مہینے کا یہ دن افغانستان کے محنت کشوں کی سعادت اور خوش بختی کا سرچشمہ اور روشن تاریخ ہے۔

انقلاب کے بعد ہم نے جو اہم تاریخی اقدامات کئے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

ثور کی دسویں تاریخ (۳۰ اپریل) کو انقلابی کونسل کے تاریخی فیصلے کے مطابق عوامی جمہوریہ افغانستان کا قیام عمل میں آیا۔ عوامی جمہوریہ افغانستان میں تمام محنت کشوں کی حکومت ہے۔ اور انقلابی حکومت نے گذشتہ برس ایسے عظیم اور پائیدار اقدامات کیے ہیں جو ہمارے معاشرے کی خوشحالی اور ترقی کی راہ میں ہر دلعزیز ہیں۔

دوسری باتوں کے علاوہ سب سے پہلے یہ کہ عظیم ثور انقلاب کی کامیابی کے ساتھ دنیا کے تمام ملکوں نے عوامی جمہوریہ افغانستان کو تسلیم کیا ہے اور افغانستان نے غیر جانبدار سیاست کو اپنایا اور پرامن بقائے باہمی کے اصول کو اختیار کیا۔

ہم نے عوامی جمہوریہ افغانستان کی عدلیہ کو ایسا منظم کیا جس کے نتیجے میں تیرہ ہزار سے زائد قیدی رہا ہوئے اور افغانستان کے محنت کش عوام کو استحصالی طبقے کے ظالمانہ قوانین سے محفوظ کیا۔ جن کے وہ صدیوں سے شکار تھے۔

گذشتہ برس ایک اور عظیم قدم یہ تھا کہ بے زمین کسانوں اور چھوٹے زمینداروں کے کندھوں سے سود اور رہن کا بھاری بوجھ ہٹایا گیا۔ جس کے نتیجے میں ان باہمت محنت کش عوام جو صدیوں سے خوشحال زندگی سے محروم تھے۔ ان ظالموں کے شکنجے سے آزاد ہوئے۔ اور اس سلسلے میں محنت کشوں کو کم از کم تیس ہزار ملین افغانی (افغان کرنسی) کا منافع ہوا۔ ثور انقلاب

کے بعد جاگیرداری نظام پر ایک فیصلہ کن اقتصادی ضرب ہے۔ اس عوامی قدم کا ہماری پارٹی اور حکومت پر کسانوں کا اعتماد بلند ہوا اس قدم کے اٹھانے سے گیارہ ملین کسانوں اور محنت کشوں کو سود خوروں کے ستم سے نجات ملی اور اب حکومت کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ اس سال میں ایک اور تاریخی قدم یہ ہے کہ پہلی بار پیارے ملک میں قومی سرخ پرچم لہرایا گیا۔ جو مزدوروں اور کسانوں کے اتحاد کی علامت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سرخ پرچم ہماری مقدس سرزمین پر ہمیشہ لہرائے گا۔

اس سال میں حکومت کا دوسرا بے مثال قدم یہ تھا کہ قومیتوں کو برابری اور بھائی چارگی کے حقوق دیئے گئے اس ملک میں آئندہ تمام قومیتیں سارے جمہوری حقوق استعمال کر سکیں گی۔ مادری زبان میں اخبار پڑھ سکیں گی۔ اور مادری زبان میں ریڈیو سن سکیں گی۔ ہماری حکومت نے کم عرصے میں تمام قومیتوں کی زبانوں میں اخبارات جاری کئے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے مادری زبانوں میں ہر طرح کے پروگراموں کے نشریات شروع ہیں۔ اور اب یہاں ہر قوم اپنے ہنر ادبیات اور دوسرے ثقافتی شعبوں کو جس طرح ان کا جی چاہے ترقی دے سکتے ہیں اور اس سلسلے میں دیگر شعبوں کی طرح حکومت سے مکمل استفادہ کر سکتے ہیں اور ان کو تسلی بخش امداد دی جا رہی ہے۔

ہماری خواتین کا حال تو ہر شخص کو معلوم تھا کہ ہماری لڑکیوں اور جہاندیدہ عورتوں کو جنس تجارت کی طرح خریدا اور فروخت کیا جاتا تھا۔ انہیں حق حاصل نہ تھا کہ وہ اپنی مرضی سے شادی کریں۔ مناسب تو یہ تھا کہ لڑکیوں اور لڑکوں کی شادی ان کے خاندانوں کی دوستی کو اور بھی مضبوط کرے مگر اس خرید و فروخت کے نتیجے میں ان میں ناراضگی اور دشمنی پیدا ہوتی تھی اور ہمیشہ تلخ زندگی گذارتے تھے۔ ثور انقلاب کے بعد ہماری پارٹی کی حکومت نے جاگیرداری نظام کے اس مسئلہ کو ختم کیا لڑکیوں اور لڑکوں کو اختیار دیا کہ وہ اپنی مرضی سے جہاں جی چاہے شادی کر سکتی ہیں۔ ہمارے اس قدم اور دیگر اقدامات سے مرد اور عورت آزاد ہو گئے ہیں اور وہ اپنے افغان معاشرہ کو اس راستے پر ترقی دے رہے ہیں کہ غیر استحصال سماج وجود میں آئے۔

ہر باشعور اور تعلیم یافتہ شخص کو معلوم ہے کہ ہمارا عظیم ثور انقلاب ایک حقیقی اور سچا انقلاب ہے کیونکہ سیاسی اور اقتصادی اختیار جاگیرداروں اور ان کے حواریوں سے محنت کش عوام کے ہاتھ میں آگیا ہے۔ بالفاظ دیگر انقلاب کی وجہ سے حکومت کی باگ ڈور مزدوروں کی پارٹی نے لی ہے اور جاگیردار اور سرمایہ دار طبقوں نے سیاسی میدان میں شکست کھائی ہے۔

افغانستان کے عوام کی ڈیموکریٹک پارٹی اور اس کی عظیم حکومت کے روشن مقصد یہ ہیں کہ ہمارے پیارے ملک میں سے وہ معاہدہ ختم کیا جائے جس میں فرد سے فرد کا استحصال ہوتا ہے آج تک اقتصادی اور ثقافتی میدان میں جو اقدامات کئے گئے ہیں وہ اسی مقصد کے لئے کئے گئے ہیں۔ اس سال اہم اور بنیادی اقدام جو اٹھایا گیا ہے وہ اراضی کی تقسیم ہے۔ سب کو معلوم ہے

کہ ایک جاگیر دار کا کافی زمین پر قبضہ تھا اور وہ کہتا تھا کہ یہ میری ہے کہ کسان غریب بھوکے پیاسے اور ہر وقت مایوس پھرتے تھے۔ یا دوسرے ممالک میں غم کے دن رات گذارتے تھے۔ خلقی حکومت اور انقلابی کونسل کے حکم سے اراضی قومی ملکیت میں لینے اور تقسیم کرنے کا فیصلہ ہوا اور مہینوں میں تقریباً نوّے ہزار خاندانوں کو زمینیں دی گئیں اور یہ عمل اچھے طریقے سے جاری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تین چار مہینوں میں تقسیم اراضی کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور افغانستان میں جاگیر داری نظام کی بیخ کنی ہو جائے گی اور صدیوں کا یہ طبقاتی اور ناانصافی کا نظام ختم ہو جائے گا۔

اخوانین افغانستان کے محنت کش مسلمانوں کے اوّل درجے کے دشمن ہیں۔ اخوانین نے فرنگیوں اور دیگر استعماری قوتوں کے اشارے پر ہماری خوشحالی اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈالی ہے اور اب کوشش کر رہے ہیں کہ اس انقلاب کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کریں۔ اس سال افغانستان کے عوام نے اپنے ہاتھوں سے ان کی کمر توڑی ہے۔ اب وہ پہلے کی طرح اسلام کے پردے میں اپنے ناپاک اور منحوس چہروں کو ڈھانپنے اور اپنے آقاؤں کے منحوس منافع کے لئے شور و شر کرنے کے قابل نہیں۔ وہ اتنے باہمت اور جرأت مند نہیں ہیں کہ اس سلسلے میں ہمارے سامنے آکر بات کریں۔ وہ لندن اور پیرس میں اپنے آقاؤں کی گود میں بیٹھے ہیں اور ان کے ریڈیو ہم پر الزامات کی بوچھاڑ کرتے ہیں۔

افغانستان کے عوام نے پیروں اور اخوانین کے خلاف جہاد کا اعلان کیا ہے اور ہمارے تمام محنت کش مسلمانوں نے ان سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔ محنت کش مسلمانوں نے ان کو بتا دیا کہ وہ وقت چلا گیا کہ جب وہ بھائی کو بھائی سے لڑواتے تھے۔ اب رجعت پسند عناصر ہماری آزادی اور اجتماعی خوشحالی اور ترقی کو پیچھے نہیں دھکیل سکتے۔

جہالت اور ناخواندگی ہمارا ایک بڑا دشمن ہے اور اس نے ہمارے معاشرے کی ترقی کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ ہمارے عوام اگر لکھنا پڑھنا جانتے تو وہ ملک کو آباد کر سکتے۔ مسلمان فرنگیوں کا شکار نہ ہوتے۔ اب اس کمی کو دور کرنے کے لئے خلقی پارٹی اور حکومت نے مناسب قدم اٹھایا ہے۔ ہم نے جہالت کے خلاف جہاد کرنے کا جو اعلان کیا ہے اس جہاد کا نتیجہ بھی تسلی بخش ہے۔ لاکھوں ان پڑھ افراد ہزاروں سکولوں میں لکھنا پڑھنا سیکھ رہے ہیں اس سلسلے میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہمارے انقلاب کے دشمن ہمارے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ دیہات میں شادی شدہ خواتین اور لڑکیوں کو سپاہی جبراً سکولوں کو لے جاتے ہیں۔ ہم ان الزامات کو رد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلقی حکومت اپنے عوام کے تعاون سے ناخواندگی دور کر رہی ہے۔ ہم تمام وسائل کو بروئے کار لا کر اپنے ہم وطنوں کو لکھنے پڑھنے کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ وہ لکھنا پڑھنا سیکھ جائیں۔ سپاہی عورتوں اور لڑکیوں کو کبھی بھی زور و جبر سے سکول نہیں لے جاتے

ہم نے اس سال سے اپنی مسلح فوج کو مکمل عوامی کر دیا ہے یعنی اب فوج کو ہمارے پارٹی کے ارکین اور دیگر ہم وطنوں نے منظم کیا ہے اور اب مسلح فوج تو ہماری پارٹی کے دیگر کارکنوں کی طرح مزدوروں اور محنت کشوں کے مفادات کی محافظ ہے۔ اور ان سب کو یہ فخر حاصل ہے کہ تاریخ میں پہلی بار دلیر اور بہادر مسلح فوج صرف اور صرف افغانستان کے محنت کشوں کے مفادات میں مصروفِ عمل ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے بغیر کسی امتیاز کے دن رات کوشش کر رہی ہے۔ اس سال حکومت نے مسلح فوج کی تربیت اور اصلاح کے لئے ان کا معیارِ زندگی بلند کرنے کے لئے قابلِ تعریف اقدامات کئے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ ہمارے محنت کش عوام اور ہماری فوج ہر حملہ آور کو منہ توڑ جواب دے گی۔

گذشتہ سال ہم نے غیر جانبدارانہ اور پرامن بقائے باہمی کے اصول سے کسی ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ مگر بعض ممالک کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کریں اور ہمارے لئے مشکلات پیدا کریں۔ ایران کے متعصب اور تنگ نظر مذہبی رہنماؤں نے ایک طرف ہمارے ملک کے عوام میں مذہبی اختلافات کو ہوا دی اور دوسری طرف ہمارے ہراتی بھائیوں کے بھیس میں اپنی فوج کو داخل کیا۔ ہماری حکومت نے اس ناجائز اور ناشائستہ عمل کو اعلانیہ طور پر واضح کیا ہم اس عمل کی سخت مذمت کرتے ہیں اور ہم تمام محنت کش مسلمانوں سے پرزور اپیل کرتے ہیں کہ ان خارجی تخریب کار عناصر کے مقابلے میں ہمیشہ متحد رہیں۔ اور اپنی مقدس سرزمین کی حفاظت کریں۔

ہم نے پاکستان کے ساتھ بھی دوستی اور بھائی چارے کا رویہ اختیار کیا ہے۔ مگر سامراج اور ملک کے رجعت پسند عناصر یہ کوشش کر رہے ہیں کہ ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کریں اور اس سلسلے میں ہمارے پاس کافی ثبوت موجود ہے مگر پھر بھی ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان کی حکومت ہمارے ساتھ صلح اور دوستی کی راہ پر گامزن رہے آخر میں کہتا ہوں کہ ہم نئے سال میں پنج سالہ منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا آغاز کریں گے اور یہ منصوبہ ہمارے معاشرے کا سنگِ بنیاد ہوگا جس میں ایک شخص کی محنت کو دوسرا شخص لوٹ نہ سکے۔ (خدا حافظ)

زمین اس کی جو کاشت کرے

افغانستان میں جاگیرداری نظام کا خاتمہ کر دیا گیا ہے

سود کے خاتمے سے کسان صدیوں کے بوجھ سے آزاد ہو گئے ہیں

لطیف چوھدری

افغانستان میں خلق پارٹی کی قیادت میں عوامی پارٹی انقلاب کے بعد دنیا بھر کے رجعت پرست حلقے نئی انقلابی افغان حکومت کے خلاف جھوٹا اور بے بنیاد پراپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہیں آئے دن یہ خبریں مختلف اخبارات کی زینت بنتی ہیں کہ افغانستان کے مختلف حصوں میں خانہ جنگی ہو رہی ہے۔ لوگ انقلابی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے، حزب اسلامی نامی تنظیم کے مسلح افراد سرکاری افواج کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس کا تاثر دینے کی کوششیں کی جا رہی ہیں کہ موجودہ انقلابی حکومت بڑی کمزور ہے اور اسے عوام کی بیشتر تعداد کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ پاکستان کے بیشتر رجعت پسند عناصر اس پراپیگنڈے میں پیش پیش ہیں۔ کیونکہ ان کے لئے یہ تصور ہی جان لیوا ہے کہ پاکستان کے پڑوس میں عوام نے صدیوں پرانے استحصالی نظام کا خاتمہ کر دیا ہے اور اب وہ انسانوں کی برابری، امن۔ آزادی اور انصاف کی بنیاد پر نیا معاشرہ تشکیل کر رہے ہیں۔ جماعت اسلامی نے دنیا کے کسی بھی حصے میں رونما ہونے والی انقلابی تبدیلی کی مخالفت اپنا مذہبی فریضہ سمجھ رکھا ہے۔ افغان انقلاب کے خلاف خصوصاً سرگرم عمل ہے۔ جماعتِ اسلامی پشاور کے دفتر سے علماء پر ہونے والے تشدد کی فرضی کہانیاں گھڑی جاتی ہیں اور پھر انہیں پاکستان اور بیرونی پریس میں کسی طور سمگل کیا جاتا ہے۔ اس کی فرضی کہانیاں ویت نامی انقلاب کی کامیابی کے بعد بھی گھڑی گئی تھیں۔ جماعتِ اسلامی کے امیر مولانا طفیل محمد نے انقلاب کے بعد ویت نام میں مسلمانوں کے قتل عام کی مذمت کی تھی۔ ویت نام جس کی تمام آبادی بدھ مت کی ماننے والی ہے وہاں وہ کون سے مسلمان تھے جن کے مرنے پر مولانا کو تکلیف پہنچی تھی بین الاقوامی پریس نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا تھا کہ ویت نام کی انقلابی حکومت نے انقلاب کے فوراً بعد جسم فروشی اور جوا۔ اسی طرح کی دیگر لعنتوں کو جنہیں امریکی سامراجیوں نے ویت نامی قوم کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے رواج دیا تھا کے خلاف سخت اقدامات کئے تھے۔ اب کیا کیا جائے۔ اگر مولانا طفیل محمد کی صالح آنکھ اس طرز کی سماجی برائیوں میں ملوث افراد کو مسلمان سمجھتی ہے۔

افغانستان کی نئی انقلابی حکومت کے خلاف پراپیگنڈہ کی اصلیت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔
درحقیقت انقلاب کے بعد افغانستان میں زبردست سماجی تبدیلی جاری ہے جو صدیوں سے کچلے ہوئے غریب عوام ظلم و استبداد کی زنجیروں کو توڑ رہے ہیں وہ غریب کسان جن کی زندگی حیوانوں سے بدتر تھی، جن کی حیثیت تنکے سے بھی ہلکی تھی۔ جن کی زندگی اور موت جاگیرداروں کے ہاتھ میں تھی آج ایک نیا نظام تعمیر کر رہے ہیں جس کے تحت انسان کے ہاتھوں انسان کا استحصال سب سے بڑا جرم ہے۔ جس کے تحت تمام انسان برابر ہیں اور کسی کو کسی کا حق مارنے کی اجازت نہیں جس کے تحت انسانی زندگی ایک نیا اور انوکھا مفہوم اختیار کر رہی ہے۔
ظاہر ہے۔ اس تبدیلی سے وہ جاگیردار سودخور اور مقامی بدمعاش کیوں ہوں گے۔ جو صدیوں سے غریب کسانوں کا خون چوس رہے تھے۔ انہیں دنیا ختم ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ کبھی ایسا دور آئے گا سب کچلے ہوئے انسان زمین کے مالک بن جائیں گے اور جاگیرداروں سے برابری کا دعوٰی کریں گے۔ چنانچہ جاگیردار، سودخور اور مقامی بدمعاش اپنی گزشتہ پوزیشن بحال کرنے کے لئے انقلابی حکومت کا مقابلہ تو خیر کیا کریں گے البتہ جماعت اسلامی اور دیگر رجعت پرستوں کو افغانستان کی انقلابی حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کا بہانہ مل گیا ہے۔

افغانستان ایک انتہائی پسماندہ ملک ہے جہاں صنعت برائے نام ہے۔ آبادی کا ایک بڑا حصہ خانہ بدوشوں پر مشتمل ہے جو بھیڑ بکریاں پال کر گزارہ کرتے ہیں۔ جاگیرداری اپنی بدترین شکل میں موجود ہے۔ بعض علاقوں میں ماقبل جاگیرداری رشتے ابھی تک مضبوط ہیں۔ پورے ملک میں صرف ایک یونیورسٹی ہے۔ پورے افغانستان میں ریلوے موجود نہیں ہے۔ اس قدر پس ماندہ پیداواری رشتوں میں بندھے ہونے کی بناء پر افغان عوام انتہائی توہم پرست اور دقیانوسی خیالات کے حامل ہیں۔

اس طرح کے ملک میں نہ صرف عوامی انقلاب برپا کرنا بلکہ اس کی تعمیر کے لئے مضبوط بنیادیں استوار کرنا یقیناً قابلِ تقلید عمل ہے۔ پاکستان کے عوام کے لئے افغان انقلاب کی تعمیر کے تجربات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو پاکستان کے ایک بڑے حصے کے سماجی حالات افغانستان سے مماثلت رکھتے ہیں۔ اور دوسری وجہ مسلمان ہونے کے ناطے سے پاکستان اور افغانستان کے عوام کا نقطۂ نظر بھی ایک جیسا ہے اس لئے پاکستان کے عوام دوست حلقوں کے لئے ضروری ہے کہ افغان انقلاب کا بغور مطالعہ کریں اور اس کے بیش تجربات سے سبق سیکھیں خصوصاً جاگیرداری کے خاتمہ کے لئے جو اقدامات افغان انقلابی حکومت کر رہی ہے

ان کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے۔ ہم ذیل میں انقلاب سے قبل افغان معاشرے میں جاگیرداری نظام اور اسے ختم کرنے کے انقلابی حکومت کے اقدامات کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں۔

افغانستان کی سرزمین کا ۸۸ فیصد حصہ بلند پہاڑوں اور ناقابل کاشت زمین پر مشتمل ہے۔ قابل کاشت زمین محض ۱۲ فیصد پر مشتمل ہے۔ ایک اندازے کے مطابق کل قابل کاشت رقبہ ۲ کروڑ ۸۰ لاکھ جریب ہے جبکہ عملاً چار کروڑ جریب رقبہ پر کاشت کی جاتی ہے۔ ایک کروڑ ۸۰ لاکھ جریب زمین بارانی اور دو کروڑ ۲۰ لاکھ زمین چاہی یا دیگر ذرائع سے سیراب ہوتی ہے۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ کل قابلِ کاشت زمین کا ۴۵ فیصد رقبہ پانی سے سیراب ہوتا ہے۔ جبکہ ۵۵ فیصد رقبہ محض بنجر اور بارانی زمین پر مشتمل ہے۔ پانی سے سیراب ہونے والی ۴۵ فیصد رقبہ میں تقریباً دو تہائی زمین کو پانی میسر نہیں ہے۔ مندرجہ بالا اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ زیرِ کاشت زمین کا ۲۵ فیصد رقبہ اور قابلِ کاشت زمین کا چالیس فیصد رقبہ عملاً کاشت کیا جاتا ہے چنانچہ اگر زمین کی ملکیت کا نظام بہتر بنایا جائے، جاگیرداری نظام ختم کیا جائے۔ آلات پیداوار بہتر بنائے جائیں۔ ڈیم اور دیگر مصنوعی آب پاشی کے ذرائع تعمیر کئے جائیں تو قابلِ کاشت زمین کا اسی فیصد رقبہ زیرِ کاشت لایا جا سکتا ہے۔

اس حقیقت سے قطع نظر کہ افغانستان میں ملک کے کل رقبہ کی نسبت قابلِ کاشت رقبہ بہت کم ہے اور جو قابلِ کاشت رقبہ ہے اس سے ملک کی پسماندگی کی بنا پر صحیح پیداوار حاصل نہیں کی جا رہی ہے۔ زرعی زمین کا زیادہ بڑا حصہ جاگیرداروں کے قبضے میں ہے افغانستان کی کل آبادی ۲۵ لاکھ خاندانوں پر مشتمل ہے ان میں سے ۱۸ لاکھ ۶۶ ہزار خاندان دیہی علاقوں میں بستے ہیں۔ زمین کے مالک خاندانوں جن میں چھوٹے اور بڑے رقبوں کے مالک شامل ہیں۔ تعداد ۱۲ لاکھ ہے۔ زمین کے مالک خاندانوں کی مزید تقسیم کچھ اس طرح ہے۔

کسان جو ۱۰ سے ۴۰ جریب زمین کے مالک ہیں۔ ان میں وہ زمیندار کی کل تعداد کے ۸۲ فیصد کے برابر ہے اور کل رقبہ کے ۳۳ فیصد کے مالک ہیں۔

جاگیردار جو ۵۰ سے ایک لاکھ جریب کے مالک ہیں، وہ زمینداروں کی کل تعداد کا محض ۵ فیصد ہیں اور کل زمین کے ۴۵ فیصد رقبہ پر قابض ہیں۔ سرکاری زمین جس کا رقبہ ۲۰ لاکھ جریب کے قریب ہے بھی جاگیرداروں کے قبضے میں ہے۔ اور انہوں نے اسے مزارعت پر کسانوں کو دے رکھا ہے۔ حکومت اس زمین کی پیداوار کا صرف ۱/۱۰ حصہ وصول کرتی ہے باقی جاگیردار خود ہضم کر جاتے ہیں۔

افغانستان میں ۶ لاکھ ۶۶ ہزار خاندان بے زمین اور زرعی مزدوروں پر مشتمل ہیں۔

ان کی تعداد دیہی آبادی کی کل تعداد کے ۲۶ فیصد پر مشتمل ہے یہ جاگیرداروں اور درمیانے کسانوں سے بٹائی پر حاصل کرتے ہیں۔ بٹائی کی شرح مختلف صورتوں میں مختلف ہوتی ہے۔ اگر زمین اور پانی کے مالک زمین فراہم کرے اور بیج آلات پیداوار افرادی محنت کسان مہیا کریں تو بٹائی کی شرح نصف ہوگی۔ تمباکو اور بعض دوسری فصلوں میں بٹائی کی شرح ۹ اور ایک ہوتی ہے۔ مالک ۹ حصے وصول کرتا ہے۔ جبکہ کسان کو صرف ایک حصہ ملتا ہے۔ فروٹ کے باغات میں بٹائی کی شرح ۶ حصے مالک اور ایک حصہ کسان ہے۔ عمومی طور پر اگر زمین، پانی، بیج اور آلات پیداوار مالک زمین فراہم کرے تو بٹائی کی شرح ۴ یا ۵ حصے مالک اور ایک حصہ کسان ہے۔ بٹائی کے علاوہ کسان کو جاگیردار کے لئے بیگار بھی کرنی پڑتی ہے۔ جاگیردار کے باغ اور چاردیواری کی مرمت، ایندھن اکٹھا کرنا۔ جاگیردار کے گھر کے کام کاج سڑکوں کی مرمت اور پانی کے گڑھوں کی صفائی وغیرہ سارے کام کسان کو بغیر کسی اجرت کے سرانجام دینے پڑتے ہیں۔ زرعی مزدوروں اور کسانوں کی حیثیت جاگیردار کی ذاتی رعایا جیسی ہے جو مکمل طور پر ان کے رحم و کرم پر ہیں۔

افغانستان کی آبادی کا ایک بڑا حصہ خانہ بدوشوں پر مشتمل ہے۔ جنہیں کوچی کہا جاتا ہے ایک محتاط اندازے کے مطابق کوچیوں کی تعداد ۲۵ لاکھ کے قریب ہے وہ سارا سال اپنے مویشیوں کے لئے چارے کی تلاش میں جگہ جگہ مارے مارے پھرتے ہیں۔ وہ سردیاں ایک چراگاہ میں گذارتے ہیں تو گرمیاں دوسری چراگاہ میں۔ افغانستان میں ۲۰ کروڑ جریب رقبہ چراگاہوں پر مشتمل ہے عرصہ دراز سے کوچیوں نے ان چراگاہوں کو آپس میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ ۲۰ کروڑ ۱۰ لاکھ بھیڑیں ان چراگاہوں میں چرتی ہیں۔ جن میں ساٹھ لاکھ قراقلی بھیڑیں بھی شامل ہیں۔ ان چراگاہوں میں چرتی ہیں۔ ہزاروں جریب چراگاہیں محض مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی بنا پر ضائع ہوجاتی ہیں۔ جس کے نتیجہ میں ہر سال چراگاہوں میں کمی واقع ہو رہی ہے۔ کوچیوں میں بھی طبقاتی تقسیم موجود ہے۔ کوچی سردار مویشی پالنے کے علاوہ اون، گھی اور دودھ کی مصنوعات کی تجارت کرتے ہیں کوچی سردار دیگر اجارہ دار تاجروں سے مل کر کوچی عوام کا بدترین استحصال کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا اعداد و شمار سے یہ ظاہر ہے کہ افغانستان کی آبادی کا کثیر حصہ مٹھی بھر جاگیرداروں کے ہاتھوں بدترین استحصال کا شکار ہے اور وہ ہر طرح کے انسانی حقوق سے محروم ہیں۔

اوپر دیئے گئے حقائق سے یہ ظاہر ہے کہ افغانستان کی دیہی آبادی کا تقریباً ۶۰ فیصد حصہ جاگیرداروں اور درمیانے زمینداروں سے بٹائی پر زمین حاصل کرکے کاشت کرنے پر

مجبور ہے۔ بٹائی جو بمشکل کل پیداوار کا ۳۰ فیصد ہوتی ہے کسان کی سال بھر کی ضروریات پوری کرنے کے لیئے ناکافی ہے۔ کسانوں کو اپنی ضروریات کے علاوہ وقتاً فوقتاً شادی بیاہ بیماری یا سرکاری اہلکاروں کو رشوت دینے کے لیئے روپے پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے جو انہیں انتہائی نامناسب شرائط پر جاگیرداروں یا سود خوروں سے لینے پڑتے ہیں۔ قرض کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔

رھن:۔ کسان قرض کے عوض اپنی اراضی کا قطعہ یا باغیچہ یا گھریلو سامان سود خور یا جاگیردار کے پاس رہن رکھتا ہے۔ اس کی آمدنی اتنی نہیں ہوتی کہ وہ قرض واپس کر کے اپنی زمین باغیچہ یا دیگر سامان واپس حاصل کر سکے۔ نتیجتاً کچھ عرصے کے بعد وہ انتہائی کم قیمت پر اپنی جائیداد سود خور یا جاگیردار کو بیچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی چھوٹی موٹی جائیداد سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

سود خور:۔ اس کے تحت کسان سود خود خور یا قرض دینے والے کو ماہانہ یا سالانہ سود ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہے سود کی شرح ۲۵ فیصد سے لے کر ۳۰۰ فیصد سالانہ تک ہوتی ہے۔ سود کی بھاری شرح اور قرض کی ادائیگی کے لیئے اکثر اوقات کسان کو اپنی گھریلو اشیاء بچے اور لڑکیاں تک فروخت کرنی پڑتی ہیں۔

سلام:۔ سلام کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک تو صورت یہ ہے کہ ضرورت مند کسان بھاری قرض لیتا ہے۔ اور اتنی ہی رقم یا گندم قرض کے علاوہ ادا کرتا ہے۔ مثلاً ایک کسان نے ۵ اسیر گندم جاگیردار سے قرض لی، تو وہ نہ صرف ۵ اسیر گندم ادا کرے گا۔ بلکہ اس کے علاوہ ۱۵ اسیر گندم اور ادا کرے گا۔

سلام کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسان قرض روپوں کی شکل میں وصول کرتا ہے لیکن اس کی ادائیگی جنس کی صورت میں کرتا ہے فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ جنس کی قیمت عام طور پر مارکیٹ سے نصف مقرر کی جاتی ہے مثلاً اگر مارکیٹ میں گندم کی قیمت ۵۰ افغانی سیر ہے تو قرض کی وصولی کی صورت میں ۲۵ افغانی فی سیر مقرر کی جاتی ہے۔

یہ وہ حالات ہیں جنہیں ختم کرنے کے لیئے انقلابی افغانی حکومت اقدامات اٹھا رہی ہے کیونکہ قرون وسطیٰ کے ان جاگیرداری رشتے کو ختم کیئے بغیر ترقی اور خوشحالی کی جانب گامزن ہونے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی پسماندہ کچلے ہوئے لاکھوں انسانوں کی قسمت بدلی جا سکتی ہے۔ انقلابی افغان حکومت نے برسرِ اقتدار آتے ہی سب سے زیادہ توجہ زرعی سوال کو دی کیونکہ ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک میں زرعی سوال ہر عوامی انقلاب کے لیئے

بنیادی سوال ہے۔ انقلابی افغان حکومت کے سامنے ایک مسئلہ تو سودخوری کی مختلف شکلوں کا خاتمہ کرنا اور دوسرا سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ جاگیرداروں کی زمینیں ضبط کر کے لاکھوں بے زمین کسانوں میں تقسیم کرنا ہے۔ چنانچہ انقلابی افغان حکومت نے لاکھوں انسانوں کو قرضوں اور سودخوری کے بوجھ سے آزاد کرانے کے لئے ایک حکم نامہ جسے فرمان نمبر ۶ کہا جاتا ہے جاری کیا ہے۔ اس حکم نامہ پر فوراً عملدرآمد شروع ہو گیا ہے۔ فرمان نمبر ۶ کے ذریعے زرعی مزدوروں اور غریب کسانوں پر قرضوں اور ان کی رہن شدہ واپسی کے طریقہ کار بتائے گئے ہیں اگر کسی کسان نے ۱۹۷۳ء سے پہلے کی زمین رہن رکھی ہوئی ہے تو وہ بغیر معاوضہ کی ادائیگی کے اپنی زمین واپس حاصل کرے گا۔ اگر اس کی زمین ۱۹۷۳ء سے رہن رکھی گئی ہے تو وہ مندرجہ ذیل شرح سے رہن کی رقم واپس کر کے اپنی زمین واپس حاصل کر سکتا ہے۔ اگر زمین ۱۹۷۳ء میں رہن رکھی گئی ہو تو وہ ایک سال کے بعد آئندہ سال کے دوران رہن کی رقم کا ۲۰ فیصد حصہ ادا کر کے اپنی زمین واپس حاصل کرے گا۔ اگر زمین ۱۹۷۴ء میں رہن رکھی گئی ہے تو کسان کو رہن کی رقم کا ۴۰ فیصد ایک سال کے بعد آئندہ دو سال کے دوران ادا کرنا ہو گا۔ اگر زمین ۱۹۷۵ء میں رہن رکھی گئی ہے تو کسان کو رہن کی رقم کا ساٹھ فیصد ایک سال کے بعد آئندہ ۳ سال کے دوران ادا کرنا ہو گا۔ اگر زمین ۱۹۷۶ء میں رہن رکھی گئی ہو تو کسان کو رہن کی رقم کا ۸۰ فیصد ایک سال بعد آئندہ چار سال کے دوران ادا کرنا ہو گا۔ اگر زمین ۱۹۷۷ء میں رہن رکھی گئی ہو تو کسان کو رہن کی رقم کا نوے فیصد ایک سال کے بعد آئندہ ۵ سال کے دوران ادا کرنا ہو گا یہ کلیہ ان قرضوں اور رہن کی رقموں میں لاگو ہو گا جو کہ ۵ ایکڑ یا اس سے کم زمین کے مالک کسانوں نے ۱۹۷۳ء کے بعد سودخوروں یا جاگیرداروں سے لئے ہوں گے۔ وہ کسان جو جاگیرداروں کی زمینوں پر کھیت مزدوروں کی حیثیت میں کام کر رہے ہیں اور وہ ہر طرح کے قرضوں اور سود کی ادائیگی سے مبرا ہوں گے۔ بے زمین کسان یا ۵ ایکڑ یا اس سے کم زمین کے مالک کسان ۱۹۷۳ء سے پہلے لئے ہوئے قرضے واپس نہیں کریں گے

فرمان نمبر ۶ پر عملدرآمد کرانے کے لئے دیہات کی سطح پر کمیٹیاں بنائی گئی ہیں۔ ہر دیہاتی کمیٹی کے چھ رکن ہیں جن میں دیہات کے سربراہ جو کہ کمیٹی کا چیئرمین ہو گا کے علاوہ دو کسان نمائندے زمین کا انچارج افسر، اٹارنی جنرل کا ایک نمائندہ تعلیمی افسر اور زرعی افسر شامل ہیں۔ یہ کمیٹیاں کسانوں کے مابین جھگڑے نمٹانے کے علاوہ رہن شدہ زمینوں کو ان کے اصل مالکوں کو واپس کراتی ہیں۔ اور جاگیردار اور کسانوں کے مابین تنازعات کا تصفیہ کراتی ہیں۔ ان دیہاتی کمیٹیوں کے کام کی نگرانی کے لئے صوبائی کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ جو اپنے صوبے میں فرمان نمبر ۶ پر

عمل درآمد کرانے کی ذمہ دار ہیں۔

جاگیرداری نظام کو ختم کرنے اور جاگیرداروں سے زمینیں چھین کر اور زرعی مزدوروں میں تقسیم کرنے کے لئے افغان انقلابی حکومت نے فرمان نمبر ۸ جاری کیا ہے۔ اس ڈگری کے تحت خاندان۔ شوہر، بیوی اور ۱۸ سال سے کم عمر کے بچوں پر مشتمل ہوگا۔ ۱۸ سال سے زائد عمر کے افراد چاہے شادی شدہ نہ بھی ہوں علیحدہ خاندان تصور ہوں گے اور زمین حاصل کرنے کے مجاز ہوں گے۔

اس فرمان کے تحت ہر خاندان تیس جریب یعنی ۱۵ ایکڑ سے زائد اراضی نہیں رکھ سکتا نہ کوئی فروخت کر سکتا ہے۔ نہ رہن رکھ سکتا ہے اور نہ ہی اسے مزارعت پر دے سکتا ہے۔ اسے اور اسکے خاندان کو خود اراضی کاشت کرنا ہوگی۔ فرمان نمبر ۸ کے تحت تیس جریب سے زائد اراضی مالکان سے بلا معاوضہ حاصل کر کے زمین کسانوں کو تقسیم کی جا رہی ہے اراضی کی تقسیم کے وقت یہ خیال رکھا جا رہا ہے کہ اس علاقہ کی قابل کاشت اراضی کتنی ہے؟ زمین حاصل کرنے کے مستحق خاندانوں کی تعداد کیا ہے۔ ایک کسان خاندان کی سالانہ اوسطاً آمدنی کیا ہے؟ ایک عام کسان خاندان میں زرعی مزدور کتنے ہیں؟ خاندان کے افراد کی تعداد کیا ہے جن کی عمر ۱۸ سال سے زائد ہے؟

فرمان نمبر ۸ پر عملدرآمد کرانے کے لئے بھی دیہی اور صوبائی سطح پر کمیٹیاں قائم کی گئیں ہیں جن میں کسان نمائندوں کو مناسب نمائندگی دی گئی ہے۔ یہ کمیٹیاں اپنے علاقوں میں زمین کی ازسرنو تقسیم کے معاملات کی دیکھ بھال کریں گی۔ زرعی اصلاحات کے ڈپٹی وزیر کے مطابق زرعی اصلاحات پر عملدرآمد کرانے کے لئے ۰۰ ٹیمیں بنائی گئی ہیں۔ ہر ٹیم چار کمیٹیوں پر مشتمل ہوگی خصوصی خلقی کمیٹی مستحق کسانوں کی نشاندہی کرنے والی کمیٹی تقسیم کرنے والی کمیٹی تقسیم کرنے کے لئے زمین کا تعین کرنے والی کمیٹی اور زمین کی تقسیم کرنے والی کمیٹی خصوصی خلقی کا کام پیچیدہ قانونی اور تکنیکی مسائل کو حل کرنا ہوگا۔ تاکہ تقسیم کرنے کے لئے زمین کی نشان دہی کرنے والی کمیٹی کو کوئی دشواری نہ ہو۔

زرعی اصلاحات کے ڈپٹی وزیر فضل رحیم کے بیان کے مطابق زرعی اصلاحات کے نتیجے میں چھ لاکھ ۸۰ ہزار بے زمین کسان خاندانوں میں ۳۴ لاکھ ایکڑ زمین تقسیم کی جائے گی۔ یہ اصل زیر کاشت رقبے ۴/۱ حصہ پر مشتمل ہے۔ زمین کی ازسرنو تقسیم سے ۲ لاکھ ۸ ہزار بڑے چھوٹے زمیندار متاثر ہوں گے۔ ان کی تعداد کل زمینداروں کی ۳۔۴ فیصد پر مشتمل ہے جاگیرداروں سے حاصل شدہ اراضی کا رقبہ ۳ لاکھ ایکڑ کے قریب ہے۔

فرمان نمبر ۸ کے اعلان کے فوراً بعد اس پر عمل درآمد شروع ہو گیا ہے اور غریب اور بے زمین کسانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی - اب تک صرف صوبہ ہرات میں ۰۰۰۰ ۲۶۴ جریب زمین ر ۲۸۰۲ بے زمین کسان خاندانوں میں تقسیم کی گئی ہے. صوبہ قندھار میں ۲۴۲ خاندانوں میں اراضی تقسیم کی گئی ہے - وادی ہلمند کے ۲۲۰ خاندانوں میں اراضی تقسیم ۱۶۰۱ جریب زمین کی تقسیم کی گئی. فارح صوبہ کے کلاتے قصبہ میں ۱۰۰ خاندانوں کو ۵۰۰ جریب زمین دی گئی ہے. صوبہ نمروز کے ۳، ۴ خاندانوں کو ۹۶، ۳ جریب زمین دی گئی ہے - یہ اعداد و شمار نامکمل ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ افغان حکومت زرعی انقلاب کو بنیادی اہمیت دے رہی ہے اور افغانستان کے ہر حصے میں بے زمین اور غریب کسانوں کو نہ صرف بلا معاوضہ زمینیں تقسیم کی جا رہی ہیں - بلکہ انہیں انتظامی معاملات میں بھی شامل کیا جا رہا ہے - اس طرح تاریخ میں پہلی بار افغانستان کے غریب اور پسے ہوئے کسان اپنی قسمت کے آپ مالک بن رہے ہیں - مٹھی بھر جاگیردار جو زرعی اصلاحات سے متاثر ہوئے ہیں وہ حکومت کی ان پالیسیوں کی مخالفت کر رہے ان میں بیشتر - ملک چھوڑ کر پاکستان آگئے ہیں - جہاں جماعت اور دیگر رجعت پرست ان کی میزبانی فرائض انجام دے رہے ہیں اور ان سود خور عوام دشمن جاگیرداروں اور بدمعاشوں کو علمائے دین کے روپ میں پیش کر کے پاکستان اور دنیا کے عوام کو گمراہ کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں افغانستان کے عوام ان فرضی کہانیوں سے بیگانہ ایک نئی تاریخ مرتب کر رہے ہیں

چھٹا باب

پاکستان کے رجعت پسند ایک خطرناک کھیل میں ملوث ہو رہے ہیں

اس ماہ کی ۲۷ تاریخ کو انقلاب افغانستان کی پہلی سالگرہ کا جشن منایا جائے گا گیارہ مہینوں کے دوران افغانستان میں انقلابی تبدیلیوں اور مجموعی صورتحال کا جائزہ لینے کی غرض سے میں نے حال ہی میں افغانستان کا دورہ کیا۔ وطن لوٹ آنے کے بعد صحافیوں اور دوسرے دوستوں نے جو سوالات پوچھے وہ انقلابی اصلاحات اور سماجی تبدیلیوں کی بجائے حکومت کے استحکام یا "گڑبڑ" کے بارے میں تھے۔ اس سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ افغانستان کے حقائق سے کٹے ہوئے مگر افغان دشمن پروپیگنڈہ میں گھرے ہوئے ہم وطنوں کو سامراجیوں اور علاقے کے رجعت پسندوں کی پروپیگنڈہ مہم پر تشویش ہے۔ یا وہ کسی حد تک متاثر ہوئے ہیں۔ چونکہ افغانستان میں انقلاب برپا ہوا ہے اور سماجی رشتوں کو بنیادی طور پر تبدیل کیا جا رہا ہے میں خود توقع کر رہا تھا کہ "گڑبڑ" لازمی ہے۔ دنیا کا کوئی انقلاب ایسا نہیں کہ جس میں ہنگامہ آرائی نہیں ہوئی ہو یا اس کے کامیاب ہونے کے بعد جوابی انقلاب کی کوشش نہ کی گئی ہو۔

فرانس کا انقلاب ہو یا امریکہ کا روس کا عظیم اکتوبر انقلاب ہو یا چین کا قومی انقلاب، انقلاب کیوبا ہو یا جنوبی یمن کا انقلاب ہند چین کے انقلابات ہوں یا افریقہ میں پرتگالی نوآبادیوں میں قومی آزادی کی انقلابی تحریکیں ان سب میں "گڑبڑ"، افراتفری خونریزی اور مزاحمت ہوئی لیکن ان سب ہی انقلابوں میں عوام کی بھاری اکثریت نے مٹھی بھر مفاد پرستوں اور رجعت پسندوں کو شکست دی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو افغانستان میں بہت کم گڑبڑ ہوئی ہے انقلابی حکومت انتہائی مستحکم ہے۔ اسے عوام کی بھاری اکثریت کی پرجوش حمایت حاصل ہے زیادہ تر لوگ معمول کے مطابق زندگی گذار رہے ہیں کہیں بھی افراتفری یا اضطراب کا نشان دکھائی نہیں دیتا۔ اگر کوئی غیر معمولی بات نظر آتی ہے تو وہ لاکھوں خلقی سیاسی کارکنوں نوجوان تنظیم کے اراکین، خواتین تنظیم کے ممبروں اور عام لوگوں کی طرف سے انقلابی تبدیلی اور عوام کی بہبود کی خاطر سرگرم عمل کوشش ہے۔ پورا معاشرہ انقلابی تبدیلی کی لپیٹ میں ہے اور غریب عوام اس سے خاص طور پر خوش ہیں۔ مراعات یافتہ طبقہ نے بھی توقع سے کم ردعمل کیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ خلقی حکومت نے اپنی اصلاحات کو نافذ کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ کسی بھی ذریعہ معاش سے محروم نہ کیا جائے اور کسی کی شخصی تذلیل نہ کی جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اشرافیہ کا ایک کافی بڑا حصہ وطن پرست ہے جسے اپنے ملک کی ترقی اور عوام کی بہبود سے خوشی ہوئی ہے۔ اور یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے ملک کا وقار بلند ہو رہا ہے اگر وہ دوسروں کا استحصال کئے بغیر عزت و آرام کی زندگی بسر کرنا چاہے تو اسے کوئی نہیں روکتا۔

افغانستان میں سب سے بڑی تبدیلی فیوڈل یا جاگیرداری نظام کا خاتمہ ہے۔ دیکھئے اس وقت تک کسانوں میں ۴ لاکھ ایکڑ زمین کی تقسیم کی گئی ہے یہ زمین ان مالکان سے لی گئی جن کے پاس بہترین زمین درجہ اوّل کے ۵ ا ایکڑ سے زائد اراضی تھی ہر کسان خاندان کو اوسطاً ۳ ایکڑ اراضی درجہ اوّل کے برابر زمین دی گئی ہے جو ایک خاندان کے گذارے کے لئے کافی ہے توقع کی جا رہی ہے کہ جن مالکان سے زمین چھینی جا رہی ہے وہ انقلاب کی شدید مخالفت کریں گے لیکن ایسا ہوا نہیں۔ بقول وزیر اطلاعات و اصلاحات اراضی ڈاکٹر صالح محمد زیری کسی کی نکسیر تک نہیں پھوٹی۔ جب میں نے تعجب سے پوچھا کہ ایسے کیوں تو ڈاکٹر ہی نے بتایا کہ اوّل تو بڑے جاگیرداروں کی تعداد بہت کم ہے اور وہ زیادہ تر کوئی دوسرا کاروبار بھی کرتے ہیں جس پر کوئی ضرب نہیں لگی زیادہ تر زمین ایسے لوگوں سے لی گئی ہے جن کے پاس قانونی حد سے ایک دو ایکڑ زمین زیادہ تھی اس طرح ان کی بیشتر ملکیت ان کے قبضہ میں ہے۔ جن لوگوں سے فاضل زمین لی گئی ہے انہیں اپنی پسند کی ۱۵ ایکڑ درجہ اوّل یا اس کے برابر اراضی رکھنے کا حق دیا گیا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بڑے اور چھوٹے زمیندار دونوں ہی ٹیکس کی عدم ادائیگی کے مرتکب تھے حکومت نے ان پر یہ واجبات معاف کر دیئے ہیں ورنہ ٹیکس کی وصولی کے تحت بھی ان کی زمین چھینی جا سکتی تھی۔ ان اقدام کی وجہ سے خواتین کی طرف سے شدید ردعمل نہیں ہوا۔

اگر انقلاب کی مخالفت میں خواتین پیش پیش نہیں تو وہ کون لوگ ہیں جو افغانستان سے بھاگ کر باہر چلے گئے ہیں جہاں سے وہ انقلابی حکومت کے خلاف تخریبی کارروائیاں کر رہے ہیں۔؟ یہ سوال میں نے نائب وزیر اعظم و وزیر خارجی امور جناب حفیظ اللہ امین سے پوچھا۔ حفیظ اللہ امین نے کہا کہ اگر افغانستان کے داخلی معاملات میں بیرونی مداخلت نہیں کی جاتی تو وہ انقلابی حکومت کو جس معمولی سی مزاحمت کا سامنا ہے۔ اتنی مخالفت بھی نہیں ہوتی جناب امین نے بتایا کہ انقلاب کی مخالفت میں جو گروہ پیش پیش ہے وہ اخوانی ہیں یہ عرصہ دراز سے برطانوی سامراج کے پروردہ ہیں۔ انہوں نے سامراجیوں کی

ایما پر اپنی روایت کے مطابق ملک سے غداری کا کام جاری رکھا ہے - ان کے سب سے بڑے اتحادی بازو کے انتہا پسند ہیں جو حقیقت میں رجعت پسند اور سامراجی ایجنٹ ہیں - ان کے علاوہ چند ایک تنگ نظری کی وجہ سے انقلاب کی مخالفت کر رہے ہیں - ان میں بڑی قومیت کی جارحانہ قوم پرستی اور چھوٹی قومیتوں کی تنگ نظری میں مبتلا عناصر شامل ہیں -

جناب حفیظ اللہ امین نے مداخلت کرنے . . . . والے ملکوں کا نام نہیں لیا اور میں نے بھی اس پر اصرار نہیں کیا - البتہ میرے سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ ایک سے زیادہ ملک افغانستان کے خلاف تخریبی کارروائیوں میں ملوث ہیں ہم نے بہت تحمل سے کام لیا ہے تاکہ سرد جنگ شروع نہ ہو جائے بیرونی مداخلت کے موضوع پر بات کرتے ہوئے نائب وزیر اعظم جناب عبدالقیوم نورزی نے کہا کہ ہمارے پاس افغان انقلاب کے خلاف تخریبی کارروائیاں کرنے والے ملکوں کے بارے میں دستاویزی ثبوت موجود ہیں - جو کہ ہم مناسب وقت پر منظر عام پر لا سکتے ہیں -

جہاں تک کہ تخریبی سرگرمیوں کی نوعیت اور شدت کا سوال ہے تو اس پر وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے البتہ اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ جس قسم کا پروپیگنڈہ بی بی سی اور پاکستانی اخبارات میں افغان رجعتی پناہ گزینوں کے حوالے سے کیا جا رہا ہے - اس کی کوئی بنیاد نہیں اس پروپیگنڈہ کے مطابق نور محمد ترہ کی کی حکومت چند روز کی مہمان ہے / اس کے خلاف زبردست اسلامی تحریک چل رہی ہے - تین صوبوں پر باغیوں کا قبضہ ہو گیا - اتنے ہزار خلقی مارے گئے اتنی سو ٹینکیں تباہ کر دی گئیں اور وغیرہ وغیرہ ایسے پروپیگنڈہ کو ہاگ واش کہا جاتا ہے اس کا لفظی ترجمہ ہے سؤر کا دھلا پانی اور واقعی افغانستان کے سؤر بازاری ملّے اور ان کے اتحادی پاکستان کے چور بازاری ملّے سؤر کے پانی میں ہی نہا رہے ہیں -
جہاں تک میں اندازہ لگا سکا ہوں انقلابی حکومت کے خلاف کسی قسم کی "عوامی تحریک" کا وجود نہیں ہے - البتہ دور دراز علاقوں میں کئی پولیس اور فوجی چوکیوں پر چھاپہ مار حملوں کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں - لیکن ان سرگرمیوں کو عوام کی حمایت حاصل نہیں ہے چونکہ یہ ایک سماجی انقلاب ہے - اس لئے آبادی کا ایک حصہ یعنی جاگیرداروں - سود خوروں اور سمگلروں ، شاہی خاندان کے افراد اور ان کے حواریوں پر مشتمل عناصر یقیناً اس انقلاب کے خلاف ہیں - یہ مذہب کے نام پر اور پیری مریدی کے رشتے سے عوام کے کچھ حصوں کو بہکا بھی سکتے ہیں -

پاکستان میں جس قسم کی حرکتیں مودودی فرقہ کے عناصر ترقی پسندوں کے خلاف

استعمال دلانے کے لئے استعمال کرتے رہے ہیں۔ یعنی خود قرآن شریف کو آگ لگا کر سوشلسٹوں پر الزام دھرنا وغیرہ ایسی حرکتیں وہ شاید افغانستان میں بھی کریں۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوں گے کیونکہ افغانستان کے عوام ان کے ناپاک عزائم اور چالوں کو سمجھنے لگے ہیں مثلاً جب اخوانیوں اور جماعتیوں کی طرف سے یہ پروپیگنڈہ ہوتا ہے کہ افغانستان میں مسجدیں بند کردی گئی ہیں تو وہ افغانی جو روزانہ خود مسجد میں نماز پڑھتے ہیں یا دوسروں کو پڑھتا دیکھتے ہیں اخوانیوں کی شرانگیزی کو فوراً سمجھ لیتے ہیں۔ اس لئے افغانستان میں سامراج کے پروردہ مُلّاؤں کو "اخوان الشیاطین" کہا جاتا ہے۔ جہاں تک کہ عام علما اور امام مسجد کا تعلق ہے تو وہ انقلاب کے حق میں ہیں یا کم از کم اس کے مخالف نہیں ہیں۔ ان میں سے جو اسلامی تعلیمات کا علم رکھتے ہیں اور بے ایمان نہیں ہیں، وہ اس بات سے بہت خوش ہیں کہ افغانستان میں پہلی مرتبہ بعض اسلامی احکامات پر عمل درآمد کیا جارہا ہے مثلاً فرمان نمبر ۶ کی رو سے افغانستان میں سودخوری ختم کردی گئی ہے اور لوگوں کی قرق کی ہوئی جائیدادان کو واپس لوٹا دی گئی ہے اس قدم سے نہ صرف لاکھوں غریب لوگوں کو ایک بہت بڑی لعنت سے نجات ملی ہے بلکہ یہ اسلامی اصولوں کے عین مطابق ہے۔ اسی طرح فرمان نمبر ۷ کے ذریعے عورت کی خرید فروخت جو ایک قدیم روایت کے مطابق چلی آرہی تھی اور جسے ولور کہا جاتا تھا ختم کردی گئی ہے اور اس کی جگہ دس درہم کی شرعی مہر نافذ کردی گئی ہے اس انقلابی فرمان کی وجہ سے ان ہزاروں مردوں پر سے بوجھ ہٹ گیا ہے جو کہ لاکھوں افغانی نہ ہونے کی وجہ سے شادی سے بھی محروم رہتے تھے۔ اس طرح استحصال کا خاتمہ اور سماجی برابری بھی اسلام کی سماجی قدروں کے مطابق ہیں۔ جب اخوانی ان اقدام کی مخالفت کرتے ہیں تو لوگوں کی سمجھ میں آجاتا ہے کہ درحقیقت یہ خود اسلام کے دشمن ہیں۔

بی بی سی اور صالحین کے دعوؤں کی قلعی ایک بظاہر سطحی مشاہدے سے بھی کھل جاتی ہے مثلاً جون کے مہینے میں افغانستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ملک گیر مردم شماری ہوگی۔ اس مردم شماری کی تیاری سو فیصد مکمل کرلی گئی ہے۔ کارکنوں نے گاؤں گاؤں جاکر گھر گھر کی نشاندہی کرلی ہے تاکہ ہر گھر پر مردم شماری کا سوالنامہ پیش کیا جاسکے۔ اگر امن وامان کی صورت حال اتنی خراب ہوتی اور کئی صوبے یا ضلعے صالحین کے قبضہ میں ہوتے تو مردم شماری کا کام نہیں ہوسکتا۔ اس کے علاوہ زرعی اصلاحات کو نافذ کرنے کیلئے اصلاحی ٹیمیں گاؤں گاؤں جاکر زمین کی تقسیم کررہی ہیں۔ میں نے مختلف صوبوں میں زمین کے بٹوارے میں حصہ لینے والے کارکنوں سے بات چیت کی اور اس سے مجھے اندازا ہوا کہ انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آرہی۔

عین اس وقت جبکہ بی بی سی افغانستان میں گھمسان کی لڑائی کی خبریں نشر کر رہا تھا افغانستان کی انقلابی کونسل کا اجلاس جاری تھا۔ اس اجلاس میں پوری کابینہ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے اراکین اور فوجی کمانڈر شریک تھے۔ یہ اجلاس کئی روز تک روزانہ کئی کئی گھنٹوں تک جاری رہا۔ مکمل کارروائی کو ٹیلیویژن پر براہ راست دکھایا گیا تاکہ عوام یہ دیکھ سکیں کہ ان کے راہنما ملک کے بارے میں فیصلے کس طرح کرتے ہیں۔ یہ اجلاس انتہائی نظم وضبط کے ساتھ لیکن آرام دہ ماحول میں ہوا۔ اگر کوئی سنگین قسم کی واردات ہوتی تو یقیناً صدر ترہ کی حفیظ اللہ امین یا فوجی کمانڈروں کو اجلاس سے بلا کر مطلع کیا جاتا۔ لیکن ناظرین شاہد ہیں کہ اجلاس کے دوران کسی قسم کی بھی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔

سرکاری شعبوں اور عوامی تنظیموں کے دفاتر میں جا کر دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ ہر کوئی نہایت اطمینان خود اعتمادی اور جوش وخروش کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہے۔ اگر امن امان کی صورتحال نازک ہوتی تو اس کا اندازہ ان کارکنوں کے چہروں سے بھی ہو جاتا۔ عوام بھی معمول کے مطابق سکون سے اپنی روزمرہ کی سرگرمیوں میں مصروف ہیں درحقیقت وہ پہلے سے زیادہ سلامتی محسوس کرتے ہیں کیونکہ نئے نظام کے تحت حکومتی ادارے اور پولیس ان کے دشمن نہیں بلکہ معاون ہیں۔

پاکستان میں موجود انقلاب دشمن گروہ دھمکیاں دے رہے ہیں کہ برف پگھلنے کے ساتھ ہی ان کی کارروائیاں تیز ہو جائیں گی۔ اور خلقی حکومت کے خلاف عام جنگ چھڑ جائے گی۔ انہوں نے جنگ کی جو تیاریاں کی ہوئی ہیں اس کا اندازہ انہی کو ہوگا۔ میں نے دوسری طرف جو دیکھا اور محسوس کیا ہے اس کے بارے میں یہ کہنا چاہوں گا۔ کہ انقلابی حکومت ان سازشوں سے بے خبر نہیں ہے۔ اس نے بھی تخریب کاروں سے نمٹنے کے لئے فوجی تیاریاں مکمل کرلی ہوں وہ سمجھتی ہے کہ اگلے چار یا پانچ ماہ میں سامراجی ان کے خلاف تخریبی کارروائیاں تیز کردیں گے۔ حکومت کی فوجی تیاریوں سے زیادہ اہم بات حکومت اور پارٹی کی وسیع تر ہوتی ہوئی سماجی بنیاد ہے۔ افغان تخریب پسندوں کی اعانت کرنے والی حکومتیں شاید اس حقیقت کا پوری طرح ادراک نہ کر سکتی ہوں۔ کیونکہ ان کی اپنی سماجی بنیاد بہت محدود ہے اور وہ لیٹرے طبقوں کی روایتی تنگ نظری اور محدود فکر کی حامل ہیں۔

جہاں پر انقلابی حقیقت کا ایک رخ یہ ہے کہ لیٹرے طبقے اور اوہام پسند عناصر سامراجی قوتوں کی مدد سے انقلاب کو ناکام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہاں اس حقیقت کا دوسرا اور زیادہ اہم پہلو یہ ہے کہ لاکھوں غریب عوام انقلاب سے فیض یاب ہوتے ہیں اور وہ اپنے

تازہ حاصل کئے ہوئے حقوق اور آزادی کی دفاع کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں۔ افغانستان کے انقلاب میں اقتدار پر قبضہ کرنے کے منفرد طریقہ کار کی وجہ سے اگر کسی کو یہ غلط فہمی ہے کہ خلقی حکومت کی جڑیں عوام میں پیوست نہیں ہیں تو وہ فوراً اس غلط فہمی کو دور کرلے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ افغانستان کے مخصوص تاریخی و سماجی حالات کے تحت خلق پارٹی کو ایک سال پہلے عوام کی جتنی حمایت حاصل تھی اتنی ہی افغانستان کی حالیہ تاریخ میں شاید ہی کسی بھی حکومت کو حاصل نہ ہوئی ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ گیارہ مہینے کے انقلابی عمل کے دوران حکومت نے جس طرح عوامی حمایت کی بنیاد وسیع کی ہے اس کا اندازہ شاید بہت کم لوگوں کو ہو۔

افغانستان کی آبادی کا تقریباً اسی فیصد کسانوں پر مشتمل ہے فرمان نمبر ۶ کی وجہ سے لاکھوں انسانوں پر سے سود اور قرضوں کا بوجھ ہٹا ہے اور فرمان نمبر ۸ کی وجہ سے لاکھوں کسانوں کو زمین ملی ہے اور فیوڈل ظلم سے نجات مل گئی ہے۔ یہ ہر قیمت پر انقلاب کا دفاع کریں گے۔

مزدور طبقہ افغانستان میں بہت چھوٹا ہے لیکن یہ تیزی کے ساتھ انقلابی عمل میں شریک ہو رہا ہے۔ انقلاب کے بعد پہلی مرتبہ ٹریڈ یونین قائم کی گئی ہے اور مزدوروں کو بعض اہم حقوق دلوائے گئے ہیں جن میں اوقات کار میں کمی بھی شامل ہے۔ نجی صنعت میں کام کرنے والے مزدوروں کو سرکاری ملازمین کے برابر حقوق دیئے گئے ہیں جس کی وجہ سے۔ آٹا، شکر، گھی، چائے، صابن، کپڑا اور ضروریات کی دیگر اشیاء رعایتی قیمت پر ملتی ہیں۔ مزدور یہ جانتے ہیں کہ یہ حکومت ان کی اپنی ہے جو آگے چل کر ان کے لئے مزید سہولتیں فراہم کرے گی۔

ناخواندگی کے خلاف مہم حکومت کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کی ایک علامت ہے۔ بقول حفیظ اللہ امین ہمارے بجٹ میں اس مہم کے لئے ایک کوڑی بھی نہیں۔ تاہم یہ انتہائی کامیاب طریقے سے آگے بڑھ رہی ہے۔ وجہ؟ انقلابی جذبہ کے تحت ہزاروں اُستاد طالب علم اور پڑھے لکھے لوگ رضا کارانہ طور پر استاد کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اور لاکھوں لوگ شوق و جذبہ سے تعلیمی کلاسوں میں شریک ہوگئے ہیں۔ اس وقت تک ۹ سے ۵۰ سال کی عمر کے (اور بعض زیادہ معمر) چھ لاکھ لوگ ان کورسز میں تعلیم پا رہے ہیں جن میں ۶۰ ہزار عورتیں بھی شامل ہیں۔ ان لاکھوں ناخواندہ لوگوں کی شرکت اور ہزاروں رضا کار اساتذہ کی خدمت اس بات کا ثبوت ہے کہ عوام انقلابی عمل میں جوش و خروش سے حصہ لے رہے ہیں۔ وہ یہ جانتے ہیں تعلیم نہ صرف انہیں جہالت کے اندھیرے سے نکالے گی بلکہ انہیں معاشی طور پر خوشحال ہونے میں بھی مدد دے گی۔

رضا کارانہ محنت صرف تعلیمی کورسوں تک ہی محدود نہیں ہے۔ ہزاروں لوگ چھٹی کے روز یا ملازمت کے اوقات کے بعد رضا کارانہ طور پر اسکول و مکانوں کی تعمیر اور دیگر

منصوبوں میں کام کرتے ہیں۔ اس کی ایک مثال خیر خانہ میں تین ماہ میں پانچ سو مکانوں کی رضاکارانہ محنت کی بنیاد پر تعمیر ہے۔ مردم شماری کی تیاریاں جس تیزی اور سلیقہ سے کی گئی ہیں وہ واقعی حیرت کن ہے۔ یہ افغانستان کا پہلا سینسز ہے لیکن اس کے لئے صرف تین غیر ملکی مشیروں کی خدمات اقوام متحدہ کے توسط سے حاصل کی گئی ہیں جب میں نے منصوبہ بندی کے نائب وزیر عبدالغفور ملک زادہ سے اس عمدہ کارکردگی کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا، "انقلابی جذبہ، قومی فخر۔ اس کے علاوہ کوئی سبب نہیں۔ انقلاب کے بغیر سب کچھ ناممکن تھا۔" انہوں نے بتایا کہ مردم شماری کے وقت وزارت تعلیم اور دیگر شعبوں کے دس ہزار رضاکار اس کام میں حصہ لیں گے۔

یہ تھیں چند مثالیں انقلابی تبدیلی میں عوام کی شرکت کی جن سے انقلابی حکومت کی مقبولیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ ہے افغان انقلاب کی اصل قوت۔ اس قوت کے مقابلہ میں جو قوت صف آرا ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ ذرا اس پر بھی غور کیجئے۔ اپنی محدود تعداد کے علاوہ اس کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ عوام کے مفادات کے خلاف برسرپیکار ہے۔ وہ علم روشنی۔ ترقی اور انصاف کے خلاف لڑ رہی ہے۔ وہ اپنے ناکام عزائم پر "اسلام" کا پردہ ڈالنا چاہتی ہے۔ لیکن ۵۰ سال پہلے آزمایا ہوا شور بازاری نسخہ اس انقلابی دور میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ افغان عوام بہت تیزی کے ساتھ انقلابی نظریئے سے لیس ہو رہے ہیں اور انقلابی نظریہ کا ہتھیار آتشین ہتھیار سے زیادہ طاقت ور ہے جب میں نے حفیظ اللہ امین سے خلقی فوجی افسروں کے انقلاب میں ردوبدل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا بندوقوں اور ٹینکوں سے مسلح تھے بلکہ یہ انقلابی نظریہ سے بھی لیس تھے اور مکمل طور پر پارٹی کے وفادار تھے جب میں نے انہیں عمل میں آنے کا حکم دیا تو انہوں نے فوراً انقلابی کارروائی شروع کردی۔ پارٹی نے فوج میں زبردست سیاسی کام کیا ہوا تھا۔ اس وقت تمام کمانڈر خلق پارٹی کے ممبر ہیں۔ اور عام فوجی یا تو ممبر ہیں یا انقلاب کی سرگرم حمایت کرتے ہیں۔ فوج پر پارٹی کی گرفت انتہائی مضبوط ہے۔ خلق پارٹی کا کہنا ہے کہ انقلاب کے وقت پارٹی میں پچاس ہزار ممبر تھے۔ انقلاب کے بعد براہ راست ممبر سازی میں جلد بازی نہیں کی جا رہی۔ اور امیدواروں کو صرف اس وقت پارٹی میں لیا جاتا ہے جب وہ تمام شرائط پوری کریں جس میں انقلابی فلسفہ کا علم لازمی ہے نئے ممبر عام طور پہلے عوامی تنظیموں میں شامل ہوتے ہیں۔ جہاں وہ دو یا تین مرحلے طے کرنے کے بعد پارٹی کی رکنیت کے اہل بنتے ہیں۔ عوامی تنظیموں میں لوگ کس جوش و خروش سے شامل ہو رہے ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خلقی نوجوانوں کی تنظیم

اس وقت ہر صوبے اور ہر ولسوالی میں موجود ہے اور اس میں ڈھائی لاکھ ممبر شامل ہیں
یہ انقلابی احکامات اور فرامین کو عملی جامہ پہنانے اور عوام کو متحرک کرنے میں بنیادی کردار
ادا کر رہی ہے۔ اسی طرح خواتین کی تنظیم جس میں انقلاب سے پہلے صرف چھ یا سات سو خواتین
شامل تھیں اس وقت بارہ ہزار سے زیادہ خواتین شامل ہیں۔ انقلاب سے پہلے افغانستان میں
ٹریڈ یونین کا وجود تک نہ تھا۔ لیکن اس وقت ایک لاکھ ۷۰ ہزار سے زائد مزدور یونینوں میں
منظم ہو گئے ہیں یہ انقلاب کی ہراول قوت ہوں گے۔

عوام کس تیزی کے ساتھ انقلابی فلسفہ اور علم سے اپنے آپ کو مسلح کر رہے ہیں اس کا اندازہ سیاسی
لٹریچر کے فروخت سے ہو سکتا ہے وزارت اطلاعات کی طرف سے لاکھوں کی تعداد میں چھپی ہوئی
سیاسی کتابیں اور پمفلٹ دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو جاتے ہیں۔ اور انہیں بار بار شائع کرنا پڑتا ہے
پریسوں پر اتنا بوجھ ہے کہ وہ عوام کی ضرورت کے مطابق لٹریچر چھاپ نہیں سکتیں حکومت
چھپائی کی نئی پریسیں لگا رہی ہے صدر ترہ کی فلسفہ پر لکھی ہوئی کتاب "زندگی نوین"
کی جو ۴۰۴ صفحات پر مشتمل ہے، نوے ہزار کاپیاں فروخت ہو چکی ہیں اور اب بھی اس کی
زبردست مانگ ہے۔ جگہ جگہ نوجوان، سپاہی اور مزدور اور دوسرے لوگ فرصت کے اوقات
میں سیاسی کتابیں پڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کابل میں ہر روز عورتوں کے لئے سیاسی تعلیمی کلاس
میں دو ہزار خواتین شریک ہوتی ہیں۔ انقلابی شعور سے لیس یہ عورتیں اور مرد نوجوان اور بوڑھے
سویلین اور فوجی ایک جدید اور انصاف پرور معاشرے کی تعمیر میں سرگرم عمل ہیں اس ناقابل تسخیر
قوت کے سامنے دقیانوسی فیوڈل نظریات رکھنے والے سامراجی ہتھکنڈے کتنی مؤثر مزاحمت
کر سکتے ہیں۔ اس کا اندازہ ہم اچھی طرح لگا سکتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ کچھ جانی و مالی نقصان
پہنچا سکتے ہیں اور حکومت کی توجہ تعمیری کاموں سے ہٹا کر تخریب کاروں کی سرکوبی کی طرف
مبذول کرا سکتے ہیں۔ لیکن وہ تاریخ کے پہیہ کو پیچھے نہیں دھکیل سکتے۔ ایسا نہ روس میں ہو سکا
ہے۔ نہ کیوبا میں۔ نہ ویت نام میں اور نہ ہی انگولا میں۔ پاکستان کے رجعت پسند، انقلاب دشمن
افغانیوں کی ہمت افزائی کر کے اور افغان حکومت کے خلاف اشتعال انگیزی کر کے ایک
خطرناک کھیل میں ملوث ہو رہے ہے۔ مداخلت کی اس منطق کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ جن ملکوں
کی سرزمین سے جوابی انقلابی کارروائیاں کی جاتی ہیں، اس کی حکومت کی "مہمان نوازی" اور براہ راست
مداخلت میں خط امتیاز بہت باریک ہو جاتا ہے۔ کیا ہے کہ؟ کہیں ان بھگوڑوں کے ساتھ اتنی دور
تک نہ چلی جائے کہ ان کی پٹائی کی صورت میں میزبان حکومت بھی جنگ کی دلدل میں پھنستی چلی جائے
اگر پاکستان کے جماعتیے اور ان کے بونا پارٹسٹ حلیف اپنے ہی پروپیگنڈہ کا شکار ہو گئے ہیں

کہ پاکستان میں اسلامی انقلاب لے آئے ہیں اور اب اسے ایکسپورٹ بھی کرنا چاہیے تو
اتنے بڑے پیمانہ کی حماقت ہوگی کہ جس کی جدید تاریخ میں بہت کم مثالیں ملتی ہیں۔ قبرص کے مسئلہ
پر یونانی فوجی ٹولے کی حرکت کی وجہ سے جو نتائج برآمد ہوئے ہیں انہیں بھولنا چاہیئے۔ پاکستان
کے اندر کس کو عوام کی کتنی حمایت حاصل ہے اور عوام کی نظروں میں ریاستی اداروں کی کیا وقعت
رہ گئی ہے اس کا ہر کسی کو علم ہے ایک مرتبہ اس بات پر بھی غور ہونا چاہیئے کہ کیا اس ملک کے عوام اب کسی مہم
جوئی کو برداشت کریں گے؟ افغانستان کی صورتحال کا غلط تخمینہ لگانے کا کافی جواز ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت
اپنی جگہ قائم ہے کہ اس تاریخی فیصلہ کو اب بدلا نہیں جاسکتا یہ صرف حیوانی جبلت ہی ہے جو عقل و دانشمندی سے ٹکرا
سکتی ہے بہتر ہے کہ نوشتہ دیوار کو پڑھ لیا جائے۔

ساتواں باب

عبداللہ ملک

انقلاب افغانستان اور امریکہ

۱۹۷۸ء اپریل میں افغانستان میں انقلاب بپا ہوا تھا۔ یہ انقلاب بنیادی طور پر حکومتوں اور ان کے سربراہوں کی تبدیلی نہ تھی بلکہ یہ ایک نظام، ایک طرزِ زندگی، افغانستان کے پورے سماجی ڈھانچے میں تبدیلی کی ابتداء تھی یہ تبدیلی ایک ایسے ملک میں رونما ہونے لگی تھی جو اس روئے زمین کے پسماندہ ترین ممالک میں سے تھا۔ جہاں کے لوگ زندگی کی ہر قسم کی آسائش اور ضرورت سے محروم تھے اور سب سے بڑا ظلم یہ تھا کہ ہم ان کے قریب ترین ہمسائے ہیں ہم کو بھی ان کی اس پسماندگی اور ان پر روا رکھے جانے والے جبر کا پوری طرح سے کوئی علم نہیں تھا ہم افغانوں کے متعلق الف لیلوی قصے کہانیوں سے لُطف اندوز ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہو رہے ہیں کہ یہ افغان بہت بہادر ہیں۔ ان کے سر کبھی کسی کے سامنے نہیں جھکے، کبھی انہوں نے کسی کی غلامی قبول نہیں کی۔ یہ ہر وقت شمشیر بکف رہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان الف لیلوی قصے کہانیوں کی یلغار میں ہم اس پاوندے اور افغان کو بھی بھول گئے جو اس پورے برصغیر میں سود کا دھندا کرتا تھا اور کسی طرح سے یہاں پر ہماری مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ یہ ہم نے کبھی بھی جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ یہ سود خوری ان کے ہاں ایک طبقے کا جزوِ زندگی بن گیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ہم نے یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ جو افغان سود خور اپنے ملک سے باہر آ کر ہماری مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتا ہے وہ اپنے غریب عوام کو کیوں اور کیسے بخشتا ہو گا۔ اسی طرح ہم یہ بھی بھول گئے کہ وہاں کے قبائلی سردار اور زرعی زمینوں کے مالک کے ہاتھوں کس طرح وہاں کا کاشتکار لٹ رہا ہے۔ اس لئے جب بھی کوئی ایسی حکومت آئے جو سود کے کاروبار کو بند کرے۔ جو زرعی اراضی کاشتکاروں میں تقسیم کرے اس کے خلاف واویلا مچنا لازمی و لابدی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ میں نے اس انقلاب کے پورے ایک سال کے بعد اس انقلاب اور افغانستان کے بارے میں یہ صفحات قلمبند کئے تھے۔ اس کے بعد اب تک بڑی اہم تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ اور اب یہ پورا خطہ دنیا کے دو نظاموں یعنی سرمایہ داری نظام اور سوشلسٹ سسٹم کے تضادات اور کشمکش کی آماجگاہ بن گیا ہے۔ اور اس کشمکش میں ہم پوری طرح سے امریکہ اور اس کے دوست سرمایہ دار ممالک اور ان کے حامی موالی اسلامی بادشاہوں کے کیمپ میں چلے گئے

ہیں اور اس طرح سے ہم غیر جانبداری کا اعلان کرتے ہوئے بھی جانبدار بن گئے ہیں۔

اب یہ بات کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں رہی ہے کہ افغانستان میں انقلاب کو ناکام بنانے کے لئے اور انقلاب کی جو طاقتیں افغانستان کے اندر اور باہر مصروف جدال ہیں ان کو امریکہ اور اس کے حامیوں کی براہ راست امداد حاصل ہے اور امریکہ جو ہمیں بھی مدد دے رہا ہے وہ بھی اسی لئے کہ ہم افغانستان کے اندر اور انقلاب کی طاقتوں کے ہم نوا ہیں اور صرف ہماری وساطت سے ہی ان تک اسلحہ پہنچ سکتا ہے اور پاکستان کے حکمران اب خود بھی اس امر کو کھلم کھلا تسلیم کرتے ہیں کہ وہ امریکہ کے مفادات کے زبردست محافظ ہیں چنانچہ ۱۹۸۴ء کے ابتدائی مہینوں میں جنرل ضیاء الحق نے PARADE میگزین کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا۔

"پاکستان اس وقت آزاد دنیا کی حفاظت کا فریضہ تن تنہا ادا کر رہا ہے۔"

"پاکستان اس وقت جنوب مغربی ایشیاء اور خلیج کے علاقوں امریکی مفادات کی نگہبانی کا اہم فرض پورا کر رہا ہے۔"

اسی میگزین کے نمائندے نے اپنے اسی تفصیلی مضمون میں لکھا تھا۔

"پشاور کے قریب کچا گڑھی کیمپ میں وہاں کے ایک افسر نے مجھے بتایا کہ مہاجرین نے ایسا نظام استوار کر رکھا ہے جس کے تحت ان میں سے نوجوان باری باری پانچ چھ ماہ کے لئے افغانستان کے اندر سوویت یونٹس کے خلاف لڑنے کے لئے جاتے ہیں زخمی افغانیوں کا پاکستان کے اندر ہی علاج معالجے کا اہتمام ہوتا ہے۔"

آگے چل کر لکھتا ہے۔

افغان مجاہدین کے لئے ہتھیار صوبہ سرحد کے راستے سے ہی بھیجے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ ہتھیاروں کی ترسیل کا اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے گو حکومت پاکستان سرکاری طور پر اسکو تسلیم نہیں کرتی ہے۔ حالانکہ یہ باغی اس امداد کے بغیر ایک دن بھی نہیں لڑ سکتے نامہ نگار مزید لکھتا ہے۔

"پاکستانی فوج اور فنی عملہ خلیج کے مختلف علاقوں اور سعودی عرب میں موجودگی وہاں کے تحفظ اور اقتصادی امن کے لئے بے حد اہمیت رکھتی ہے اور اس طرح پورے خطے کے تحفظ کی ذمہ داری پاکستان پوری کر رہا ہے۔ چنانچہ جنرل نے مجھے بتایا کہ خلیج کے ہر ملک میں پاکستانی مزدور، فنی عملہ، استاد، ڈاکٹر آپ کو ملیں گے جہاں بھی مدد کی ضرورت ہوتی ہے ہم وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمیں ان علاقوں میں تھوڑا بہت فوجی اثر و رسوخ بھی حاصل ہے۔ بقول نامہ نگار جنرل ضیاء بہت انکساری سے کام لے رہے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ خلیج کے تمام ملکوں میں بالخصوص اومان میں پاکستان کے فوجی مشیر کلیدی آسامیوں پر فائز ہیں اور یاد رہنا چاہیئے کہ اومان آبنائے ہرمز کے دہانے پر واقع ہے اور خلیج میں داخل ہونے کا ایک ہی راستہ ہے۔"

مغرب کا کوئی اخبار نہیں جس نے یہ تسلیم نہیں کیا کہ امریکہ اور مغربی ممالک کا براہ راست افغانستان کے اندر انقلاب کو ناکام بنانے کی جو کارروائیاں ہو رہی ہیں اور جو مسلح جدوجہد کی جا رہی ہے اس میں یہ مغرب اور امریکہ ملوث ہیں۔ لیکن اس کے باوجود جماعت اسلامی اور افغان باغیوں کے بعض راہنما اس امر سے انکار کرتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں لاہور کے روزنامہ جنگ انقلاب مخالف عناصر کے دو لیڈروں پروفیسر ربانی اور گلبدین حکمت یار کو خاص طور پر جنگ فورم میں مدعو کیا اور اس میں انہوں نے مختلف سوالوں کے جواب میں با وضاحت اپنا موقف بیان کیا لیکن ہر سوال کے جواب میں انہوں نے کمال اصرار کے ساتھ امریکی امداد اور ان سے ہتھیاروں کی امداد سے انکار کیا۔ حالانکہ اس مسلسل انکار سے چند روز ہی پہلے امریکہ کے مشہور اخبار واشنگٹن پوسٹ نے اپنی ۱۴ جنوری ۱۹۸۵ء کی اشاعت میں لکھا تھا۔

"امریکہ کی خفیہ ایجنسی سی۔ آئی۔ اے افغانستان کے باغیوں کو جو افغانستان کے اندر سوویت حملہ آوروں کے خلاف امداد دے رکھی ہے اس کی تعداد اور مقدار ان تمام خفیہ امدادوں سے کہیں زیادہ ہے جو آج تک سی۔ آئی۔ اے مختلف "باغیوں" کو پہنچاتی رہی ہے۔ حتیٰ کہ یہ امداد ویت نام کی امریکی امداد سے بھی زیادہ ہے چنانچہ ٹیکساس کے نمائندے چارلس ولسن کے اصرار پر امریکی کانگرس نے صدر ریگن کی طرف سے افغان باغیوں کو اسلحہ کی فراہمی پہنچانے کے لئے جتنی امدادی رقم کا مطالبہ کیا تھا اس میں اب تین گناہ اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اب اس سال ۱۹۸۵ء کے لئے افغان باغیوں کو امریکہ کی جو امداد ملے گی اس کی رقم ۲۵۰ ملین ڈالر ہو گی یعنی دو ارب ۵۰ کروڑ ڈالر ہو گی صرف یہی نہیں بلکہ اس رقم کے علاوہ جو مجموعی امداد جس میں اسلحہ وغیرہ شامل ہے وہ سب ملا کر یہ رقم ۵ سو ملین ڈالر تک پہنچ جائے گی اور یہ بھی بحث جاری ہے کہ آئندہ سال باغیوں کو مزید امداد دی جائے اور مجموعی طور پر ۳ سو ملین ڈالر کی رقوم اور اسلحہ مہیا کیا جائے اسی واشنگٹن پوسٹ کے مطابق یہ افغان کارروائی اور جس طریقے سے یہ کارروائی پھیلتی جا رہی ہے اس کی وجہ سے یہ پوری کارروائیاں اب امریکی انتظامیہ، خود سی۔ آئی۔ اے اور کانگرس کے اندر زبردست طریقے سے بحث کا موضوع بن رہی ہیں۔ ان اداروں کے بہت سے افسر جو اپنے کو ظاہر کرنے سے گریزاں ہیں ان

کارروائیوں کے پھیلاؤ اور توسیع پر تشویش کا اظہار کر رہے ہیں اور ان کو خدشہ ہے کہ
یہ کارروائیاں قابو سے باہر نہ ہو جائیں اور افغانستان کے اندر سوویت فوجوں کو
بڑے پیمانے پر کارروائی پر مجبور نہ کر دے۔ لیکن اس نقطۂ نظر کے مقابلے میں
ولسن اور کانگریس کے اندر جو افغان باغیوں کو امداد دینے کے حامی ہیں وہ واویلا
مچا رہے ہیں کہ امریکہ ان باغیوں کی پوری طرح امداد نہیں کر رہا اور ان کو پورا اسلحہ
نہیں مل رہا جو مل بھی رہا ہے وہ بھی پرانا اور دقیانوسی ہے۔ چنانچہ یہ حلقے آواز کر رہے
کہ باغیوں کو زمین سے ہوا تک مار کرنے والے میزائل بھی مہیا کئے جائیں لیکن تا حال معلوم
ہوا ہے سی۔ آئی۔ اے نے اس تجویز کو رد کر دیا ہے لیکن سب سے زیادہ تنازعہ
اینٹی ایئر کرافٹ گنوں کے مہیا کرنے سے اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ کیونکہ ولسن نے سی۔ آئی۔ اے
کے لئے ان طیارے گرانے والی توپوں کے مہیا کرنے کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کا
انتظام کر لیا ہے چنانچہ اس اقدام سے دوسرے حلقے پریشان ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ
اس سے صورتحال کے بگڑنے کا احتمال بڑھ گیا ہے چنانچہ اس موجودہ صورت حال کے آخر
تک امریکہ ۲ لاکھ سے ۳ لاکھ ہمہ وقتی باغیوں کو ہتھیار، ادویات، کپڑے، خوراک
اور سرمایہ فراہم کرتا ہے جو سوویت یونین کی ایک لاکھ دس ہزار فوج سے نبرد آزما
ہوں گے اور اس طرح سے خفیہ ایجنسیوں کی رپورٹوں کے مطابق موجودہ وقتوں کا سب
سے خون آشام معرکے وجود میں آنے کے شدید خدشات ہیں۔

واشنگٹن پوسٹ کے خفیہ ایجنسی کے افسر کے ردعمل کو اس کے اپنے الفاظ میں بیان
کرتا ہے۔ "یہ ایسا پروگرام ہے جو پھٹنے کے قریب ہے اور یہ ایک ایسے خطے میں پھٹنے والا
ہے جہاں زبردست کش مکش پائی جاتی ہے اور اب پوری کش مکش وسطی امریکہ تک
منتقل ہو رہی ہے۔" لیکن اس توسیع اور پھیلاؤ کے مخالفین کے ایک نمائندے کا کہنا
"میں ویت نام سے کچھ سبق حاصل کرنا چاہتا تھا کہ پسماندہ لوگوں کو جب ضرورت سے
زیادہ جدید ترین ٹیکنالوجی سے روشناس کرایا جاتا ہے تو اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں"
ایک خفیہ ایجنسی کے دوسرے افسر کے مطابق۔ "ہم اس پروگرام کو کامیابی سے قتل کر
ڈالیں گے"، واشنگٹن پوسٹ نے اپنی اسی رپورٹ میں یہ بھی لکھا ہے کہ حملہ آور سوویت
فوجوں کی زیادتیوں، مظالم اور انسانی حقوق کی پامالی کی جہاں سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں
لیکن ساتھ ہی اب امریکی حکومت نے ان رپورٹوں کو بھی صحیح تسلیم کر لیا ہے اور انکی
تصدیق کر دی ہے کہ باغیوں نے جنہیں امریکی امداد حاصل ہے نے سوویت فوجیوں کو جبراً انجکشنات
اور زہریلی ادویات دیں، ان پر بے پناہ مظالم توڑے اور تقریباً پچاس سے ۲ صد

سوویت فوجیوں کو پنجروں میں حیوانوں کی طرح بند کر رکھا۔ یہی نہیں بلکہ امریکی کانگرس کے حلقوں کا کہنا ہے کہ ان باغیوں نے کئی ایک فوجیوں اور سوویت انتظامی مشیروں کو قتل بھی کیا ہے لیکن امریکی اینٹی جنس کے افروں کا موقف ہے کہ وہ ان حالات میں باغیوں کو قابو میں نہیں رکھ سکے کیونکہ عملاً وہ باغیوں کی مسلح جدوجہد کی کمان ہی نہیں کر سکتے اس لئے ان کو براہ راست قتل و غارت کا کوئی علم ہی نہیں ہے۔ واشنگٹن یونٹ کے اس تفصیلی رپورٹ جس کو اور نے مرتب کیا ہے میں مزید لکھا ہے کہ سی۔آئی۔اے کو افغانستان میں باغیوں کی رقوم میں معتدبہ اضافے کی ابتداء ۸۳ء کے آخری مہینوں سے شروع ہوئی جب ولسن کی خفیہ ترمیم کے ذریعے محکمہ دفاع کے بجٹ سے ۴۰ ملین ڈالر کی رقم افغان باغیوں کے لئے سی آئی اے کے نام منتقل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس رقم سے فضا میں طیاروں کو مار گرانے والی توپوں کی خریداری اور باغیوں کو ان کی ترسیل بھی مقصود تھی۔ اس کے علاوہ ولسن کے ہی اصرار پر مزید ۵۰ ملین ڈالر مزید ہتھیاروں اور دوسری اشیاء کے لئے سی۔آئی۔اے کو منتقل کئے گئے۔ مزید برآں امریکی سینٹ کی اینٹی جنس کمیٹی کے بجٹ اور سب کمیٹی کے صدر نے بالآخر سی آئی اے کے لئے افغان باغیوں کی امداد کے لئے سالانہ رقم میں ہی ۲۵۰ ملین ڈالر کی سالانہ رقم مختص کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ اب ۱۹۸۵ء کے سال کے لئے سی آئی اے افغان باغیوں کی امداد کے لئے اڑھائی سو ملین ڈالر خرچ کرے گی لیکن باوثوق ذرائع کا کہنا ہے کہ ۱۹۸۵ء میں باغیوں کو اڑھائی سو ملین ڈالر سے بھی زیادہ کی امداد حاصل ہو سکے گی۔ اور یہ رقم کوئی ۲۸۰ ملین ڈالر تک جا پہنچے گی کیونکہ پچھلے سال کی امدادی رقوم میں سے بچی ہوئی رقم جو اس سال استعمال ہو سکے گی۔

اس رپورٹ کے مطابق کانگرس کے اس بااثر نمائندے ولسن جس کی کوششوں اور اصرار سے سی آئی اے کو افغان باغیوں کی امداد کے لئے رقوم میں معتدبہ اضافہ ہوا وہ اب تک پانچ دفعہ پاکستان اور مہاجرین کے کیمپوں کا دورہ کر چکا ہے۔ اس کے ایک ساتھی جو بیرونی امداد دینے والی کانگرس کی سب کمیٹی کا طویل مدت تک صدر رہا ہے اور اب پچھلے سال نومبر میں اس کو شکست ہو گئی ہے اپنے دورہ پاکستان جو ۱۹۸۳ء میں کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ ان کو ایسے ہتھیار مطلوب ہیں جو روسی ہیلی کاپٹروں کو مار گرائیں اور ان کو فضا میں مار کرنے والی توپوں کی بھی ضرورت ہے کیونکہ اس وقت باغیوں کے پاس صرف سٹین گنیں ہیں جو ہیلی کاپٹروں کو نقصان

ضرور پہنچا سکتی ہیں لیکن ان کو گرا نہیں سکتیں ‏ کے مطابق جنرل ضیاء نے تجویز کی
کہ فضا میں مار کرنے والی توپ اگر امریکی نام سے ہوگی تو سوویت یونین کے لئے اس کے
بارے میں جان لینا خاص آسان نہ ہوگا۔ اور پاکستان اس میں ملوث ہو جائے گا اس لئے
یہ توپیں کسی دوسرے ملک کی ساختہ ہونی چاہئیں۔ ویسے جنرل ضیاء اس امر کے لئے بھی
تیار تھے کہ اگر ان کو ملوث کر بھی لیا گیا تو اس کے نتائج وہ برداشت کر لیں گے۔

یہ تفصیلی رپورٹ میں نے واشنگٹن پوسٹ سے اس لئے پیش کی ہے کہ اولاً یہ تازہ
ترین رپورٹ ہے جو جنوری ۱۹۸۵ء کے وسط میں شائع ہوئی ہے اور جس کا بہت سا
حصہ خود "نوائے وقت" نے ۲۵ جنوری ۸۵ء کی اشاعت میں نقل بھی کیا ہے۔ دوم
اس سے اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہتی کہ امریکہ براہ راست اس "افغان جہاد" میں ملوث
نہیں ہے بلکہ ایک حد تک یہ بیضای جہاد ہے جو امریکہ کی طرف سے یہ نام نہاد
مہاجرین لڑ رہے ہیں۔

انقلاب افغانستان اور امریکہ اور سوویت یونین

یہ تھا افغانستان کی موجودہ صورت حال کا ایک پہلو لیکن اس پورے مسئلے کو سمجھنے کے لئے ہمیں دو مزید سوالوں کا جواب
ڈھونڈنا ہوگا۔

اس وقت عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ سوویت یونین نے افغانستان میں اپنی
فوجیں ۱۹۷۹ء دسمبر میں روانہ کر دیں اس لئے اس کے بعد سے امریکی مداخلت کے دروازے
کھل گئے اور ہمارے یہاں کے دانشور اٹھتے بیٹھتے یہی کہتے سنائی دیتے ہیں کہ افغانستان
کے مسئلہ نے ہماری جمہوریت کی جنگ کی راہ میں مشکلات پیدا کر دی ہیں اور جنرل ضیاء الحق
کی خصوصی فوجی آمریت کو اسی افغانستان کے مسئلہ کی وجہ سے ہی امریکہ کی پشت پناہی حاصل
ہو گئی ہے۔ ان دانشوروں کے اس مؤقف کا اگر ذرا تجزیہ کیا جائے تو ایسا معلوم ہوگا
جیسے وہ کہہ رہے ہیں کہ افغانستان میں انقلاب رونما نہیں ہونا چاہئے تھا کیونکہ اس انقلاب
کی وجہ سے امریکہ اس علاقے میں سرگرم عمل ہو گیا ہے اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے
اس نے جنرل ضیاء کی فوجی حکومت کی پشت پناہی شروع کر دی ہے اس پورے مؤقف
کا مطلب یہ نکلتا ہے جیسے سوویت یونین کی افغانستان میں آمد سے پہلے امریکہ کو اس خطے
سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی اور افغانستان اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ ان دانشوروں
کو صرف دونوں حقائق ہی سامنے رکھنے چاہئیں اگر امریکہ کو اس خطے سے دلچسپی نہ تھی تو
پھر سالہا سال تک ہم سینٹو اور سیٹو کے کمیونسٹ دشمن فوجی معاہدوں میں پابہ زنجیر

کرنے سے کیا مقصود تھا، پشاور کے قریب امریکہ کو اپنا اڈہ تعمیر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔
یہی وہ اڈا تھا جہاں سے بدنام عالم جاسوسی طیارہ 2-U نے پرواز کی تھی اور اس کو
سوویت یونین نے اپنے علاقہ پر پرواز کے دوران نیچے اترنے پر مجبور کر دیا تھا اور
اس کے پائلٹ کو گرفتار کر لیا تھا، اور اس پائلٹ نے تسلیم کیا تھا کہ وہ جاسوسی کے مقصد
کے لئے یہ پرواز کر رہا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ ۱۹۵۳ء میں بھارتی کشمیر میں شیخ عبداللہ
کی حکومت کو اقتدار سے کیوں ہٹایا گیا اور ان کو سالہا سال تک کیوں پابند سلاسل رکھا
گیا یہی وہ زمانہ تھا جب ایک جموں کشمیر کی آزاد ریاست کا نعرہ سننے میں آنے لگا تھا
یہ تمام حقائق ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیاں تھیں، دراصل مقصد سوویت یونین کے
خلاف گھیرا ڈالنا اور اس کے سرحدی علاقوں پر فوجی اڈوں کا قیام ضروری سمجھا جا رہا تھا
کیونکہ اس وقت تک اسلحہ کی ٹیکنالوجی میں ایٹم بم کے علاوہ کوئی بڑا انقلاب رونما نہیں
ہوا تھا نہ ہی دور مار یا بین البراعظمی میزائل ہی ایجاد ہوئی تھیں، اس لئے جیسے یورپ
میں نیٹو کا معاہدہ ضروری تھا اور ان ممالک میں امریکی فوجوں کا قیام ضروری تھا ویسے
سوویت یونین کے جنوبی ر[illegible]ل پر واقع ممالک کو بھی اپنے مقاصد کے لئے استعمال
ایک اہم ضرورت بن گئی [illegible] اس ضرورت کی بنیاد پر امریکہ کی افغانستان میں دلچسپی
کی تاریخ کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد اس روئے زمین کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔
۶ برس اس طویل عالمی جنگ نے ایک طرف سوویت یونین کو د[illegible] نقشے پر ایک
ایسے ملک کے طور پر ابھرنے کا موقع دیا جس کو جہاں زنگ و بو کی تقدیر کے فیصلوں
سے الگ رکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔ پہلی بار ایک سوشلسٹ ملک کو اس قدر اہمیت
[illegible] حاصل ہوئی دوسرے اس جنگ کے خاتمے نے ایک طرف مشرقی یورپ
میں سوویت یونین کی مدد سے کمیونسٹ طاقتوں کو زبردست امداد و تائید ملی جس سے
ان ممالک میں بائیں بازو کی جمہوری حکومتیں وجود میں آنے لگیں، تیرے غلام ممالک اور
سامراجی مقبوضات میں آزادی کی تحریکوں کو زبردست تقویت حاصل ہوئی، چوتھے برطانوی
جرمن، اطالوی، ڈچ، پرتگیزی غرضیکہ کے تمام سامراج جو جنگ میں براہ راست ملوث
تھے وہ اپنا اثر و رسوخ قائم نہ رکھ سکے اور ایک ایک کر کے مقبوضات ان کے ہاتھ
سے نکلنے لگے یہ صورت حال جس میں امریکی سامراج کو یہ سامراجی خلا پُر کرنے کا موقع ملا
کیونکہ اس جنگ نے اس کو بے حد مالدار اور جاندار بنا دیا تھا کیونکہ وہ بہت حد تک اس
جنگ سے دور رہا تھا۔ اور صرف اسلحہ کی تیاری سے اس نے اپنی تجوریاں بھری تھیں چنانچہ

جب ۱۹۴۷ء میں برصغیر، برما اور لنکا آزاد ہوئے اور اس خلا کو پُر کرنے کے لئے امریکہ آگے بڑھا اور
تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ امریکہ جنگ کے دوران میں ہی برطانوی سامراج کو اس خطے میں پس پشت
ڈال کر خود اس کی جگہ لینے کے لئے زبردست ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ ایسے حالات میں افغانستان
کی امریکہ کے لئے زبردست اہمیت تھی کیونکہ یہ سوویت یونین کی جنوبی سرحدوں پر واقع
تھا۔ اس لئے امریکہ کی زبردست خواہش تھی کہ افغانستان اپنی غیر جانبداری ترک کر دے
اور امریکہ کے مجوزہ فوجی معاہدوں میں شریک ہو کر اس کو فوجی اڈے مہیا کر دے چنانچہ
ان ضرورتوں اور خواہشوں کا امریکہ اور مغرب کی طرف سے برملا اظہار ہونے لگا چنانچہ
۱۹۵۰ء میں رسالہ
نے اس امر کا اظہار کیا تھا کہ اس خطے میں امریکہ
کے لئے افغانستان کی سب سے بڑی اہمیت ہی یہ ہے کہ اس سرزمین کو سوویت یونین
پر حملے کے لئے آسانی سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ۱۹۴۹ء میں برطانیہ کے جریدے
نے تسلیم کیا کہ افغانستان کو تاریخ کے اس دور
میں اہمیت حاصل ہو گئی جو یورپ میں آٹرو کرمیسن کی سرحدوں پر واقع ممالک کو
حاصل ہے یکم جون ۱۹۵۵ء کو نیویارک ہیرلڈ ٹریبیون نے لکھا تھا کہ دنیا کے کم علاقے
آج امریکی فوج کے لئے اتنے پرکشش ہیں جتنا کہ افغانستان کا خطہ چنانچہ امریکہ نے
افغان معیشت کو اپنے زیر اثر لانے کا کام اس صدی کی پانچویں دہائی کے آخری سالوں
میں ہی شروع کر دیا تھا اور یہی وہ زمانہ تھا جب ایک امریکی تجارتی کمپنی
نے افغانستان کے اندر مختلف منصوبوں کی تکمیل کا ٹھیکہ حاصل کیا لیکن اپنے
معاہدے کی پابندی نہ کی اور افغانستان کا زر کثیر خرچ کروا کے ایک طویل عرصے ان منصوبوں
کو معرض التوا میں ڈالے رکھا مقصد یہی تھا کہ افغانستان کو مالی طور پر اتنا زیر بار کر دیا
جائے کہ اس کے لئے امریکی فوجی معاہدوں اور امداد کی زنجیروں میں پھنسنے کے سوا کوئی
چارہ نہ رہے چنانچہ افغانی جریدہ "انیس" کو ۱۹۶۳ء میں لکھنا پڑا کہ امریکیوں کو افغانستان کے
منصوبوں سے زیادہ اپنی کوٹھیاں اور بنگلے تعمیر کرنے میں دلچسپی ہے۔ اس تمام تاخیر کا نتیجہ
یہ ہوا کہ وادی ہلمند کی زرعی پیداوار پچھلے بارہ برس میں سال بہ سال کم ہوتی رہی اس کے بعد
جب امریکی "امداد" کا مسئلہ اٹھا نیز امریکی قرضوں کا تو اس پر سب سے اہم شرط یہ عائد کی گئی کہ
سوویت یونین کے ساتھ تجارت معتدبہ کمی کر دی جائے چنانچہ امریکہ کے کامرس سیکرٹری
نے جنوری ۱۹۵۲ء میں کانگرس کے روبرو تسلیم کیا تھا کہ امریکہ نے ۱۹۵۱ء میں افغانستان
پر واضح کر دیا تھا کہ حالیہ منظور شدہ قانون کے تحت جب تک افغانستان سوویت یونین
اور مشرقی یورپ کے ممالک سے تجارت میں کمی نہیں کرتا اس وقت امریکہ افغانستان

کی کچھ مدد نہیں کر سکتا۔ اس امریکی قرضوں اور امداد کے ذریعے امریکی جاسوس اور سی آئی اے کے کارندے افغانستان کے شمالی علاقے جو روس کے وسطی ایشیائی جمہوریتوں سے ملحق تھے وہاں پہنچنا شروع ہو گئے۔ اس جاسوسی کارروائیوں نے سوویت یونین کو احتجاج پر مجبور کیا چنانچہ اگست ۱۹۵۲ء میں سوویت یونین نے افغانستان کو ایک احتجاجی مراسلہ بھیجا کہ نیٹو معاہدہ کے ممالک کے فنی مشیروں کو افغانستان کے شمالی علاقوں میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔ چنانچہ افغانستان کی حکومت نے ۱۹۵۲ء میں اپنے شمالی علاقوں میں مغربی ممالک کے فنی مشیروں کے داخلے پر پابندی عائد کر دی۔

اسی زمانے میں افغانستان پر مزید دباؤ ڈالنے کے لئے پاکستان اور افغانستان کے تعلقات میں کشیدگی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی کیونکہ افغانستان کی زیادہ تر درآمدی اور برآمدی تجارت پاکستان کی بندرگاہ کراچی سے ہوتی تھی۔ اس کے بعد ۱۹۵۵ء میں افغانستان نے سوویت یونین سے تجارت کی مراعات حاصل کر لیں چنانچہ جب امریکہ اور پاکستان کے تعلقات استوار ہو رہے تھے اور امریکی اسلحہ اور فوجی امداد پاکستان کو حاصل ہونے لگی تھی تو اس زمانے میں ہی افغانستان کے جریدے "انیس" ۹ دسمبر ۱۹۵۳ء کی اشاعت میں لکھا تھا "پاکستان اگر امریکہ کو فوجی اڈے مہیا کر کے اسلحہ حاصل کرتا ہے تو یہ اقدام اس خطے کے تحفظ اور پورے مشرق وسطیٰ کے امن کے لئے مہلک ثابت ہو گا۔" یہی نہیں بلکہ ۱۹۶۰ء کی فروری میں افغانستان کے وزیر خارجہ نے برملا کہا تھا "امریکی امداد کے ساتھ شرائط وابستہ ہیں مثال کے طور پر امریکہ ہمیں فوجی بلاک میں شریک کرنا چاہتا ہے لیکن یہ شرائط ہمیں منظور نہیں۔ افغانستان کی حکومت غیر جانبداری اور نارنگی کی پالیسی پر قائم ہے۔" اب ان حالات میں اگر افغانستان میں ایک ایسا انقلاب برپا ہو جائے جو پورے سماجی ڈھانچے کو بدل کر رکھ دے ظاہر ہے اس پر مغربی اور امریکی سامراج کیسے خوش ہو سکتے ہیں اور اس انقلاب کی کامیابی کو آنکھیں بند کر کے کیسے قبول کر سکتے تھے۔ لیکن اس صورت حال کو ذرا تاریخی پس منظر میں بیان کر دوں تو یہ عام مخالفت اور انقلاب کی تحریک ذرا واضح ہو جائے گی۔

انقلاب افغانستان کا پس منظر

میں پچھلے صفحات میں تفصیل سے روشنی ڈال آیا ہوں کہ کیسے شاہ امان اللہ نے کیسے سیاسی آزادی کے لئے سب سے پہلے جدوجہد کی اور اس جدوجہد میں کس طرح سوویت یونین کے انقلابی رہنماؤں نے ان کی اعانت کی اور پھر امیر امان اللہ ہی تھے جنہوں نے افغانستان کو ایک جدید ریاست کے دور میں داخل کرنے کی کوشش کی ان تمام اقدام نے برطانوی

سامراج کو بوکھلا دیا۔ وہ تمام ہندوستان کی شمالی سرحدوں پر ایک جدید قسم کی آزاد ریاست
جو سوویت یونین کی حامی کو قبول نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس کا تختہ الٹ دیا گیا اور اس کے
بعد تقریباً ۲۰ سال تک افغانستان کی نادر شاہی خاندان کے جبر تلے پستا رہا تا آنکہ ۱۹۴۷ء میں
جب برصغیر کو سیاسی آزادی ملی تو افغانستان میں بھی بیداری کی لہر نمایاں ہونے لگی اور
افغانستان کے تعلیم یافتہ اور ترقی پسند نوجوانوں و کھے زلمیان یعنی "بیدار نوجوانوں
[illegible] آئی
جس میں تقریباً ۵۰ اراکین جو بائیں نظریات کے حامل تھے منتخب ہوئے افغانستان کو
پارلیمانی آزاد خیالی کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ جو بہت حد تک آزادانہ انتخاب کے نتیجہ میں وجود
میں آیا تھا لیکن جلد ہی رجعت پسندوں نے اس تجربے کا گلا گھونٹ دیا کیونکہ اس تجربے
سے بادشاہت اور پرانے سماجی ڈھانچوں کو خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور ۱۹۵۲ء کے انتخابات
سے پہلے ہی تمام ترقی پسند اور آزاد خیال عناصر کو گرفتار کر لیا گیا اور ان عناصر کے اخبارات
بھی بند کر دیئے گئے [illegible]
[illegible] ریمانی روایت سے کوئی دلچسپی نہ تھی چنانچہ داؤد نے دس سال تک بلا شرکت غیرے
افغانستان پر حکومت کی اس دور میں افغانستان نے تھوڑی بہت اقتصادی ترقی کی۔
لیکن سیاسی عمل کے فقدان نے نوجوان نسل کو مضطرب کر دیا چنانچہ جب ۱۹۶۳ء میں
محلاتی اختلافات کی بناء پر داؤد کو مستعفی ہونا پڑا تو پارلیمانی اصلاحات اور انتخابات
کی تحریک یکدم زور پکڑ گئی۔ چنانچہ ۱۹۶۴ء میں ایک آئین تیار ہوا جس سے نوجوان نسل کی
خواہشات کی تشفی کی اس کے نتیجے میں ۱۹۶۵ء اور ۱۹۶۹ء میں دو بار انتخابات عمل میں آئے
لیکن آئین کے تحت سیاسی پارٹیوں کے قیام کی دفعہ پر عملدرآمد کھٹائی میں پڑا رہا۔
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس آئین سے بھی نوجوان برگشتہ ہونے لگے بلکہ عام افغان باشندے
کا بھی چونکہ سیاسی اقتدار میں کوئی حصہ نہ تھا اس لئے وہ بھی عدم اطمینان کا اظہار کرنے
لگا۔ چنانچہ یہ مایوسی اور عدم اطمینان کی فضا تھی جس میں داؤد نے کمیونسٹوں کی خفیہ تنظیم
"خلق" کے تعاون سے دوبارہ اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ یہ افغان فوج کا پہلا سیاسی عمل تھا
اور اس میں پیش پیش وہ فوجی عناصر تھے جو مارکسزم انقلابی نظریات سے متاثر تھے اور ان کی ہمدردیاں
خلق پارٹی کے ساتھ تھیں۔ چنانچہ داؤد نے برسر اقتدار آ کر بہت سے مارکسسٹوں کو انتظامی
ذمہ داریاں بھی سونپیں۔ لیکن داؤد کے ان اقدام نے امریکہ اور مغرب کو خاصا پریشان کیا
چنانچہ یہ وہ زمانہ ہے جب پاکستان اور افغانستان کے تعلقات بہت کشیدہ تھے نیپ
کے خلاف اقدام نے داؤد کو اور بھی مشتعل کر دیا چنانچہ ایک طرف اجمل خٹک جو نیپ

کے جنرل سیکرٹری تھے۔ ان کو افغانستان میں پناہ لینی پڑی اور دوسری طرف بھٹو نے داؤد کے اقدام کا ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لئے پاکستان میں مدعو کیا۔ چنانچہ آج کے بہت سے لیڈر اسی زمانے میں ہی پاکستان آئے تھے۔ حکمت یار گلبدین خود تسلیم کرتا ہے کہ وہ ۱۹۷۴ء سے ہی پاکستان میں ہے۔

داؤد جو خلق پارٹی کے حامی فوجیوں کی مدد سے برسراقتدار آیا۔ بالآخر اس نے شہنشاہ ایران سے مالی امداد پر مارکسسٹوں سے نجات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا اور باقاعدہ ایرانی خفیہ پولیس "ساوک" کی امداد حاصل کی گئی تاکہ ترقی پسند عناصر کی نشاندہی کی جا سکے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ "خود ترکی" کو گرفتار کر لیا گیا اور بہت سے دوسرے کمیونسٹوں پر حملہ کیا گیا۔ چنانچہ اس وقت خلق نے فیصلہ کیا کہ اب اس کے فوجی دستوں کو حرکت میں آنا چاہیئے چنانچہ ۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء کو فوج نے اقتدار پر قبضہ کر لیا لیکن یہ پہلا فوجی عمل تھا جس نے اقتدار پر قبضہ کر کے ایک سیاسی جماعت کے سپرد کر دیا۔ اور خود اس کی بالادستی تسلیم کر لی۔

اس لئے جیسے ہی خلق پارٹی نے اقتدار سنبھالا اسی وقت سے امریکی اور مغرب نواز حلقے سرگرم عمل ہو گئے۔ اس انقلاب کے بعد خود امریکی حلقوں کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اس انقلاب میں سوویت یونین کا کوئی ہاتھ نہیں۔ یہ درست ہے کہ انقلاب کے رہنما کمیونسٹ خیالات کے تھے اس طرح وہ سوویت یونین اور پوری کمیونسٹ دنیا کے دوست تھے یہ ایک بین الاقوامی رشتہ ہے جس سے کوئی بھی انقلابی کبھی بھی انکار نہیں کرتا چنانچہ جب امریکہ اور مغرب کی مداخلت ناقابل برداشت ہونے لگی تو سوویت یونین کے لئے اپنی بین الاقوامی دوستی کے ناطے سے افغانستان کی مدد کو آنا ایک ایسی ذمہ داری تھی جس سے مفر اسکے لئے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ سوویت یونین اس بین الاقوامی فریضے کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ وہ ڈنکے کی چوٹ اس امر کا اعلان کرتا ہے اور اپنے رویوں کو کسی طرح پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ چنانچہ سوویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی پچیسویں کانگرس جو ۱۹۷۶ء میں منعقد ہوئی تھی اس میں کمیونسٹ پارٹی کے قائد اور پارٹی کے سیکرٹری جنرل لیونڈ برژنیف نے اپنی رپورٹ میں واشگاف الفاظ میں کہا تھا۔

"ترقی پذیر ممالک کے اندر جاری وساری پیچیدہ سلسلہ ہائے عمل کی جانب سوویت یونین کا رویہ بالکل واضح اور قطعی ہے سوویت یونین دوسرے ممالک اور قوموں کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرتا۔ یہ ہماری آئینی خارجہ پالیسی کا

کا ایک مستقل اصول ہے کہ ہر قوم، ہر ملک کے اس مقدس حق کا احترام کیا جائے کہ وہ اپنی راہ ترقی کا خود انتخاب کرے لیکن ہم اپنے نظریات کو چھپاتے نہیں ہیں، ہر جگہ کی طرح ترقی پذیر ممالک میں بھی ہم ترقی، جمہوریت، اور قومی آزادی کی طاقتوں کے ساتھ ہیں اور انہیں شامل جد وجہد دوست اور رفیق سمجھتے ہیں جو ہماری پارٹی ان قوموں کی حمایت کرتی ہے - اور کرتی رہے گی۔

اپنی آزادی کے لئے لڑ رہی ہیں۔ ایسا کرنے میں سوویت یونین فوائد کی تلاش نہیں کرتا، یا فوجی اڈے قائم نہیں کرتا۔ ہم اپنے انقلابی ضمیر کے مطابق اپنے کمیونسٹ اعتقادات اور ایقانات کے مطابق کام کرتے ہیں۔"

اور انقلاب افغانستان کو دشمنوں کی یلغار سے محفوظ و مامون رکھنے کے لئے سوویت یونین اپنے انہی اعتقادات کے مطابق، ۲ دسمبر ۱۹۷۹ کو اپنی فوجوں کو انقلاب کی حفاظت کیلئے روانہ کیا تھا بالکل اسی طرح جیسے کیوبا کے انقلاب کی حفاظت کے لئے سوویت یونین

انقلاب نے وہاں میزائل نصب کئے تھے اور جیسے ہی اس کو امریکی صدر کینیڈی نے ضمانت دے دی کہ کیوبا کے انقلاب کو ناکام بنانے کے لئے فوجی مداخلت نہیں کی جائے گی کہ سوویت یونین نے میزائل واپس بلا لئے۔ اسی طرح اگر آج امریکہ اور اس کے حامی افغانستان میں عدم مداخلت کی ضمانت دے دیں تو سوویت یونین اپنی فوجیں واپس بلالے گا۔ اب یہ امر کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ ضمانتوں کے لئے پاکستان نے رضامندی ظاہر کر دی تھی لیکن بالآخر امریکہ نے عدم مداخلت کی ضمانت دینے سے انکار کر دیا تھا اور افغانستان کا مسئلہ جوں کا توں رہا اور خود پاکستان کو اپنے معاہدے سے منحرف ہونا پڑا اس طرح ہم آج بھی افغانستان کے مسئلے میں ایک زبردست عالمی محاذ آرائی میں ملوث چلے آرہے ہیں یہ ایک ایسی محاذ آرائی ہے جس کے نتائج کے متعلق کوئی بھی پیش گوئی نہیں کر سکتا۔

انقلاب افغانستان۔ اور افغان کمیونسٹوں کی غلطیاں

انقلاب ایک نہایت ہی پیچیدہ اور گنجلک عمل ہے اور پسماندہ ممالک میں جہاں صنعتی انقلاب بھی برپا نہیں ہوا۔ مزدور طبقے نے بھی جنم نہیں لیا اور پورا معاشرہ ابھی قبائلی اور جاگیرداری دور سے گزر رہا ہو ایسے ممالک میں انقلاب اور وہ بھی مارکسی اور لینینی انقلاب جیسا سائنسی انقلاب اور بھی جان لیوا ہوتا ہے کیونکہ ایسے انقلاب میں طبقات کے توازن

کو صحیح صحیح ملحوظ رکھنا اور اس کے مطابق آگے بڑھنا یعنی جیسے جیسے انقلاب کے حامی طبقات میں اضافہ ہوا اسی کے مطابق انقلابی پالیسیوں کو آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔

اب افغانستان کے کمیونسٹوں نے جب اقتدار سنبھالا اور اس اقتدار کے ساتھ کچھ مخصوص پہلو تھے۔ اولاً یہ انقلاب ایک بڑے پیمانے پر عوامی انقلاب نہ تھا یعنی یہ انقلاب عوام کی خواہشوں کے مطابق ضرور تھا لیکن منظم عوام اس انقلاب کی پشت پر نہ تھے۔ کیونکہ عوام کو منظم کرنے کا موقع نہیں ہی ملا تھا۔ اس لئے یہ انقلاب فوج کے ذریعے عمل میں آیا اور اس کے مطابق خلق پارٹی نے اقتدار سنبھال لیا۔ اب اقتدار سنبھالنے کے بعد جو اعلان کئے گئے وہ ایک جمہوری اور اور قبائلی نظام اور جاگیر دارانہ نظام کے مخالف انقلاب کہا گیا۔ ایک ایسے ملک میں جہاں پر قبائلی روایات کے علاوہ تاریخ نے افغانستان کے عوام کے سر دکوئی اور ورثہ ہی نہیں کیا وہاں قبائلی نظام کو ختم کرنے کے لئے ایک مدت درکار ہوتی ہے۔ اسی طرح قبائلی نظام کے اپنے اثرات اور جاگیر داری نظام کا اپنا جبر ہوتا ہے جن کو مذہب اور مذہب کے اجارہ دار ملاؤں نے صدیوں سے تقدس بخش رکھا تھا اب ان سب اثرات کے خلاف جدوجہد ایک طویل اور صبر آزما عمل ہے اب ہوا کیا کہ اقتدار سنبھالتے ہی خلق پارٹی کے قائدین نے اصلاحات کے بارے میں احکام صادر کر دیئے۔ ان احکام کے صادر کرنے سے ان کا خیال تھا کہ عوام چشم زدن میں ان اصلاحات کے سحر سے متاثر ہو کر پارٹی اور انقلاب کی حمایت میں نکل کھڑے ہوں گے۔ لیکن وہ یہ بھول گئے کہ ان اصلاحات کی افادیت کو منوانے کے لئے عوام کو ان کی افادیت کا پورا پورا شعور عطا کرنا ہو گا اور اس شعور کے لئے پارٹی کے کارکنوں کو دن رات ایک کرنا کیونکہ بیچارے مزارعے پر تو قبائلی سردار اور جاگیر دار کا جو اثر ہے اس کی پشت پر صدیوں کا تسلسل ہے۔ مذہب نے ان کے تقدس کو بھی جبر بخش رکھا ہے۔ تقدیر پرستی نے اس امر کو ہمیشہ کے لئے جائز قرار دے دیا ہوا ہے۔ نتیجہ کیا ہوا کہ بجائے اس کے یہ اصلاحات قبول ہوتیں قبائلی سرداروں، جاگیر داروں اور ان کے اجیر ملاؤں نے اودھم مچا دیا اور اسلام دشمن اور مذہب دشمن نعرے زبان زد عام ہونے لگے۔

اس فضا پر قابو پانے کے لئے زبردست محنت، کارکنوں کی تربیت اور پیار و محبت سے عوام کو سمجھانے، ملاؤں کو بھی ان کی زبان میں اصلاحات کی اہمیت بتانے کے لئے مسلسل جدوجہد کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کی تکمیل ایک متحد اور منظم پارٹی کی ضرورت تھی چونکہ خلق پارٹی کی اساس مزدور طبقے پر نہ تھی کیونکہ خود مزدور طبقہ افغانستان میں نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لئے یہاں پر پارٹی کا پورا بوجھ سرکاری ملازم اور پڑھے لکھے

اساتذہ جن کا تعلق بہت حد تک کھاتے پیتے گھرانوں سے تھا ان پر آن پڑا اور یہ کھاتے پیتے
گھرانوں کے نوجوان بالعموم خود پرست ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو عوام سے بالاتر اور عقل کل
سمجھتے ہیں جب وہ مارکسزم کی بھی بات کرتے ہیں تو اس میں بھی ان کی اپنی "انا" مارکسزم
سے زیادہ متحرک نظر آتی ہے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب افغان اوپری طبقوں نے
مزاحمت شروع کی اور سامراج نے ان کی پشت پناہی شروع کی تو بجائے اس کے خلق
پارٹی والے اس مزاحمت کا جواب عوامی تنظیم اور عوام کو متحرک کر کے دیتے خلق پارٹی والوں
نے خود ہی اپنے اندر ایک دوسرے کے خلاف رسہ کشی شروع کر دی اور وہی خود پرستی کا
اظہار ہونے لگا۔ کہ صرف میں ہی صورت حال پر قابو پا سکتا ہوں "جب" "میں" آجاتی ہے،
تو دوسرے رفقاء آنکھوں میں کھٹکنے لگتے ہیں اور پارٹی کے اندر گٹھ بندی جنم لینے لگتی ہے
چنانچہ یہی افغانستان کے اندر ہوا۔ اس کے بعد مزاحمت کا جواب تنظیم اور جمہوری
طریقوں کی بجائے تشدد اور جبر سے دیا جانے لگا یہ تھی صورتِ حال جب پہلے ببرک کارمل
اور اس کے گروہ حفیظ اللہ امین نے ترکی کے ساتھ مل کر ملک بدر کیا اور آہستہ آہستہ
تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر تشدد کا بازار گرم کر دیا۔

دراصل اس تشدد نے سامراج کے لئے راہیں کھول دیں اور قبائلی سرداروں، ملاؤں
اور جاگیرداروں کی بن آئی اور وہ عوام کو ورغلانے اور یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے
کہ کمیونسٹوں کا ظلم تم نے دیکھ لیا۔ اس صورت حال سے سی۔ آئی۔ اے نے پورا فائدہ
اٹھایا اور حفیظ اللہ امین کو ایسی پوزیشن میں لے آئے کہ وہ سی۔ آئی۔ اے کے ہاتھ میں
کھیلنے کیلئے تیار ہو جائے۔ چنانچہ جب ۱۹۷۹ء میں ہوانا میں ناوابستہ ممالک کی کانفرنس
منعقد ہوئی اور ترکی اس کانفرنس میں شرکت کے بعد ماسکو سے ہوتے ہوئے کابل پہنچے تو
ماسکو میں پارٹی کے رفقاء نے افغانستان ...... کی صورت حال کے بارے
میں اپنا تجزیہ پیش کیا اور ان کی غلطیوں کی نشاندہی کی چنانچہ جب ترکی واپس کابل پہنچے
اور بجائے اس کے کہ وہ پارٹی کو اپنی غلطیاں درست کرنے کے لئے رپورٹ پیش کرتا
حفیظ اللہ امین نے اس کو قتل کروا دیا اور خود تمام اختیارات سنبھال لئے۔ انقلاب افغانستان
کی تاریخ میں سب سے اہم موڑ تھا کیونکہ ترکی کے قتل کے بعد حفیظ اللہ امین جس
راستے پر سرپٹ دوڑنے لگا وہ رد انقلاب کا راستہ تھا۔ وہ سی۔ آئی۔ اے کا راستہ
تھا۔ وہ کٹھ ملاؤں کا راستہ تھا! کیونکہ زبانی انقلابی نعرے جو صورت حال سے لگا نہ
کھاتے ہوں ان کا انجام بالآخر بدترین قسم کے رجعت پسندی سے گٹھ جوڑ میں ہی

نکلتا ہے، عالمی سطح پر عوامی جمہوریہ چین کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ کہاں تو امریکی سامراج کو کاغذی شیر،، کے لقب سے نوازا جاتا تھا۔ کہاں امریکی سامراج سے گفتگو کرنے کو غداری سمجھا جاتا تھا۔ اور سوویت یونین کو اسی گفتگو کی بناء پر سوشل امپیریلزم "کے لقب سے نوازا جاتا رہا لیکن کہاں یہ انقلابی شعور اور شوری اور کہاں اسی امریکی سامراج کے دم چھلا بنتے چلے گئے، چلی کی فوجی آمریت کو خوش آمدید کہنے کے لئے چلی کے جمہوری صدر کے قاتلوں سے معانقہ کرنے میں کوئی شرم محسوس نہ کی گئی۔ اسی طرح پاکستان کے چین نواز بائیں بازو کے انقلابی ایک وقت میں قیوم خاں مرحوم جب بھٹو کے وزیر داخلہ تھے کے تنخواہ یافتہ ایجنٹ بن کر نیپ کی وزارت کے خلاف سرگرم ہونے میں کوئی قباحت اور شرم محسوس نہیں کرتے تھے سو ہمیشہ بائیں بازو کی ... طفلانہ انقلاب پرستی بالآخر ردِ انقلاب کے کیمپ میں لے جاتی ہے۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۷۹ء کے بعد یہی صورتحال افغانستان کے انقلاب کو درپیش تھی ماسکو پر عوامی جمہوری پارٹی کے پھر رفقاء نے اس پوری صورت حال کو بدلنے اور حفیظ اللہ امین کی مہلک پالیسیوں کی مزاحمت کا فیصلہ کیا اور اس نازک ترین حالات میں عوامی پارٹی کی اکثریت نے سوویت یونین کو امداد کے لئے للکارا۔ ویسے افغانستان کی جمہوریہ اور سوویت یونین کے مابین اس امر کا معاہدہ بھی تھا لیکن سوال قانونی اور وکیلانہ موشگافیوں کا ہی نہیں بلکہ اصل مسئلہ ایک سماجی تبدیلی کے عمل کو جس کو زبردستی بیرونی مداخلت کے بل پر تہس نہس کیا جا رہا ہو اس کو دشمنوں اور ردِ انقلاب کے حامیوں سے محفوظ رکھنے کا سوال تھا جس کا جواب سوویت یونین نے اپنی فوجوں کو افغانستان کے اندر داخل کر کے دیا۔ ویت نام میں اسلحہ بھیج کر یہی بین الاقوامی فریضہ ادا کیا گیا۔ انگولا میں کیوبا کے فوجیوں اور سوویت یونین کے اسلحہ سے ہی بین الاقوامی فریضہ ادا کیا گیا اور یہ آج نہیں جب سوویت یونین تن تنہا تھا۔ کوئی سوشلسٹ بلاک وجود میں بھی نہیں آیا تھا تو اس وقت بھی ۱۹۳۶ء میں سوویت یونین اور عالمی کمیونسٹ تحریک نے سپین کی جمہوریہ کے خلاف فرانکو کی بغاوت کی مزاحمت کی تھی اور اس ہسپانوی جمہوریہ کے لئے دیس دیس سے کمیونسٹ اور ترقی پسند شمشیر بدست پہنچے تھے۔ اس پورے دور کی جدوجہد کی تاریخ میں اگر قاری کو دلچسپی ہو تو اسے میری کتاب ،، داستانِ دار و رسن ،، پڑھنی چاہیئے۔

انقلاب افغانستان کی کامیابیاں اور کامرانیاں

میں نے جمہوری پارٹی اور اس کے قائدین سے اس انقلابی عمل کے دوران جو غلطیاں سرزد ہوئیں ان کی نشاندہی کردی ہے لیکن کون سے انقلابی عمل میں شریک پارٹیاں غلطیاں

سے گھبرا ہوتی ہے لیکن یہ جو کمیونسٹ پارٹیاں ہوتی ہیں ان کی ایک بنیادی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ اپنی کارکردگی کا مسلسل تجزیہ کرتی رہتی ہے اور اپنی غلطیوں سے آگاہ ہونے کیلئے کوشاں رہتی ہیں تاکہ ان کو درست کرکے صحیح راہ اختیار کرسکیں۔ اسی لیے لینن نے پارٹی کو انقلابی محنت کشوں کا ہراول دستہ کہا تھا۔ چنانچہ اسی ہراول دستہ نے ہی یہ محسوس کیا حفیظ اللہ امین کی پالیسیوں نے ہی اس کو براہ راست سی۔ آئی۔ اے کیمپ میں پہنچادیا تھا۔ اس لئے اگر انقلاب کو محفوظ و مامون کرنا ہے اور اس کو آگے بڑھانا ہے تو پھر حفیظ اللہ امین کی قیادت سے ہی نہیں بلکہ اس کی تمام پالیسیوں سے دامن چھڑانا ہوگا چنانچہ جب دسمبر ۱۹۷۹ء میں حفیظ اللہ امین پارٹی کے اجلاس میں مزاحمت کے دوران مارا گیا اور اس کے بعد پارٹی نے ببرک کارمل کو پارٹی کا سیکرٹری جنرل منتخب کیا تو اس نے ۲۷؍ دسمبر ۱۹۷۹ کو کابل ریڈیو سے تقریر نشر کرتے ہوئے کہا تھا۔

آج افغانی عوام کو آزادی حاصل ہوئی ہے۔ انہوں نے ایک نیا جنم لیا ہے۔ اور وہ بالآخر ظلم اور تشدد کی شب سیاہ کا پردہ چاک کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور حفیظ اللہ امین کی قتل و غارت، ایذا رسانی کی پوری مشینری کو تباہ و برباد کردیا گیا ہے۔ یہ وہی مشینری تھی جس کی پشت پناہی شاہی خاندان کے بچے کھچے افراد، قبائلی سردار اور داؤد کے حامی اور ان کا سرغنہ امریکی سامراج کررہا تھا۔ سماجی اور معاشرتی تشدد کے آخری نشانات تک مٹادیے گئے ہیں۔"

ببرک کارمل نے اس پورے دور کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے کہا تھا۔

"حفیظ اللہ امین جو بنیادی طور پر جواری تھا دراصل افغانستان کی عوامی جمہوری پارٹی میں پہلے دن ہی ۱۹۶۵ء میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ یہ ۱۹۶۵ کا سال تھا جب افغانستان کے بہترین سپوت نور محمد ترہ کئی کی قیادت میں یہ عوامی جمہوری پارٹی قائم کی گئی۔ لیکن بدقسمتی سے پارٹی بہت دنوں تک متحد نہ رہ سکی اور دو آزاد حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ دس سال کے اختلافات کے بعد اور دوری کے بعد ۱۹۷۷ء میں ان دونوں حصوں اور دھڑوں کی کانفرنس ہوئی جس میں پارٹی کو متحد کرکے ۳۰ اراکین پر مشتمل ایک سنٹرل کمیٹی قائم کی گئی اور نور محمد ترہ کئی کو پارٹی کا سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا اور ببرک کارمل کو سنٹرل کمیٹی کا سیکرٹری اور پولٹ

بیورو کا رکن منتخب کیا گیا اور اس وقت سے ہی ایک قومی جمہوری
اور جاگیرداری مخالف انقلاب کی تیاری شروع ہو گئی اور جو اپریل
۱۹۷۸ء میں رونما ہو گیا۔ لیکن بدقسمتی سے شروع سے پارٹی کے اتحاد
میں کمزوریاں در آنے لگیں بلکہ اس اتحاد میں دراڑیں پڑنا شروع ہو گئیں
اس نا اتفاقی اور عدم اعتماد کی فضا سے سامراجیوں کے پٹھو حفیظ اللہ امین نے
فائدہ اٹھا کر پارٹی اور نو ساختہ حکومت کے اہم اور کلیدی عہدوں پر قبضہ کر
کے پارٹی کے دیانتدار اراکین کے خلاف متشددانہ کارروائیاں شروع کر دیں
جس کے نتیجے میں پارٹی کے کئی اراکین کو ملک چھوڑنا پڑا اور کئی ایک زیر زمین
یعنی خفیہ طور پر کام کرنے لگے کئی ایک کو گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتار ہونے والے
پارٹی ممبروں کی تعداد نو سو تھی جن میں سے پانچ سو کو گولی مار دی گئی۔ باقی چار سو
کو دسمبر ۱۹۷۹ کی تبدیلی کے بعد بچا لیا گیا۔ یہ ظلم و ستم صرف پارٹی کے ممبروں
پر ہی نہیں روا رکھا گیا۔ بلکہ کئی سو دانشور، ترقی پسند اور جمہوریت دوست عناصر
بھی اس کے مظالم کا تختۂ مشق بنے۔

لطف یہ ہے کہ اس پورے ظلم و متشددانہ کارروائیوں کے خلاف مغرب کی
حکومتیں چپ سادھے رہیں لیکن جیسے ہی حفیظ اللہ امین کو جمہوری پارٹی نے قیادت
سے محروم کیا اور اس کشمکش میں اس کو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے تو مغربی اور
امریکی سامراج بوکھلا اٹھے چنانچہ ۲۷ ستمبر ۱۹۷۹ء کو افغانستان کی حکمران جمہوری
پارٹی نے ایک بیان میں کہا تھا۔

"امریکہ کے صدر حفیظ اللہ امین کو افغانستان کا جائز حکمران قرار دیتے ہوئے
شرم محسوس ہونی چاہئے کیونکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ حفیظ اللہ امین غاصب تھا۔
جس نے سازش کے ذریعے افغانستان کے جائز حکمران نور محمد ترکئی کو اقتدار سے محروم
کر کے ایک خونی آمریت قائم کی۔ امریکی انتظامیہ اس وقت کیوں خاموش رہی جب
افغانستان کے اندر سینکڑوں اور ہزاروں محبانِ وطن اس غاصب کے احکام کی بنا پر قتل کئے
گئے، ان میں دانشور بھی تھے۔ مذہبی عالم تھے اور مزدور کسان بھی تھے"۔

ببرک کارمل نے افغانستان کی جمہوری پارٹی اور حکومت کی قیادت سنبھالنے کے
بعد اپنی پارٹی کی پالیسی کے بارے میں جو پہلی وضاحت کی تھی۔ اس میں صاف طور پر کہا
گیا تھا۔

میرے عزیز ہم وطنو! انقلابی کونسل واضح طور پر اعلان کرتی ہے کہ جمہوریہ
افغانستان اقتدار اعلےٰ پورے عوام کی ملکیت ہے ہم جتنی جلد ممکن ہو سکا
قومی جمہوری عناصر کا ایک وسیع پیمانے پر متحدہ محاذ قائم کریں گے جس
کی قیادت افغانستان کی جمہوری پارٹی جو افغانستان کے محنت کشوں کی
پارٹی ہے کرے گی۔ ہم تمام جمہوری آزادیوں کی ضمانت دیں گے ان
جمہوری آزادیوں میں محب وطن سیاسی جماعتوں کا قیام و تشکیل بھی شامل ہے
ذرائع ابلاغ کی آزادی تحریر و تقریر اور اجتماع کی آزادی مہیا ہو گی۔"

اب یہی وہ بنیاد ہے جس کو سامراج پسند نہیں کرتا کیونکہ ان جمہوری آزادیوں اور
ان کے ساتھ سماجی تبدیلیوں کی وجہ سے اگر مستحکم اور مضبوط انقلابی افغانستان متشکل
ہوا تو وہ پھر پورے خطے میں انقلابی تبدیلیوں کا نقیب بن کر ابھرے گا اور یہ صورت
حال میں نہ سامراج کے لئے گوارہ ہے اور نہ خطے کے رجعت پسند حاکموں کے لئے۔
اس لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ افغان انقلاب کو جس طرح بھی ناکام بنایا جائے لیکن
انقلاب کو ناکام بنانے کے طریقے ہوتے ہیں۔

(۱) تخریبی کارروائیوں کے لئے عامتہ الناس میں خوف و ہراس پیدا کیا جائے تاکہ
وہ دلجمعی سے نہ کاشت کر سکیں، نہ کارخانوں میں محنت کر سکیں۔

(۲) کھیتوں، کارخانوں، سکولوں ہسپتالوں کو بموں سے اڑایا جائے تاکہ انقلابی حکومت
عوام کو سہولتیں مہیا کرنے کے لئے جو اقدام کر رہی ہے ان کو غارت کیا جائے۔
اور اس طرح سے عوام میں بددلی پیدا کی جائے۔ اور اس طرح انقلابی حکومت
کو عوام کی تائید سے محروم رکھا جائے۔

(۳) مساجد پر خاص طور پر بمباری کی جائے اور عوام میں یہ افواہیں پھیلائی جائیں کہ
یہ سب کمیونسٹ کر رہے ہیں کیونکہ وہ مذہب کے دشمن ہیں۔

لیکن کیا رد انقلاب کی طاقتیں اور سامراج اپنے ان عزائم میں کامیاب ہو جائیں گے؟
میرا جواب نفی میں ہے کیوں؟

یہ درست ہے کہ انقلاب کو ایسے حالات میں جبکہ امریکی سامراج اپنے رجعت پسند
دوستوں کی توجہ طفر موج کے ساتھ اس انقلاب کو پسپا کرنے پر تلا ہو تو انقلاب کو محفوظ و
مامون کرنا ایک طویل اور صبر آزما کام ہے۔ اور جب تمام مغربی ممالک نے ذرائع
ابلاغ من گھڑت خبروں کے ذریعے عالمی رائے عامہ کو یہ تاثر دینے میں مصروف ہوں

کہ انقلاب افغانستان اب پسپا ہوا۔ ان خبروں کے ذریعے جتنے روسی اور افغانی پچھلے پانچ
چھ برس مارے گئے اگر اعداد و شمار کو اکٹھا کیا جائے تو اب تک روس کی آدھی فوج
اور افغانستان مکمل فوج ہو چکی ہونی چاہیئے۔ دراصل جس طرح امان اللہ کی اصلاحات
کے زمانے میں اس کے خلاف خبروں کا مرکز پشاور بنا ہوا تھا۔ اسی طرح آج بھی اسلام آباد
میں باقاعدہ "افغان ایجنسی" کے نام سے ایک نیوز ایجنسی کام کر رہی ہے جس کے تمام اخراجات
بیرونی طاقتیں اور جماعت اسلامی برداشت کر رہی ہے۔ ان تمام کارروائیوں اور
بیرونی قائدین کو مہاجرین کیمپوں کے دورے کرواتے اور فلمیں بنانے کا مقصد
عالمی رائے عامہ کو انقلاب افغانستان کی ناکامی کا یقین دلانا ہے اور اس طرح
افغانستان کے اندر جو تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں اور افغانی عوام روز بروز
انقلابی اصلاحات سے مستفید ہونا شروع ہوئے ہیں اس سے رائے عامہ کو روشناس
نہ ہونے دیا جائے۔

اب افغانستان کے اندر صورت حال یہ ہے کہ پہلی بار تمام کسانوں کو کاشت
کرنے کے لئے زرعی اراضی ملی ہے۔ سود سے چھٹکارا حاصل ہوا ہے۔ عورتوں کی خرید و
فروخت پر پابندی عائد کی گئی ہے۔ ان تمام اصلاحات کو مؤثر بنانے کا فریضہ پارٹی
کے کارکن کر رہے ہیں۔ اب تک سوشلسٹ ملکوں سے تقریباً ۲۰ ہزار نوجوان تعلیم
حاصل کر کے افغانستان پہنچ چکے ہیں اب یہ مملکت کے اداروں کو نئے سرے سے منظم
کرنے میں مصروف ہیں اور پہلی بار تاریخ میں افغانستان کے اندرونی علاقوں میں ایک
پائیدار اور مستحکم اداروں والی حکومت میسر آئی ہے جو عوام کی مشکلات حل کرنے
میں مصروف ہے اور جیسے جیسے عوام کی مشکلات دور ہو رہی ہیں ان کی غربت
میں کمی آ رہی ہے، ان کی جہالت و پسماندگی دور ہو رہی ہے، اور ان کو جمہوری پارٹی کے
اغراض و مقاصد سے واقفیت ہو رہی ہے ویسے ... عوام حکومت کی تائید
میں اٹھ کھڑے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اب رد انقلاب کے حامیوں کی تخریب کاری
کو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے ہماری اپنی
جمہوری اور سماجی تبدیلی کی تحریک افغانستان کے انقلاب سے وابستہ ہو گئی
ہے۔ جیسے جیسے انقلاب افغانستان کامیاب و کامران ہو رہا ہے ویسے ہی ہماری آزادی
اور خوشحالی کی تحریک بھی تندرست و توانا ہو گی۔

کوئی پسند کرے یا نہ کرے تاریخ کی جدلیات کا یہی تقاضا ہے۔ لیکن ہم جتنی

جلد ہی اس حقیقت کا شعور حاصل کر کے اس خطے میں افغانستان کے انقلاب کی حقیقت کو تسلیم کر لیں۔ اتنا ہی بہتر ہے کیونکہ اس میں ہم محاذ آرائی کی فضا سے جان چھڑا کر اپنی پوری توجہ اپنے حالات کی بہتری کی طرف کرنے پر قادر ہو سکیں گے۔

سی آئی اے کی فراہم کردہ رقوم سے جو اسلحہ افغانستان کے انقلاب کے خلاف لڑنے والے افغانوں کو بھیجنے کے لئے خریدا جاتا ہے اس کے بارے میں حال ہی میں جو انکشافات ہوئے ہیں وہ خاصے چونکا دینے والے ہیں۔ چنانچہ امریکی سینٹ کے ایک رکن مسٹر گورڈن ہمفری اور امریکہ افغان ایکشن کی فیڈریشن کے ڈائرکٹر

مسٹر میتھو اہر نے حال ہی میں مشترکہ طور پر ایک پریس کانفرنس کو خطاب کیا۔ اس پریس کانفرنس میں ان کے ہمراہ انقلاب مخالف چار افغان بھی موجود تھے۔ اس پریس کانفرنس میں انکشاف کیا گیا کہ پچھلے چار برس میں افغان انقلاب کی مزاحمت کرنے والوں کو ۲۸۰ اور چار سو ملین ڈالر کے درمیان جو امداد روانہ کی گئی ان میں سے مزاحمت کرنے والوں کو صرف ۵۰ ملین ڈالر پہنچ سکی ہے۔ سینیٹر نے واشگاف الفاظ میں کہا اس امداد کو بڑے پیمانے پر خرد برد کیا جا رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ ان مزاحمت کرنے والوں کو شدید جانی نقصان ہو رہا ہے اور وہ شکستیں اٹھا رہے ہیں سینیٹر ہمفری نے کہا کہ وہ اس خرد برد ہونے والی امداد کا مسئلہ اگلے مہینے کانگریس میں اٹھائیں گے۔

عبداللہ ملکؒ کی اہم کتابیں

داستانِ دارورسن : صفحات ۳۵۰، سائز $\frac{18\times22}{8}$، مجلد مع گردپوش

قیمت: ۳۵ روپے

یہ کتاب پاک و ہند اور بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک سے متعلق ہے۔ ایوب شاہی دور میں مارے جانے والے مشہور کمیونسٹ لیڈر حسن ناصر کی شہادت کی پوری تفصیلات۔ کس طرح شاہی قلعہ میں اس کی موت ہوئی اور اس موت کا ہائی کورٹ میں کیسے چرچا ہوا۔ کتنے مقدمے چلے، کتنی تحقیقاتیں ہوئیں۔ ان سب تفصیلات کو پہلی بار قلم بند کر کے یکجا بھی کیا گیا۔ اس کی پوری سوانح اور اس دور کی کمیونسٹ تحریک کے عروج و زوال کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح سے اس میں کیمبلپور کے میرداد کا تذکرہ ہے جو عین شباب میں ۱۹۴۶ء میں جہازیوں کی بغاوت میں بندوق بدست مارا گیا۔ یہ میرداد جو جیل سے فرار ہوا۔ اس کی پوری کہانی ہے کیسے اس نے روپوش رہ کر انقلابی تحریکوں میں حصہ لیا۔ کیسے وہ دیس دیس میں روٹی روزگار کے لئے مارا مارا پھرا۔ اور وہ پھر کس طرح بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک میں شریک ہوا۔ یہ سب کہانیاں ان صفحات میں بکھری پڑی ہیں۔

یہی نہیں بلکہ بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک کے بعض عظیم دانشوروں کی روئیداد حیات اور ان کی تحریریں اس کتاب میں پہلی بار یکجا ہوئی ہیں۔ ان میں جی گوپرا کی مفصل سوانح اور تحریریں ہیں۔ ان میں پیرس کے گیبریل پیری، چیکوسلوویکیہ کے جیولس فیوچک، انگلستان کے رالف فاکس اور چین کے سات شہید ادیبوں کا تذکرہ شامل ہے۔

پنجاب کی سیاسی تحریکیں

۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء تک

صفحات ۳۵۰، مجلد مع گرد پوش

سائز ۱۸×۲۲/۸، قیمت ۳۵ روپے

ان صفحات میں اس دور کی ان تحریکوں کا تذکرہ اور تجزیہ ہے۔ جنہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے نچلے متوسط طبقہ کو متاثر کیا۔ ان تحریکوں کی تاریخ ہی نہیں بلکہ اس وقت کے پنجاب کا پورا سیاسی و سماجی پس منظر بھی بیان کیا گیا ہے۔ ان تحریکوں میں راشٹریہ سیوک سنگھ ہے۔ مجلس احرار ہے، خاکسار ہیں، پچپن فیصدی کی تحریک کا تذکرہ ہے۔ قادیانیوں کی تحریک کی مقبولیت اور مخالفت کی روئیداد اور تفصیلی تجزیہ ہے اُردو ہو یا انگریزی ان تحریکوں پر کوئی بھی ایسی جامع کتاب ابھی تک سپردِ قلم نہیں کی گئی۔

بنگالی مسلمانوں کی صد سالہ جہدِ آزادی

۱۷۵۷ء تا ۱۸۵۷ء

صفحات ۵۰۰، سائز ۱۸×۲۲/۸ قیمت ۷۰ روپے مجلد ۹۰ روپے

یہ ضخیم کتاب بنگالی مسلمانوں کی تاریخ ہے اس میں انگریز کی آمد اور اس کے بندوبست دوامی کے نتائج میں چلنے والی مذہبی اور کاشتکاروں کی تحریکوں کی روئیداد ہے بنگال میں اسلام کیسے آیا اور اس نے کن طبقوں کو متاثر کیا۔ بنگالی زبان اور ادب کیسے متاثر ہوئے۔ ان تمام باتوں کا ذکر ان صفحات میں ملے گا۔ اس میں "زمین خدا کی ہے" یہ نعرہ مولوی شریعت اللہ نے بلند کیا۔ جو فرائضی تحریک کے بانی تھے۔ ان تمام تحریکوں کا تذکرہ ہی نہیں۔ بلکہ ان تحریکوں اور سید احمد شہید کی تحریک کے تعلق یہ بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ کیسے بنگال اور بہار کے کاشتکار صوبہ سرحد میں آزادی کی جدوجہد کے لئے جمع ہوتے رہے۔ اس کتاب سے بنگالی مسلمانوں کے اس ورثے کا پتہ چلتا ہے جو ہم سے ہم آہنگ بھی تھا اور الگ بھی، اور ایک صدی بعد کے رونما ہونے والے واقعات کا پورا پس منظر اس کتاب سے اجاگر ہوتا ہے۔

مرے چارہ گر کو نوید ہو صفِ دشمناں کو خبر کرو
جو وہ قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب آج چکا دیا — فیض

تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
۱۹۵۳ء میں اس روشنیوں کے شہر لاہور پر پہلا مارشل لاء نافذ کیا گیا تھا اور اس کی روشنیاں بجھ گئی تھیں یہ تاریکیوں میں ڈوب گیا تھا۔ اس موقع پر مرکزی قانون ساز اسمبلی میں **میاں افتخار الدین** نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

"مجھے ڈر ہے کہ اس مارشل لاء کے ذریعے بے ایمان حکمران طبقے نے اپنے اقتدار کو طوالت دینے کا ایک نیا اور مہلک طریقہ ڈھونڈ نکالا ہے۔"

- یہ وہی میاں افتخار الدین تھا جس نے "پاکستان ٹائمز" اور "امروز" کی داغ بیل ڈالی تھی۔
- یہ وہی افتخار الدین تھا جس کو جمہوریت پسندی کی سزا میں ان اخبارات سے ہاتھ دھونا پڑا اور جنرل ایوب کے مارشل لاء نے ان کو سرکاری تحویل میں لے لیا۔
- یہ وہی افتخار الدین تھا جس نے سب سے پہلے پاکستانی حکمرانوں کو ان کے غیر جمہوری اقدام پر للکارا اور ملک بھر میں عام انتخابات کا مطالبہ کیا تھا۔
- یہ وہی افتخار الدین تھا جس نے مشرقی پاکستان کے لیے آواز اٹھائی اور اس کی خود مختاری کو تسلیم کرنے اور اس کے ساتھ کنفیڈریشن کے قیام کا مطالبہ کیا۔
- یہ وہی افتخار الدین تھا جو جمہوریت کا مجاہد بھی تھا اور مارکسسٹ بھی تھا۔

اسی مجاہد کی داستانِ حیات

عبداللہ ملک

رقم کرتے ہیں اور آکسفورڈ میں مارکسی افکار سے متاثر ہونے تک کا تجزیہ کرتے ہیں ـــــ یہ نئی کتاب ہے۔

سوانح

میاں افتخار الدین

(۱)

عالمی کمیونسٹ تحریک

آفسٹ طباعت

قیمت -/۶۰

ارضِ جنت

سوویت یونین

نیا آئین اور سفرنامہ

یہ **عبداللہ ملک** کی نئی کتاب ہے۔

سوویت روس دنیا کا سب سے متنازعہ ملک ہے اور سب سے وسیع ملک بھی ہے۔
ایک عالم کے مجبور اور مقہور انسان اگر اس سے محبت کرتے ہیں تو امریکی جنگ بازوں سے لے کر پاکستان کے رجعت پسندوں تک سبھی اس کے خلاف تلوار بدست میدان کارزار میں اترنے کے لئے تیار نظر آتے ہیں۔

آخر کیوں؟

کیا واقعی سوویت روس اتنا برا ملک ہے؟ کیا وہ ہمارا ہمسایہ نہیں ہے؟ کیا اس نے پاکستانی کو توڑا ہے؟ کیا وہاں انسانی حقوق محفوظ نہیں؟ کیا وہاں جمہوریت نہیں ہے؟ کیا وہاں شہری آزادیاں نہیں ہیں؟ کیا وہ ایک عظیم سوشلسٹ ملک نہیں ہے؟ جس میں بیروزگاری ختم ہو گئی ہے۔ جس میں مہنگائی نہیں ہے۔

ان تمام سوالوں کا جواب **عبداللہ ملک** نے اپنی اس کتاب میں دیا ہے۔ **عبداللہ ملک** نے پچھلے دنوں ایک مہینہ سوویت روس میں گزارا اور یہ ایسا وقت تھا جب سوویت روس اپنا نیا آئین منظور کر رہا تھا۔ چنانچہ **عبداللہ ملک** نے سوویت روس کے تمام پچھلے آئینوں یعنی ۱۹۱۸ء ۱۹۲۴ء، ۱۹۳۶ء کے آئینوں کی ایک طرف تاریخ اور وہ پس منظر بیان کر دیا ہے تو دوسری طرف ۱۹۷۷ء کے آئین کا پس منظر اور اس کی اہم خصوصیات شرح و بسط کے ساتھ قلم بند کر دی ہیں اور آئین بھی درج کر دیا ہے۔

سوویت یونین ایک عظیم سوشلسٹ ملک ہے۔ ہمارا عظیم ہمسایہ ہے اس کے متعلق جاننا ازبس ضروری ہے۔ امریکی اور مغربی ممالک یا ہمارے ہاں کے سرمایہ داروں کے جھوٹے اخباروں پر تکیہ کرنا اور یقین کرنا اپنی قوم سے اپنے پاکستان سے غداری ہے۔ یہ کتاب آپ کے علم میں اضافہ ہی نہیں کرے گی بلکہ آپ کے بہت سے شکوک اور غلط فہمیاں بھی دور کرے گی۔

قیمت ۳۰ روپے

عبداللہ ملک کی نئی تصنیف

- کیا قومیں ابتدائے آفرینش سے جنم لیتی ہیں؟ یا تاریخ کے کسی خاص دور میں یہ وجود میں آتی ہیں؟
- کیا قومیں صرف مذہب کی بنیاد پر استوار ہوتی ہیں یا اور عوامل بھی ان میں شامل ہوتے ہیں؟
- کیا برصغیر صرف ایک قوم کا ملک تھا؟ یا دو قوموں کا؟ یا برصغیر متعدد قومیتوں کا وطن تھا؟ جن کو تاریخ نے بالآخر ایک قوم میں تبدیل کرنا تھا! یہ عمل کیوں رک گیا؟

یہ اور اس نوع کے سوالوں کے جواب **عبداللہ ملک** اپنی اس نئی تصنیف میں دیتے ہیں۔
ان اوراق میں وہ یہ بحث بھی کرتے ہیں کہ غیر مسلح ہندو اور غیر مسلح مسلمانوں کے درمیان فسادات کے ازالے اور روک تھام کے لیے **برصغیر** پاک و ہند میں تقسیم ہوا تو پھر مسلح ہندو ریاست اور مسلح مسلم پاکستان ایک دوسرے کے سامنے تلوار بدست صف آرا کیوں ہیں؟

یہ دلچسپ اور چونکا دینے والے سوالوں کے جوابات عبداللہ ملک نے پوری تفصیل کے ساتھ ان اوراق میں دیے ہیں۔ ان جوابات سے ممکن ہے بہت سے ماتھوں پر بل پڑیں اور بھڑک بھی اٹھیں لیکن جوابات کی صحت سے انکار کی ہمت نہ کر پائیں گے، کیوں کہ ان جوابات کے لیے انہوں نے اس برصغیر کی پوری تاریخ کو نئے انداز سے کھنگالا ہے۔

فون- ۸۵۱۴۰۰